U465. P - 18-1-10

Title - MINHAAJUL HAQ.

Creator - Sayyed Muhabbul Haq

Publisher - Matba Akhtar Dakan (Hyderabad).

Date - 1345 H.

Pages - 256.

Subjects -

جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

بحمد رب الفلق کتاب ہدایت انتساب ناسخ طوامیر ماسبق بقدر دانی شہنشاہ دکن محی الملۃ والدین

اعلیحضرت نواب مستطاب میر عثمان علی خان بہادر آصفجاہ ہفتم ادام اللہ اقبالہ وخلد اللہ سلطنتہ

سلک ثالث سلسلۂ دعوۃ الحق، فی شرعۃ الحق

المسمیٰ بہ

منہاج الحق

من تصانیف حافظ کلام ربانی وحامل اسرار صمدانی غواص دریائے شریعت وطریقت وسباح بحار روحانیت وحقیقت شمس العلماء مولوی حافظ سید محب اللہ الحق صاحب رئیس پٹنہ عظیم آباد

وظیفہ یاب سرکار عالی نظام خلد اللہ ملکہ، سلطنتہ

سنہ ۱۳۳۵ ہجری

در مطبع [illegible] دکن واقع افضل گنج باہتمام سید [illegible] طبع شد

حیدرآباد دکن

انتساب

تحفۂ درویش کو کرتے ہیں سب طالب قبول
ہم بھی اپنے دل کے ٹکڑوں کا یہ تحفہ لائے ہیں
خاکسار مصنف اس ناچیز تصنیف کو

عالیجاہ و عالی مرتبت ہر دلعزیز ہونہار شاہزادہ اعظم جاہ

نواب میر حمایت علیخان بہادر

اطال اللہ عمرہ وافاض اللہ لہ مقالید السموٰت والارض کے
نام شہزادگی واسم **ولیعہدی** کے ساتھ منسوب کرتا ہے

کیونکہ

یہ کتاب تصوف قرآنی کا پہلا جلوہ ہے جو انسان کامل بنانے کیلئے خدائی ہدایت نامہ ہے

اور

ہمارے شاہزادہ بلند اقبال کو خداوند عالم انسان کامل کا نمونہ اور خلیفہ اللٰہی کا
وارث مستحق
قرار دیکر جلوہ گاہ عالم میں چمکانے والا ہے اسلئے اس تصنیف کے انتساب کا
ہمارے شاہزادے سے بہتر کوئی دوسرا مستحق نہیں ہو سکتا خدا اس انتساب کو قبول کرے آمین

سید محب الحق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد باریتعالیٰ

الحمد للہ الذی خلق السمٰوٰت والارض وجعل الظلمٰت والنور ۵ ثم الذین کفروا بربھم یعدلون ۵ امن خلق السمٰوات والارض وانزل لکم من السمآء مآء ۚ فانبتنا بہ حدائق ذات بھجۃ ۚ ما کان لکم ان تنبتوا شجرھا ءاِلٰہ مع اللہ ۚ بل ھم قوم یعدلون ۵ ھو الذی خلقکم من طین ثم قضٰی اجلاً واجل مسمّٰی عندہ ثم انتم تمترون ۵ امن یبدؤا الخلق ثم یعیدہ ومن یرزقکم من السمآء والارض ءاِلٰہ مع اللہ قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین ۵ ھو اللہ فی السمٰوات وفی الارض یعلم سرکم وجھرکم ویعلم ما تکسبون ۵ امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوٓء ویجعلکم خلفآء الارض ءاِلٰہ مع اللہ ۚ قلیلاً ما تذکرون ۵ ھو الذی ینزل علٰی عبدہٖ اٰیٰت بیّنٰت لیخرجکم من الظلمٰت الی النور وان اللہ بکم لرءوف الرحیم ۵ امن یھدیکم فی ظلمٰت البر والبحر ومن یرسل الریٰح بشرًا بین یدی رحمتہٖ ءاِلٰہ مع اللہ ۚ تعالی اللہ عما یشرکون ۵ ھو الذی ذراکم فی الارض والیہ تحشرون ۵ امن جعل الارض قرارًا وجعل خلالھا انھرًا وجعل لھا رواسی وجعل بین البحرین حاجزًا ءاِلٰہ مع اللہ ۚ بل اکثرھم لا یعلمون ۵ ھو اللہ لا اِلٰہ الا ھو ۚ لہ الحمد فی الاولٰی والاٰخرۃ ولہ الحکم

والیہ ترجعون ۵

اے وہ ذات جو ہے ۔ ذات تیری ۔ صفات تیرے ۔ تیرے سوا جو ہے وہ نہیں ہے نہیں کو ہے کے جلوے میں تو نے دکھایا ۔ اور ہے کو نہیں ۔ کے پردے میں تو نے چھپایا تیری حمد کرنی چاہوں تو اے قدوس ! تیری قدوسیت اور تیری عظمت و جلالت حیرت کی بیہوشی میں ڈال دیتی ہے ۔ اور چپ رہوں تو جذبۂ دل چپ کے چپ کے چٹکیاں لیتا ہے اور بچلا بیٹھنے نہیں دیتا ۔ قرار نہ یوں ہی نہ دوں ہی چین نہ اس پہلو نہ اُس پہلو ہمت کا

قصور نہیں مگر حوصلہ کا مقام نہیں۔ کہاں تو نشان و اشارے سے وہم و کنایہ سے پاک و منزہ
سبحان اللہ عما یصفون اور کہاں ہم۔ عدم و جود و نما کے بلبلے کہ خیال ہٹا اور پھوٹ بہے۔
جس کا ہونا بھی وہ ہو کا نہ ہونا بھی وہ ہو گا۔ کہاں تیرے صفات مقدس عن الکیفیات و احاطت
والحمد للہ واللہ اکبر اور کہاں ہمارے کیفیات آلودہ قیودات و محدودیت۔ کہاں تو اور
کہاں ہم پھر تیری حمد کرنی غیر محدود کو محدود الفاظ میں محدود معنی میں محدود مفہوم میں مقید کرنا
ہے اور یہ ناممکن۔ تو اے واجب الوجود پھر تیری حمد کے لیے زبان الفاظ معنی مفہوم کہاں سے
لائیں ع خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تو۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ اکبر
ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

نعت سید المرسلین منزل من رب العالمین

یٰسٓ۔ والقرآن الحکیم انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم ہ وما ارسلناک الا رحمۃ
للعالمین ہ لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلو علیھم
آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین ہ لقد جاءکم رسول
من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم۔ نعت خیر الوریٰ
احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اگر بہ دوری و نابینائی بیان ہو تو کہانی ہے اور
تاریخ نویسوں کا افسانہ اور اگر بحضوری بیان ہو تو حضوری اور بیان۔ ایسی حضوری جس میں
دیدار محبوب کے سوا تحریر و تقریر کا بھی ہوش ہے حضوری کی بیہوشی بہتر مگر بیہوشی میں نہ دید
و شنید نہ ناز و نیاز نہ ولولۂ عشق نہ الطاف محبوب کی دل آرائیاں تو اس سے بہرحال دیوانہ وار
ہوش اور عاشقانہ گرم جوشی ہی اور اچھے ہوں دیوانہ سے یہ امید کہ وہ نعت
مصطفوی کے مراتب طے کر سکے گا۔ دیوانہ پن ہے۔ وفور شوق اور سلسلہ بیان چشم محو نظارہ
اور مراحل تحریر۔ دل سودا زدہ اور مراسم تقریر۔ ناممکن۔ نہ آنکھوں کو قوت تقریر نہ زبان کو طاقت دید
اس لیے آپ کی نعت دل عشاق کے حوالے چشم مشتاق کے حوالے شوق و اشتیاق
کے حوالے پھر کہنے سننے لکھنے لکھانے کو کیا رہا۔ ہ

جو ہو گیا ہو آپ کا شیدا وہ کیا کہے ۔۔۔ دیوانہ ہو جو آپ کا مولا وہ کیا کہے
عشاق را خبر ز سیاہ و سفید نیست ٭ جز دید یار فرصت گفت و شنید نیست ۔

مقدمہ کتاب

میں نے دعوۃ الحق میں از روئے دلائل عقلی و فلسفی اور از روئے اقتضائے فطرت اسلام کی حقانیت بمقابلہ دیگر ادیان کی دکھائی ہے اور توحید، ضرورت رسالت، حقانیت رسالت، ختم رسالت، حقیقت معجزات، حقانیت قرآن مجید۔ اس کا کلام اللہ ہونا اور منزل من اللہ ہونا ثابت کیا ہے ان مضامین کو جسے دیکھنا ہو وہ دعوۃ الحق میں دیکھے۔

قرآن مجید کی حقانیت تسلیم کر لینے کے بعد اس کے سوا کوئی کسوٹی حق و باطل کے جانچ کی نہیں ہو سکتی جو قطعی ہو اور غلطی اور لغزش سے پاک ہو اس لیے شرعۃ الحق میں میں نے اسلامی شریعت کو قرآن مجید سے بیان کیا ہے۔ تاکہ وہ سارے فرق اسلامیہ کے اختلافات اور جھگڑوں میں حکم ہو اور خدائی فیصلہ سنا دے شریعت کی صحت جسے کرنی ہو وہ شرعۃ الحق کو بلا نفسانیت دیکھے۔

اس کتاب میں جس کا نام میں نے منہاج الحق رکھا ہے مجھے قرآن مجید کی روحانی تعلیم در قرآنی تصوف کو بیان کیا ہے جو تیرہ سو برسوں کے گذرنے پر بھی من حیث تصنیف و تالیف سر بمہری رہا ہے۔ اس کے متعلمین عالمین ہوئے تحصیل کی مراد کو پہونچے۔ مگر جو سیکھا یا سکھایا وہ سینہ بسینہ ہی رہا۔ یہاں تک کہ (۲) کا نام ہی پڑ گیا علم سینہ مگر جو کتاب من اللہ تبلیغ کی گئی اُس کی روحانیت کو ضرور ہے کہ آشکارا کیا جائے۔ بے مجھے ضرورت اس کے آشکارا کرنے کی کیا ہو ہی ورکس ضرورت نے مجھے مجبور کیا اسے میں اس مقدمہ میں جس کو ذیل کی چند سرخیوں میں تقسیم کیا ہے بیان کروں گا ناظرین سے اُمید ہے کہ پہلے مقدمہ کو پڑھ لیں جب اصل کتاب کی طرف توجہ فرمائیں۔

حقیقت حال

علام الغیوب! تجھ سے چھپا کیا ہے۔ مدت ہوئی۔ زمانہ ہوا صبح ہوئی شام ہوئی۔ موسم آئے

موسم گئے۔ صبا چلی، سموم چلی۔ دن کٹے، راتیں کٹیں، برسوں کا شمار ہے۔ اتنے زمانہ میں
خدا جانے کتنے انقلاب ہوئے۔ طفلی آئی بھی گئی بھی۔ شباب بھی آیا وہ بھی رخصت ہوا۔ اب
پیری آئی اور آتے آتے پیام اجل بھی آیا۔ مگر تیرے دیوانہ کو کہیں پناہ نہ ملی۔ بھونرا بنا مگر جس
پھول پر بیٹھا وہ مرجھا گیا۔ پروانہ بنا مگر جس شمع کے پاس آیا وہ گل ہو گئی۔ بلبل بنا مگر جس گل کا ہمنوا
ہوا وہ گل گلچیں کے گلے کا ہار ہوا۔ اور بہتر ہوا تیرے پروانہ کو شمع سے کیا کام اور چراغ سے
کیا غرض۔ تیرے دیوانہ کو گلستان سے کیا تعلق اور بوستان سے کیا مطلب۔ بے نیاز تو
سب سے ہوا مگر دل کی پیاس بجھی اور نہ نبض کی تیزی ٹھنڈی نہ ہوئی۔ یاس جو سبب تسکین
ہوتی وہ بھی نہ ہوئی۔ غایت شوق نے تیری تصویر کھینچی تو ایمان غیبی نے اسے مٹا دیا۔ جوشِ
جنوں نے جسے کہا کہ وہ تو ہے۔ دیکھا تو وہ تو نہ تھا اپنا دیوانہ پن تھا۔ آنکھیں ترستی ہی رہیں
اور دل بسمل تڑپتا ہی رہا۔ تیری طلب و جستجو نے بیٹھے بیٹھے کس کس جہان کی خاک نہ چھنوائی اور
کس کس عالم کی فضا نہ پھروائی۔ دیکھا اور کیا کیا نہ دیکھا مگر یہ سارے ماسوا کے تماشے تھے اور
انی لا احب الآفلین میں فانی کو پسند نہیں کرتا اللہ ۵

کہاں کہاں تیرا عاشق تجھے پکار آیا

افسوس صد افسوس عمر گزری اور تماشہ بنی ہی رہی۔ حیرت در حیرت بہتیرا کچھ دیکھا اور کچھ نہ دیکھا
کہیں تیری جھلک سے پایا تو وہ تیری جھلک تھی تو نہ تھا کہیں تیری تصویر بول اٹھی تو وہ تیری
اک امتحانی ادا تھی تو نہ تھا۔ اے منزہ عن الکیف بالکیف کا جیلا اپنی چار دیواری سے نکلنے
نہیں دیتا کہ تنزیہہ و تقدیس کی جاں بخش ہوا سے مشام جان تازہ ہو۔ سچ ہے یہ منسوب بالغیب
کا احاطہ ہزار توڑو نہیں ٹوٹتا ہے جیسے۔ اس کا نتیجہ تھا یاس و ناامیدی۔ مگر جوش عشق نے سہارا
دیا اور ہمت شکستہ نے سنبھالا لیا۔ امید کا گھٹا ٹوپ بادل امنڈ آیا۔ بارش رحمت کی جھڑی برسنے
لگی۔ ولولہ اٹھا تو دل کے ہاتھوں نے ہاتھ بڑھایا مگر ہاتھ کی بساط گز بھر کی بھی نہیں۔ چشم شوق نے
آنکھیں کھولیں تو تل اوجھل پہاڑ۔ ایک مدت انا الحق کی شراب ڈھلی۔ ایک مدت ہو الحق کا دور چلا مگر
حوادث فنا کے دائرہ سے نہ اک نقطہ باہر گیا نہ نقطہ کا وجود نہ وجود کا وہم نہ وہم کے کیفیات نہ کیفیات
کے جذبات۔ قطع ماسوا کے بعد بھی جو کچھ رہا وہ نیرنگی فنا کے اندر تھا۔ تنزہ اور تقدیسیت سے
ہو کا عالم جیسا تھا ویسا ہی رہا۔ سارے انقلاب ہم میں تھے ہم میں ہوئے۔ نیرنگیوں کا فوارہ
ہم سے اٹھا ہم پر برسا تو چھپا ہی رہا اور ہم ترستے ہی رہے۔ اے اللہ پھر تیرا عاشق کیا کرے

نہ دیکھ سکتا نہ بے دیکھے چین نہ پا سکتا نہ پائے بغیر دل کو آرام نہ بے صبری کی گنجائش نہ صبر کا موقع ہر چند امید و بیم کے اس تموج میں تو نے میری ڈوبتی ناؤ کو سنبھالا تو سہی اور ہمت کا پاس بھی رکھا پھر بھی کیفیات کے مد و جزر نے کسی حال میں نہ رکھا۔ عالم فنا کے نت نئے تماشوں سے آنکھیں چندھیا گئیں حیرت در حیرت معاملات سے عقل کھوئی۔ یہ سارا کچھ ہوا مگر تیرا شکر کس طرح ادا ہو کہ اس پر بھی تو نے ساتھ نہ چھوڑا اور چھوڑ نہ دیا ہمت بھی دی سہارا بھی دیا سنبھالا بھی اور ہدایت بھی کی۔ میں نے تیری آواز پہچانی جب ڈوبتے وقت تو نے للکار کر اور دوست مخلص کیا میری پکار یعباد لا خوف علیکم الیوم ولا انتم تحزنون (اے میرے بندو آج تم کو کچھ خوف نہیں اور کچھ غم نہیں) تو نے سنی نہیں۔ کیا والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (جنہوں نے میری راہ میں مجاہدہ کیا تو ہم انہیں اپنی راہ ضرور دکھائیں گے) کی منادی تیرے کانوں میں نہ پہونچی۔ کیا میری صفت متکلمی پر تیرا ایمان نہیں ہے۔ کیا میرا کلام مجھ سے جدا ہے۔ یا میں اپنے کلام سے جدا ہوں او ڈھونڈنے والے کہاں کہاں ڈھونڈتا ہے مجھے میرے کلام میں ڈھونڈ۔ پائے گا تو یہیں پائے گا میرے سوا کہیں پناہ نہیں اگر تو مجھ سے ملنے کے لیے میرے کلام میں ڈوبا تو من کان یرجو لقاء اللہ فان اجل اللہ لات (جو کوئی اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہے تو اللہ کے وعدہ کا وقت تو ضرور آنے والا ہے) اور طالب صادق بن ادھر دیکھ نہ ادھر دیکھ میرے پاس آ۔ ہاں آ میرا بندہ آ۔ میرا ڈھونڈھنے والا۔ آ عبودیت کی ڈوری لگا اور معبود کی طرف دیکھ مستی عشق کو راہ پر لگا اور چلا چل۔ راہ سیدھی ہے وہ میں نے اپنے قرآن میں بتا دی ہے بس سیدھا چلا آ دل میں دل آیا جان میں جان آئی۔ آخر پناہ دینے والے نے پناہ دی۔ الیہ المرجع والمآب ۔

تیرے حضور آئے تو امن و اماں ملا — تیرے سوا پناہ جو ڈھونڈا کہیں نہیں

اس لیے اب ہم ہیں اور تیرا کلام۔ اب ہم ہیں اور تیری باتیں تعالیٰ شانہ و تقدس کلامہ۔ اس کے کلام نے آنکھیں کھولیں تو دل پکار اٹھا ربنا ما خلقت ھذا باطلا لیکن اب دوسرا تعجب اور دوسرا افسوس کہ صدیاں گذریں تصنیف و تالیف کا بازار گرم ہوا۔ بڑے بڑے امام، فقہا، علماء، فقراء، عالی ہمت اور عالی دماغ لوگوں نے خدمت اسلام پر کمر باندھی عشق قرآن کا ترجمہ کیا ہستیوں کے سامنے جان بکف ہوئے اور تصانیف کا انبار لگا دیا۔ کون سا علم ہے جس میں ان کی تحقیقات نے اضافہ نہ کیا۔ اور اس پر اپنی مہر نہ کی مگر روحانیت قرآن بھی چھوتی

رہی اور تصوف قرآنی بھی تک سربمہر ہی رہا۔ میری غرض تحریر وکتابت سے بے عمل سے نہیں۔ مجاہدات وریاضات کیا اور بیٹھ رہے جو اگلوں نے نہ کیے۔ اون میں جب تک تدبر فی القرآن رہا روحانیت قرآنی نے روح کا تصفیہ کیا نفس کا تزکیہ کیا اور نعمتوں کے مینہ برسائے خدائی راہ کے رہرو خدا تک بے آہ وفغاں اور بے نالہ وفریاد پہونچے۔ جب تصنیف وتالیف کا بازار لگا تو لوگ انسانی اقوال وسندات کے گاہک ہوے نفس وشیطان کو راہ ملی تو رفتہ رفتہ اسلام کی تجزی ہو گئی۔ شریعت قاضیوں کے حوالہ ہوئی اور طریقت صوفیوں کے۔ غلبۂ سلطنت کے سبب قضا یانے اپنا ڈنکا بجا دیا اور طریقت بند ہوئی خلوتوں میں۔ اختلافات آرائے فقہ کا ایک کتب خانہ مرتب کر دیا اور مکتوب طریقت نے ایک ذخیرہ جمع کر دیا اس میں طبع آزمائیوں کا لطف اور اس سلسلۂ انسانی کا مزہ۔ انھوں نے قرآن کو مجمل سمجھا اور انھوں نے اعمال روحانی کے لیے قرآن کو ناکارہ۔ فطال علیہم الامد فقست قلوبہم (امتداد زمانہ سے اُن کے قلوب سخت ہو گئے) اس سنۃ اللہ کے مطابق سب نے اپنے رشتے ادہر اودہر جوڑے اور تدبر فی القرآن کا دروازہ بند ہوا۔ پھر کیا تھا مسلمان لگے آپس ہی میں ایک دوسرے پر منہ آنے اور آپس ہی میں جوتی بیزار کرنے۔ یہ اُن کو زاہد خشک سمجھنے لگے جس کو خدا سے واسطہ نہیں اور وہ ان کو ملحد ورہبان سمجھنے لگے جس کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں ؎

دونوں آنکھوں سے دیکھتے تھے ایک — ایک سے اب تو دیکھتے ہیں دو

اور بات اتنی ہے کہ جس طرح جسم میں جان ہے۔ لفظ میں معنی۔ ظاہر میں باطن۔ اسی طرح شریعت میں طریقت۔ ہے دونوں کو جدا کرنا اسلام کی موت ہے۔ بغیر شریعت نہ طریقت طریقت ہے نہ بغیر طریقت شریعت شریعت دونوں جسم وجان کی طرح ایک ہیں۔ سمجھنے سمجھانے کے لیے اصطلاحاً دو الفاظ بولے گئے تو اس میں مضایقہ نہ تھا مگر عملاً دونوں کی علیحدگی جسم وجان کی علیحدگی ہے۔ بمنزلۂ موت کے مگر قوم نے دونوں کو دو کر دیا اور دو فرقے ہو کر لگے ایک دوسرے پر آوازے کسنے۔ وہ ان کو خلاف شرع کہنے لگا اور یہ اُن کو ریاکار۔ ایشیائی شاعری نے اسے اور رنگا اور موسیقی نے تو مقبولیت عام کا خلعت ہی پہنا چھوڑا۔

خدا کے بندو! خدا نے تمھیں سڈول خوبصورت اور توانا جسم دیا۔ ہاتھ پاؤں دیے۔ ناک کان دیے آنکھیں دیں ان سے بالاتر دل دیا۔ دماغ دیا۔ عقل دی۔ اور روح دی۔ انفاس دیے تو جہاں تم نے دیے کیا یہ سارا کچھ بیکار دیا۔ لغو دیا۔ عبث دیا۔ ضایع وبرباد کرنے کو دیا۔ حاشا نہیں۔ سب کچھ دیا

تو سب کے کام بھی ٹھہرائے۔ دین کے بھی دنیا کے بھی۔ انہیں نگہداشت کے ساتھ جسمانی عبادت
لازم کی تو روحانی عبادت بھی اسی لیے پاس انفاس ضرور ہے تو پاس حواس بھی ذکر لازم ہے تو فکر
بھی محکمۂ اجسام میں تمہیں حاضری دینی ہوگی تو محکمۂ ارواح میں بھی ذرہ ذرہ حساب دینا ہوگا فمن
یعمل مثقال ذرۃ خیرًا یرہ ٭ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرًا یرہ (جتنے ذرہ برابر بھی نیکی یا بدی
کی ہوگی وہ اس کو دیکھے گا (پارہ عم۔ سورہ زلزال) یعنی جتنی وہ نعمتیں خدا نے تمہیں
دے رکھی ہیں اور جتنی قوتیں خدا نے تم کو عنایت کی ہیں سب کی نسبت بازپرس ہوگی
اور سب کا کمال اور نقصان دیکھا جائے گا۔ ساری قوتوں کا کمال جسمانی ہوں یا روحانی کمال
انسانی اور کمال انسانیت ہے اور یہی انسان کی کمال ترقی ہے خدا کی رضا یہ ہے کہ انسان
کامل انسان بنے اور خلیفۂ الٰہی کے خلعت کا سزاوار ہو۔ قرآنی تصوف نے ظاہر کو آراستہ
کیا تو باطن کو بھی۔ شریعت کو پاک کیا تو طریقت کو بھی جسم سے عبادت کرائی تو روح سے بھی
اس کی شریعت کا بیان بہت کچھ شرعۃ الحق میں ہوا اور اس کی طریقت کا بیان اس
کتاب میں ہوگا۔

قرآن مجید کی ایسی بے ضرر اور بے خطر تعلیم۔ بے زحمت کیمیا گری اور جان بخش مسیحا نفسی کی
افسوس ہے کہ اشاعت نہ کی گئی اور آپس کے رگڑوں جھگڑوں میں کتبخانہ تصنیف کیا گیا۔ ہدایات
قرآنی سے بے توجہی کی گئی اور اس کی روحانی تعلیم سے بحالہ چشم پوشی اساتذہ نے تلاوت کی
تدبر کیا تعمیل کی مراد کو پہونچے پچھلوں کے دل بیمار ہوتے گئے۔ انھوں نے خدا کے بھیجے
ہوئے معالجۂ روحانی سے دوری کی تو گھاٹے میں پڑے۔

جس طرح جسم کے لیے امراض و علاج ہیں روح کے لیے بھی ہیں۔ پھر جسم و روح کے
تعلقات کچھ ایسے لطیف ہیں اور ایسے پوشیدہ کہ ان آنکھوں نہیں دیکھے جا سکتے مگر عقل کی
آنکھیں کچھ دیکھ ہی لیتی ہیں تو جیسی خدا نے جسم دیا جسمانی فرایض و عبادت لازم کی اور روح دی
تو روحانی فرایض و عبادت بھی لازم کی جسم و روح دونوں کو منضم کیا تو عبادات مشترکہ کو بھی
لازم کیا کیونکہ ایک کی صحت و فساد دوسرے پر موثر ہوتی ہے اسی لیے قرآن مجید میں ظاہر و باطن دونوں
گناہوں سے بچنے کا حکم دیا کہ ذروا ظاھر الاثم و باطنہ (انعام ۱۴) مگر اس آیت کے
بلکہ روحانی تعلیم کی ساری آیتوں کے معنی ہی کہہ دینا۔ یا اس کی بلاغت بیان کر دینی۔ یا اختلاف
معانی بیان کر دینا۔ یا علما کی مختلف مرادیں جو اس آیت سے انھوں نے لی ہوں بیان کر دینا ہی

کافی سمجھا جاتا اور خداوندی احکام کی تعمیل سمجھی جاتی ہے۔ دین کے سارے معاملات ہی زبانی جمع خرچ ہو گئے ہیں۔ اور ابھی وہی مثل ہے کہ جس طرح اس فلسفی نے مہینوں اور برسوں کے ریاض میں طوطوں کو سکھا پڑھا کر اور اڑا دیا تھا کہ ہم پر دار جانور ہیں چڑیمار کے نرکل پر کبھی نہ بیٹھیں اور بیٹھے تو چنگل چھوڑ اکر اڑ جائیں گے۔ اور دل میں وہ فلسفی مطمئن تھا کہ اب سارے طوطے اس راز سے واقف اور اپنے پر دار ہونے کی قدرت سے آگاہ اور ہوشیار ہو گئے ہوں گے اور اب وہ اپنی حفاظت کر سکیں گے۔ مگر ایک دن اس نے پھر دیکھا کہ چڑیمار اپنے کام میں مصروف ہے اور وہی تعلیم یافتہ طوطے آئے بھی۔ نرکل پہ بیٹھے بھی اور جیسے پہلے پھنسے تھے پھنسے بھی اور جو سکھایا گیا تھا وہ پڑھ بھی رہے ہیں اور پھر اسی طرح نرکل سے لٹکے جھول بھی رہے ہیں نہ چنگل چھوڑتے ہیں نہ اڑتے ہیں۔

قوم کے ایمان۔ اعمال، عبادات۔ ریاضیات اور اخلاص بلکہ سارے ہی معاملات کا یہی حال ہو گیا ہے کہ سارا کچھ زبانی جمع خرچ ہے اور دل بے خبر زبان سے کہا جاتا ہے لا الٰہ الا اللہ اور دل بے حس۔ ذکر بھی کرتے ہیں۔ مگر اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم (جب اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل ہل جاتے ہیں۔ انفال ع۱) کے یہ مصداق نہیں بعض قرآن مجید کی تلاوت بھی کرتے ہیں۔ مگر اذا تلیت علیھم آیاتہ زادتھم ایمانا (جب خدا کی آیتیں ان کو سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ انفال ع۱) کے یہ مخاطب نہیں ہر نماز میں الحمد پڑھی جاتی ہے مگر وہی فلسفی کا طوطوں کو پڑھایا ہوا کلمہ۔ ہر الحمد میں ایاک نعبد وایاک نستعین پڑھتے ہیں مگر دروغ گو بر روئے تو۔ مدد سیکڑوں سے مانگی جاتی ہے بالخصوص مرنے کے بعد مردوں سے۔ اسی طرح ہر الحمد میں اھدنا الصراط المستقیم پڑھتے ہیں مگر صراط مستقیم کی ہدایت کے خواہاں ہو کر نہیں بلکہ وہ اک منتر پڑھا جاتا ہے اس میں جہلاء، علماء، مرید، پیر سب شریک حال ہیں۔ الا ما شاء اللہ عربی جاننے والے نہ جاننے والے دونوں برابر۔ اے لوگو برا ماننے کی جگہ نہیں، رونے کی جگہ ہے۔ پاؤں ملاؤ نہ ملاؤ۔ آمین زور سے کہو یا آہستہ۔ رفع یدین کرو نہ کرو مگر دل حاضر ہو یہ تو خدا کا مطلب ہے مگر قوم کے نزدیک دل حاضر ہو نہ ہو خشوع و خضوع چولہے بھاڑ میں جائے مگر رسوم اور جھگڑوں کی پابندی ضرور ہو۔ میں نے یہ چند باتیں مثالاً بیان کیں یہی حال سارے عبادات و معاملات کا ہے کہ جو کچھ کیا جاتا ہے وہ بے خبری ہی سے۔ دین کو رسم بنا کر یہ حال ہو گیا!

قرآن سے غفلت کے سبب۔ قرآن سے منہ موڑنے کے سبب۔ قرآن کی روحانی تعلیم سے بے خبری کے سبب۔ ورنہ دل بیمار ہوا تھا۔ روح بیمار ہوئی تھی تو قرآن مجید اس کا علاج اس کی شفا موجود تھا اگر ادھر رجوع کیا جاتا۔ مگر افسوس کہ یہ ہاتھ میں دیا گیا علماء دین کے ان کے ہاتھ میں یہ طبع آزمائیوں کا گل بازی بنا جن کا حال ہے الذین ھم فی خوض یلعبون (جو بکواس میں پڑے کھیلتے ہیں) کھیل میں ہار جیت ہوتی ہی ہے اور زور بحثوں میں رنج بھی پھر جو ہوتا ہے۔ وہ ہوا بھی۔ ایک دوسرے کی رد میں کتابیں لکھنے ایک دوسرے کو کافر بنانے میں لیاقت قابلیت اور زور ایمان ظاہر ہونے لگا مسلمانوں نے مسلمانوں ہی سے جہنم آباد کرنا چاہا اور لگے مسلمانوں ہی کو کافر بنا بنا جہنم آباد کرنے یہ جاہ طلبی کے تماشے تھے فاما من طغی واثر الحیوۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماوے جس نے سرکشی کی اور اس نے دنیاوی ہی زندگی کو بہتر سمجھا۔ اور اس کی قدر کی تو گیا جہنم میں (النزعت) یہ سرکشی اور دنیا طلبی تھی پھر اس کے جو نتیجے ہوے وہ بھی ہونے ہی تھے آخر کار مسلمان نہ صرف ہندوستان کے بلکہ ساری دنیا کے اس حال کو پہونچے جس کے ماتم میں اپنے پرائے سب شریک حال ہیں۔

دوستو! جیسا تخم ڈالا گیا ویسا پھل آیا جیسی کرتوت تھی ویسے نتیجے ملے ما اصابک من سیئۃ فمن نفسک جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ آئندہ کو چیت کرو۔ گرنا عیب نہیں گر کر نہ اٹھنا اور پڑے رہنا عیب ہے۔ خدا نے بھی امید کا دروازہ کھول دیا وتلک الایام نداولھا بین الناس خداوند عالم لوگوں میں زمانہ کو بدلتا رہتا ہے (ال عمران) ایک سا حال کس کا رہا ہے انسان پلٹتا ہے تو ہر قوم بھی بدلتی ہے جس کے اجڑ بد تھے رستے ہوں وہ کل بھی بدل جائے گا دنیا پلٹا لینے کو ہے۔ قوم۔ قرآن مجید کی طرف رجوع کرتی جاتی ہے پچھلا پہر ہو چکا۔ صبح کا ذب نمودار ہے کوئی دم میں نور کا تڑکا ہوا چاہتا ہے۔ وہ وقت آگیا کہ قرآن مجید کی روحانیت آشکارا کی جائے۔ قرآن مجید کے سربستہ اسرار جتنا کچھ بھی کھل سکیں کھولے جائیں کہ قرآن کا نور سارے عالم میں جگمگائے جس کی تجلی میں چلنے والے خدا تک پہنچیں یہی خدمت ہے جس کو مجھے ادا کرنا ہے۔

لوگو۔ اب دروازے بند ہیں۔ بلکہ اینٹوں سے چن دیے گئے ہیں کیونکہ وہ سڑ گل کر خراب اور بیکار ہو گئے تھے اب بارگاہ حقیقت کا قرآن کے سوا دوسرا کوئی دروازہ ہے نہیں

اس لیے قرآن کو چھوڑ کر رسائی ناممکن۔ اس دروازہ کو اگر ہم تصوف قرآنی کہیں تو جائز ہے یہ کلام ربانی خدا کے پاس سے آیا اور خدا تک پہونچا سکے ہی کے لیے آیا اور خدا تک پہونچاتا ہے اس لیے قرآن مجید شعر سوا نہ شاعری ہادی ہے نہ دو مبہم ہے نہ افسانے نہ کوئی انسانی کلام ہے۔ ایک عام خیال یہ پھیل گیا ہے کہ قرآن مجید شریعت اور محض دنیاوی قانون ہے جس کو دنیاوی اور ظاہری احکام سے تعلق ہے اور محض زہد خشک ہے بے لذت اور تصوف خدائی راہ ہے یہ ایک علم ہے سینہ بہ سینہ جس میں ذوق و شوق کے ولولے ہیں اور عاشقی و معشوقی کے غلغلے یہی موصل الی المطلوب ہے اس لیے مجھے تصوف پر بھی نظر ڈالنی چاہیے کہ اس نے قرآن مجید سے فاضل کیا سکھایا ہے اور کس سند ہے مگر چونکہ رہبانیت نے بھی تصوف کا لقب اختیار کرلیا۔ اور اب تصوف اور رہبانیت میں مماثلت تام پائی جاتی ہے اس لیے مجھے پہلے رہبانیت کو بیان کرنا چاہیے۔

رہبانیت

اس کا پتہ لگانا تو مشکل ہے کہ دنیا میں رہبانیت کی ابتدا کب سے ہوئی۔ فطرتی رفتار تو یہ دیکھی جا رہی ہے کہ عالم حدوث میں کوئی چیز اپنے حال پر نہیں رہتی دگرگونی اس کی شان ہے یہی رنگ مذہب میں بھی پایا جاتا ہے جتنے مذاہب دنیا میں آئے وہ آئے تو بربنائے حقانیت بھی مگر پائے جاتے ہیں بدحالی ہی میں۔ تو جو مذہب اول اول آیا کتاب اللہ لایا اور اس نے اپنا نور پھیلایا۔ رفتہ رفتہ امتداد زمانہ سے رخنے پڑے اور افراط و تفریط نے جگہ پائی۔ اس افراط و تفریط نے دو گروہ کر دیے کوئی ادھر جھکا کوئی ادھر اس نے اعتدال مذہب کو کھو دیا۔ کوئی دنیادار رہوا۔ اور کوئی بیدار تارک دنیا۔ انھیں کو جوگی اور اور رہبان وغیرہ کے لقب دئے گیے۔

ہر مذہب کی رہبانیت کا پتہ لگانا تو مشکل ہے بلکہ ناممکن۔ اس لیے میں چندہی مذاہب کی رہبانیت کا جس کا سراغ مل سکتا ہے یا کسی قدر مجھے ملا بیان کرنا چاہتا ہوں۔

ہندوؤں کی رہبانیت کی تاریخ بیان کرنا چاہوں تو ان کے یہاں تاریخ نہیں قیاسات کے گھوڑے دوڑانے پڑیں گے اور قیاس بھی قابل اعتبار نہیں ویدا اور شاستر سے کچھ

ے

سراغ لگاؤں تو زبان سنسکرت کی عدم واقفیت مانع ہوئی اس لیے میں یہود و نصاریٰ کی رہبانیت کی نسبت کچھ بیان کروں گا کیونکہ اُن کے یہاں تاریخ ہے اُنھیں کی کتابوں سے رہبانیت کا کھوج بھی مل سکتا ہے۔

دیکھو تنزل و زوال روما الکبریٰ مصنفہ ایڈورڈ گبن۔ دائرۃ المعارف للبستانی جلد ثامن نیلسن انسائیکلو پیڈیا میں انگریزی زبان نہیں جانتا اس لیے سخت دقت پڑی۔ تو کچھ تو ترجمہ کرا کر کچھ دوسروں کی تصنیفوں سے جن کا ماخذہ اوپر کی کتابیں ہیں معلومات حاصل کرنے پڑے۔

یہود کے من حیث رہبانیت تین فرقے تھے فریسیہ صدوقیہ۔ اسنیہ دو فرقوں کا ذکر موجودہ بائیبل میں پایا جاتا ہے اور تیسرے کا ذکر یوسیفس یہودی مورخ نے کیا ہے جو ۳۷ء میں پیدا ہوا تھا۔

اول اول یہود کے فرقہ اسینیہ نے مصر و فلسطین میں رہبانیت کی بنیاد ڈالی اس کے بعد نصاریٰ نے اسے از سرِ نو زندہ کیا۔ نصاریٰ میں رہبانیت کی پہلی مثال مصر میں ملتی ہے انطونی اعظم باشندہ طیبہ نے جو ۱۰۵ برس کی عمر میں ۳۵۶ء میں مرا گھر بار چھوڑ کر بحیرۂ قلزم کے متصل کوہ کولزم پر سکونت اختیار کی اس راہب کی کوشش سے لیبیا کے ریگستانوں طیبہ کے چٹانوں۔ اور دریائے نیل کے شہروں میں جلد جلد آبادیاں قائم ہو گئیں۔ اُس کے مرید حبشہ میں بھی پھیل گئے۔

پولوس طیبوی کے مرید پخومیوس نے قریباً ۳۲۳ء میں جزیرہ تابنہ واقع دریائے نیل میں راہبوں کے لیے سب سے پہلی خانقاہ بنائی اور اسی نے رہبانوں کے قواعد بنائے اس کی بہن نے عورتوں کے لیے الگ خانقاہ بنوائی پخومیوس کی کوشش سے اس جزیرے میں راہبوں کی تعداد ایک ہزار چار سو ہو گئی۔

اُس کی دیکھا دیکھی امون راہب نے بھی اسکندریہ کے جنوب میں کوہ فطرون میں ایک خانقاہ بنائی اور تھوڑے ہی دنوں میں وہاں پانچ ہزار راہب جمع ہو گئے۔

رفتہ رفتہ جبال نطرون اور دریائے نیل کے درمیان بہتیری خانقاہیں بنتی گئیں اور زن و مرد کی ایک تعداد کثیر نے رہبانیت اختیار کر لی۔ صرف شہر اوکسی رنکس کی خانقاہوں میں دس ہزار عورتیں اور بیس ہزار مرد رہتے تھے مصر میں رہبانیت نے اتنا فروغ پایا کہ

شاہ ویلیس کو جو اک رومی شہنشاہ تھا فوجی خدمت کے لیے آدمی مل سکتے تھے۔ اس لیے اس نے حکم دیا تھا کہ آیندہ راہبوں سے بھی فوجی خدمت لی جایا کرے۔

علی ہذا شام میں رہبانیت نے قدم جمایا ایشیائے کوچک اور بحیرۂ اسود کے سواحل نے بھی رہبانیت میں مصر کا اتباع کیا ھلاریون متوفی ۳۷۱ء جو انطونی اعظم کے ساتھ رہ کر تاکہ مصر کے جنگل میں بھی تھا وہ اپنے وطن فلسطین میں آکر پندرہ برس کی عمر میں یعنی ۳۳۰ء میں آغازا جنوب کی طرف صحرا میں راہب بن بیٹھا اور اس نے بہتری خانقاہیں بنائیں جب وہ فلسطین میں خانقاہوں کا معائنہ کیا کرتا تو دو تین ہزار راہب اس کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔

یستاتیوس۔ اسقف سبسطیہ نے آرمینیہ میں رہبانیت کو ترقی دی اور باسیلیوس نے ۳۶۰ء میں صوبہ پانتیس میں جو ایشیائے کوچک کا شمال و مشرقی صوبہ تھا رہبانیت کی بنیاد ڈالی اور بحیرۂ اسود کے جنوبی ساحل پر بہت سی خانقاہیں بنائیں اور ان کے لیے قواعد بنائے۔

اثناسیوس اسقف اسکندریہ نے روما میں رہبانیت کو پہلے پہل رواج دیا۔

مارٹن باشندۂ تور نے ۳۶۲ء میں غالیہ میں رہبانیت کو فروغ دیا جب وہ مرا تو اس کی لاش کے ساتھ دو ہزار اس کے مرید تھے۔

کامیانوس مارٹن کا ہم عصر جو بیت اللحم کی خانقاہ میں رہا کرتا تھا اس نے ۴۱۵ء میں فرانس کے بندرگاہ مارسیلز میں خانقاہیں بنائیں۔

بحیرۂ روم میں بھی لیرانس سے لیپاری تک تمام جزائر میں رہبان آباد تھے۔

اسقف امبروس۔ متوفی ۳۹۷ء نے میلان واقع اطالیہ میں ایک خانقاہ بنائی اور وہیں اغسطینوس۔ کو عیسائی بنایا جس نے شمالی افریقہ میں رہبانیت پھیلائی اور اس کے قواعد بنائے جو بعد میں یورپ کے ہزاروں خانقاہوں کا دستور العمل بنے۔

پیلاجیوس ان قوانین کو روما سے انگلستان میں لایا۔ اسی خانقاہ سے آئرلینڈ کے وحشی اقوام میں رہبانیت پھیلی اس کی خانقاہ بنگور واقع ویلز میں تھی۔

اغسطینوس کا دوسرے عیسائیوں کی طرح یہ عقیدہ تھا کہ حضرت آدم کا گناہ موروثی ہے جو انسان پیدا ہوتا ہے گناہ اس کے ساتھ ہوتا ہے عیسیٰ مسیح کی الوہیت پر ایمان لانا تمام گناہوں کا کفارہ ہے کیونکہ وہ سب کے گناہوں کے عوض مصلوب ہوئے۔

پیلاجیوس نے اس مسئلہ میں اغسطینوس سے اختلاف کیا اس کا عقیدہ تھا کہ

انسان ایسا بے گناہ پیدا ہوتا ہے جیسے آدم۔ آدم کے گناہ کا اثر انھیں پر ہوا۔ موت گناہ کا کفارہ نہیں ہوسکتی۔ آدم گناہ اُن کی نسل کی طرف منسوب نہیں ہوسکتا۔

اس طرح نصاریٰ کے دو بڑے فرقے اغسطینوسیہ اور پیلاجوسیہ قایم ہوگئے۔

سینٹ بنیڈکٹ باشندۂ نرسیا نے اوائل عمر میں رہبانیت اختیار کی اور کوہ آرکو واقع اطالیہ کی خانقاہ کا سجادہ نشین مقرر ہوا مگر اس خانقاہ کے رہبان کی ریاضت کچھ سخت نہ پایا اس لیے اُسے چھوڑ دیا اور چند سال میں بارہ خانقاہیں بنائیں اس کے علاوہ ۵۲۹ء میں نیپلز کے قریب مونٹ کاسینو کی بڑی خانقاہ بنائی۔ ۵۱۵ء میں اس نے ایک کتاب موسوم۔ قوانین۔ خانقاہ لکھی۔ یہ قانون بعد کو رہبان کے تمام مغربی فرقوں میں رائج ہوگیا۔

سینٹ اغسطین فرقہ بینڈکٹینہ کا ہی ایک راہب تھا جو چالیس راہبوں کو ساتھ لے کر پوپ گریگوری کے حکم سے ۵۹۶ء میں انگلستان کو عیسائی بنانے آیا تھا۔

سنٹ کولمبا نے رہبانیت اختیار کر کے آئرلینڈ میں خانقاہ ڈیری ۵۴۶ء میں اور خانقاہ ڈروسنہ ۵۵۳ء میں بناکر رہبانیت کی اشاعت کی۔ جب ۵۶۳ء میں وہ جلاوطن ہوا تو اپنے بارہ مریدوں کو ساتھ لے کر وہ جزیرۂ ایونا میں پہونچا اور وہاں خانقاہ کی بنیاد ڈالی اور اس خانقاہ سے اس کا ٹلینڈ کے شمالی و مغربی جزائر میں مذہب عیسوی کی منادی کی اور ہر جگہ خانقاہیں بنائیں۔

اس کے ہم عصر اور ہم وطن کولمبانوس نے ۵۸۳ء میں فرانس پہونچ کر۔ انیگرے۔ لکسایا اور فونتین کی خانقاہیں بنائیں۔ ۶۱۰ء میں وہ فرانس سے سوئیزرلینڈ پہونچا۔ جہاں اُس نے خانقاہ سنٹ گال بنائی۔ پھر کولمبانوس نے اطالیہ پہونچ کر خانقاہ بوبیو بنائی۔ ایونا کی خانقاہ سے رہبانیت ایس لینڈ میں پہونچی۔

راہبوں کی تین قسمیں تھیں۔ ۱؎ سینوبیطہ جو ایک ہی پیر کے ماتحت اکٹھے رہا کرتے تھے۔
۲؎ انکوڈیطہ جو جماعت سے دور علیحدہ مجاہدہ پسند کرتے تھے اور خلوت نشیں ہوتے تھے۔
۳؎ سیرابیطہ جو ایک جگہ قیام نہ کرتے تھے اور ملک بہ ملک پھرا کرتے تھے۔

رہبانوں کے خواب و خورش۔ لباس۔ عبادات و ریاضات کی تفصیل تو بہت طول ہے کسی قدر اُن کی عام حالت کا اندازہ ایڈورڈ گبن کے مفصلۂ ذیل بیان سے بخوبی ہوسکتا ہے۔

اُس کا بیان ہے کہ رہبان صلیبوں اور زنجیروں کے بتکلیف وہ بوجھ سے دب جاتے تھے۔ ان کے لاغر اعضاء بھاری اور سخت آہنی طوقوں، کنگنوں، دستانوں اور ٹانگوں کے کڑوں میں جکڑے ہوتے تھے مردوں اور عورتوں میں سے بعض ایسے ولی مشہور ہیں جن کے ننگے جسم فقط ان کے لمبے لمبے بالوں سے ڈھکے ہوتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو اس حالت میں لانا چاہتے تھے کہ حیوانوں سے ممیز نہ ہو سکیں اور حیوانوں کی طرح وہ بھی غیر مکلف ہو جائیں۔

انکوریطہ کا اک بڑا فرقہ راتعیہ الجزیرہ کے کھیتوں میں عام ریوڑ کے ساتھ چرا کرتا تھا۔
سنٹ افریم نے ایسے ولیوں کی مدح میں اک رسالہ لکھا ہے۔ وہ اکثر جنگلی حیوانوں کے ساتھ بتکلف مشابہت ظاہر کرتے تھے یا وہ کسی اندھیرے غار میں چھپ جاتے تھے۔ طیبوہ کی سنگ مرمر کی کانوں میں اُن کے مجاہدہ کی یادگاریں اب تک کندہ ہیں۔

سب سے کامل راہب وہ سمجھا جاتا تھا جو کم خوردن، کم خفتن، اور کم گفتن پر پورا عامل ہو۔ بہت سے دن بغیر خوراک کے اور بہت سی راتیں بغیر خواب کے اور بہت سے سال بغیر کلام کے گذار دے۔ اور قابل تعریف وہ اولیا سمجھے جاتے تھے جو ایسے طرز کا حجرہ یا نشست گاہ اپنے لیے تجویز کرتے جس میں نہایت بے آرامی کی حالت میں موسموں کی شدت کا وہ نشانہ بن سکیں۔

رہبانیت کے ایسے مجاہد ولیوں میں سے سیمون جو فرقہ اسطوران میں کا بانی ہے (وہ فرقہ جو تمام عمر کسی مینار یا ستون کی چوٹی پر گذار دیتا تھا اور نیچے نہ اترتا تھا) متوفی ۴۵۱ء کی شہرت اک ہوائی مجاہدے کی عجیب ایجاد کے سبب ہمیشہ باقی رہے گی۔ یہ تیرہ برس کی عمر میں اک ریاضت پسند خانقاہ میں داخل ہوا طویل اور دشوار تعلیم کے بعد جس میں کئی بار پاک خودکشی سے بچا اُس نے انطاکیہ کے مشرق کی طرف تخمیناً تیس چالیس میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ پر سکونت اختیار کی پتھروں کے اک دائرہ کے اندر جس سے اُس نے اپنے کو ایک بھاری زنجیر سے جکڑا تھا۔ وہ اک ستون پر چڑھ گیا جو سطح زمین سے بتدریج ۹ فیٹ سے ساٹھ فیٹ تک اونچا بنایا گیا تھا وہاں اس ولی نے تیس برس گرم و سرد موسم کا مقابلہ کیا اور عبادت کے مختلف اوضاع کو بتدریج بجا لایا کبھی وہ حالت قیام میں بازو پھیلا کر صلیب کی شکل میں عبادت کیا کرتا۔ اور کبھی حالت سجدہ میں پیشانی پاؤں کو لگتی۔ اک شوقین تماشائی اس کی اس حرکت کو ایک ہزار دو سو دفعہ گن کر بیحد حساب سے عاجز ہو گیا۔ اُس کے سُرین میں تکلیف دہ ناسور تھا مگر اس کی عبادت میں وہ خلل انداز نہ ہو سکا اس صابر ولی نے جان دیدی مگر ستون سے نیچے نہ اترا۔

(بظاہر یہ نفس کشی خودکشی کے درجہ کو پہونچی اور ایسا مجاہدہ سنگدلی اور بے رحمی کے درجہ کو
پہونچا۔ مگر رہبانیت کے دلدادہ اس کو محبت کا لقب دیتے تھے اور اعلیٰ ریاضت و مجاہدہ کا
خطاب۔ مگر یہ رہبانیت ممنوع ہوئی کیونکہ یہ راہ زن اور طلب کی بے راہ روی ثابت ہوئی) للمصنف
ہر ادنیٰ و اعلیٰ راہب ولیوں کو تسلیم نہیں بلکہ پیش کرتا تھا۔ فرانس۔ اور ہندوستان سے زائرین
کے لگاتار گروہ سیمون کے مقدس ستون کو سلام کرتے تھے۔ اقوام مشرقین اس کی دعا کا شرف
حاصل کرنے کے لیے مسلح ہو کر آپس میں جھگڑتی تھیں۔ عرب و فارس کی ملکہ نے شکریہ کے ساتھ
اس کی مافوق العادت پارسائی کا اعتراف کیا تھا اور ساہ تھیوڈوسیس اصغر ملک و ملت کے
نہایت ہی ضروری کاموں میں اس فرشتہ سیرت راہب سے مشورہ لیتا تھا اُن انکوریطہ راہبوں
نے بتدریج حواریوں اور شہیدوں کی شہرت کو بھی مات کر دیا تھا۔ یہی دنیا اُن کے مزارات
کے آگے سجدہ کرتی تھی اور لاکھوں معجزے ان کے تبرکات کے ساتھ منسوب کرتی تھی اور
خوش عقیدہ مریدوں کے اعتقادات ان پر مہر کر دیتے تھے کسی مصری یا شامی راہب کا ادنیٰ
دہم دنیا کے ابدی قوانین کو توڑ دینے کے لیے کافی سمجھا جاتا تھا۔ یہ راہب اولیا بیماریاں
سلب کرتے اجنہ اور آسیب کا اپنی قوت سے علاج کرتے تھے۔ وہ شیروں اور سانپوں پر
حکومت کرتے خشک تنوں کو سرسبز کر دیتے پانی پر لوہا ٹھہرا دیتے گر بیٹھ پر دریائے نیل کو
عبور کر جاتے اور آگ پر چلتے تھے (ایسے قصوں نے عیسائیوں کا سوا جہہ مذہب پھیر کر راہبوں
اور ان کے کرشموں کی طرف کر دیا تھا اور باطل پرستی نے حق کی روشنی بجھا دی تھی۔ للمصنف)
مذہبی عبادت کا ہر ایک طریق جس پر یہ اولیا چلتے تھے اور ایک مخفی مسئلہ جس پر اُن کا عقیدہ تھا
وہ کلام الٰہی کی منظوری سے مستند کیا جاتا تھا۔

یہ تو فطرتی قانون ہے کہ امتداد زمانہ سے جیسے کوئی چیز اپنے حال پر نہیں رہتی مذہب بھی
نہیں رہتا۔ ہندو راہبوں یعنی جوگیوں اور سادھوؤں کے ریاضات و مجاہدات شاقہ یہود و نصاریٰ
سے کچھ کم نعمائے الٰہیہ کے فنا کرنے والے نہیں ہیں۔ جنگل و بیابان کے مصائب جھیلنے اتنے یاد
سکھا دیتے اور وہبیات خداوندی کو فنا کرنے میں جوگیوں کا ریاض ضرب المثل کہا جا سکتا ہے
اسی تاثیر زمانہ سے رہبانیت مسلمانوں میں بھی پہونچی اور انھوں نے بھی جواب ترکی بہ ترکی
دینے میں کوتاہی نہیں کی بلکہ رہبانیت کو ان کا زیادہ ممنون ہونا چاہیئے کہ اب تو اس کا وجود
انھیں کے دم سے ہے خصوصاً فرقہ انکوریطہ کی یادگار انھوں ہی نے قائم رکھی ہے۔ مگر

اسلام اس سے بری الذمہ ہے۔

اسلام و رہبانیت

اسلام محمدی نے اسلام ابدی کو پھر سے زندہ کیا اور خدا کے بندوں کو خدا کی رضا سے آگاہ کیا کہ اے خدا کے بندو! خدا نے بے انتہا نعمتیں تمھیں بے کار اور ضائع کرنے کو نہیں دی ہیں اس لیے یہ رہبانیت خدا کی رضا کے خلاف بدعت ہے خدا نے فرمایا۔ رہبانیۃ ابتدعوھا ما کتبنھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا فاتینا الذین امنوا منھم اجرھم وکثیر منھم فسقون۔ رہبانیت تو انھوں نے بدعت گھڑی کی ہم نے ان پر فرض کیا تھا کہ وہ رضائے مولا کے طالب رہیں جو رعایت اسکی چاہیے تھی انھوں نے کی نہیں پھر انہیں جو مومنین تھے انکو تو ہم نے ان کا اجر دیا لیکن اکثر ان میں فاسق ہیں (حدید ع۱) خدا نے رہبانیت کو بدعت فرمایا۔ چونکہ یہ بالکل اس کے رضا کے خلاف ہے کیونکہ خدا تم پر آسانی کرنی چاہتا ہے سختی کرنی نہیں چاہتا یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (بقرہ ع۲۳) جب اس کی رضا معلوم ہوگئی تو اپنے اوپر سختی کر کے رہبان کیوں ہو۔ خدا نے دین میں تم پر کچھ تنگی تو کی نہیں ما جعل علیکم فی الدین من حرج (حج ع۱۰) تو تم کیوں اپنے اوپر تنگی و تشدد روا رکھو۔ بندہ کو بندگی لازم ہے۔ نہ خود رائی۔ اس کی مرضی اور اس کا حکم ہے کہ اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ (بقرہ) تو اس کے خلاف تم اپنے کو اپنے ہاتھوں کیوں ہلاکت میں ڈالو۔ اگر ایسا کرو تو اسے نفس کشی کیوں کہو اگر اس کو نفس کشی کہو بھی تو اسے محمود کیوں سمجھو۔

یہ آبادی ایسا گھنا خطرناک جنگل نقصان رساں اور تہلکہ خیز جنگل جس میں نفس و شیطان کے اژدھے اور شیروں دہاڑتے چنگھارتے پھرتے ہیں اس جنگل کو کیوں نہ صاف کرو اور بھاگ کر اس جنگل میں جاؤ جو سنسان اور خاموش ہے اور جس کے دشمن کھلے کھلے ہیں۔ خدا نے تمھیں قوتیں اور اوزار دئے ہیں اس جنگل کو صاف کرنے کے پھر بودے پن اور پست ہمتی سے بھاگ نکلو تو جواب دہی سے نہیں بھاگ سکتے۔ رہبان انھیں قوتوں اور انھیں اوزار کو بیکار و ضائع کرنے اور رضائے مولا کے خلاف پست ہمتی کے مجرم ہیں۔

خدانے فرمایا۔ قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج بعبادہ والطیبات من الرزق قل ھی للذین امنوا فی الحیوٰۃ الدنیا خالصۃ یوم القیمۃ اے رسول کہدو کہ اللہ کی زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی اور کھانے کی عمدہ چیزیں کس نے حرام کیں (خدانے تو حرام کی نہیں) کہہ دو کہ یہ نعمتیں تو دنیا کی زندگی میں مسلمانوں کے واسطے ہیں اور قیامت کے دن تو خالص بلا شرکت الغیرے انھیں کے لیے ہوں گی (اعراف ع۔۴) تو مسلمانوں! تم زینت کو حرام کر کے رہبان کیوں بنو۔ اور حلال وطیب چیزوں کے نہ کھانے کا ارادہ کر کے حرام کیوں کرو، اور اس کو تورع اور فقیری کیوں کہو۔ تورع اور فقر تو باطنی ریاضات ہیں۔ تم جسے تورع کہتے ہو یہ تو تجاوز عن الحد ہے۔ خدانے فرمایا۔ لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔ پاک چیزیں جن کو خدا نے حلال کیا ہے ان کو حرام نہ کرو اور حد سے تجاوز نہ کرو خدا حد سے تجاوز کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔ (مائدہ ع۔۱۱) یہ ارادہ کہ ہم فلاں چیز کبھی نہ کھائیں گے اگر وہ حلال ہے تو یہ حلال کو حرام کرنا ہے (اس کا واضح بیان شرعۃ الحق میں حلال اور حرام کی سرخی میں ہو چکا ہے) اور یہ تجاوز عن الحد ہے تو رہبان جن کے حدود اللہ کو کیوں توڑو کہ یہ فسق ہوگا۔ اسی لیے خدانے رہبان والی آیت میں جو سب سے اوپر بیان ہوئی اکثرھم الفسقون فرمایا ہے۔

مسلمانو! یاد رکھو لتسئلن یومئذ عن النعیم۔ قیامت کے دن خدا کی ساری نعمتوں سے جو تمھیں ملی ہیں، سوال کیے جاؤ گے (تکاثر) خدا پوچھے گا کہ تم نے نعمتوں کو بیکار کیا یا کام میں لائے۔ بے جگہ صرف کیا یا میرے حکم ورضا کے مطابق۔ اس آیت کی مزید تفصیل اخلاق کی سرخی میں دیکھو۔

ظالمین۔ معتدین۔ مسرفین وغیرہ الفاظ سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے۔ ظلم بے جگہ کرنے کو کہتے ہیں اور یہ بے جگہ عمل ہے جگہ ہو تو رہبانیت قوتوں کو بیکار کر دینا یا بے جگہ صرف کرنا ہے۔ ادائے حقوق کی قوتیں مار ڈالی جاتی ہیں اس لیے یہ سراسر ظلم ہے۔ تعدی تجاوز عن الحد کو کہتے ہیں اور تجاوز عن الحد ظلم ہے۔ اس لیے رہبان گروہ معتدین وظالمین میں داخل ہیں اسی لیے رہبانیت کو خدانے بدعت فرمایا جو حدود اللہ باندھے ہوئے ہیں حلال حرام میں ہوں تو عبادات ومعاملات میں ہوں تو ان میں کم وبیش کرنا تجاوز عن الحد ہے جو خدا کو ناپسند اور اس کی رضا کے خلاف ہے اور رہبانیت اسی سے آلودہ ہے اسی طرح اسراف بھی بے جگہ

صرف کرتا ہے۔ اور جو دوسرے باہر، مال و دولت ہو تو قوت و قدرت ہو تو۔ رہبانیت میں بہتری قوتیں تو مار ڈالی جاتی ہیں۔ یا بے جگہ صرف ہوتی ہیں۔

رہبانیت سراہی جاتی ہے۔ اس بنا پر کہ بغیر نفس کشی کے خدا کی راہ نہیں مل سکتی اور نفس کشی کی سیاح رہبانیت ہے! اے عزیزو! نفس کشی کے معنی اگر نفس کو مار ڈالنے کے ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے۔ اسی لیے خدا نے رہبانیت کو بدعت فرمایا۔ لنگڑا راہ نہیں چل سکتا تو نفس کو مار کر تم کس کے پاؤں اور کس کی قوت پر خدائی راہ طے کر سکتے ہو۔ نفس نہ ہو تو تم میں طلب ہی نہ آئے گی۔ اصلیت ہی پیدا نہ ہو گی۔ دیکھو خدا نے کیا تعلیم کی ہے ونفس وما سوّٰها فالهمها فجورها وتقوٰها قد افلح من زكّٰها وقد خاب من دسّٰها قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی جس نے اس کو درست بنایا۔ پھر الہام کیا اس کی طرف اس کی بدکاری اور پرہیزگاری کا۔ بے شک مراد کو پہنچا جس نے تزکیہ نفس کیا اور گھاٹے میں رہا جس نے اس کو خاک میں ملایا (شمس) تو کیوں نہیں نفس کا تزکیہ کرو جیسا اسلام نے سکھایا جو بتایا جائے گا۔ اور کیوں اسے مار کر رہبانیت اختیار کرو کہ گھاٹے میں رہو گے اور کبھی بامراد نہیں ہونے کے۔

دینی تاریخ یعنی حدیث سے بھی ثابت ہے کہ بہتیرے جلیل القدر صحابیوں نے رہبانیت کی ٹھانی کہ کمل بھینیں آلۂ تناسل کو کاٹ دیں۔ صائم الدہر بنیں۔ تمام رات عبادت میں قیام کریں۔ روزانہ ختم قرآن کیا کریں۔ فرش پر نہ سوئیں۔ گوشت اور چربی نہ کھائیں۔ عورتوں کے پاس نہ جائیں۔ خوشبو نہ لگائیں اور سیاحت کریں۔ آپ نے یہ سن کر سب کو ان کاموں سے سخت منع فرمایا کہ اے لوگو! خود تمہارا تم پر حق ہے۔ میں یہ سب کرتا ہوں جس سے تم احتراز کرنا چاہتے ہو میرے دین میں یہ سب حلال ہیں تو انھیں حرام نہ کرو۔ اگلے سخت گیری ہی سے ہلاک ہوئے انھوں نے اپنی جانوں پر تشدد کیا تو خدا نے بھی ان پر تشدد کیا۔ اس کے حدیث ہونے میں کلام نہیں۔ نہ اس کے صحت جانچنے کی ضرورت کیوں کہ اپکا یہ امتناع دو قیود پر مبنی ہے ایک تو حلال کو حرام نہ کرو جو آیت ابھی اوپر دی گئی۔ لا تحرموا طيبات ما احل الله لكم دوسرے خود تمہارا تم پر حق ہے یعنی یا ایها الذین امنوا علیکم انفسکم جب یہ حدیث بالکل قرآن کے مطابق ہے تو بعبارت دیگر قرآن ہے۔ اس کی صحت میں کیا کلام چاہیے بلحاظ روایت جو درجہ ہو۔

مسلمانو! دوسروں کی آنکھوں کا کانٹا نہ دیکھو اپنی آنکھوں کا شہتیر نکالو۔ اتنی ہدایتوں پر

تم نے کیا کیا جیسے تین سو برس کے بعد نصاری میں رہبانیت پھیلی ویسے ہی تین سو برس کے بعد تم میں رہبانیت پھیلی اگر تم اپنی رہبانیت کی سند رکھتے ہو تو قرآن مجید موجود ہے فاتوا بکتاب ان کنتم صٰدقین۔

اب ذرا تاریخ سے دیکھو تاریخ صحاح سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ کی بیبیاں بھی تھیں۔ اولاد بھی تھی اور غیر ایشیا ملازمت۔ طریقہ تجارت اور اصول حکمرانی کے بھی آپ نمونہ تھے۔ قاضی عیاض نے آپ کی جائداد کی تفصیل یہ بتائی ہے۔

اول بنی نضیر کے سات باغ جو آپ کے خالصہ میں ۳ھ میں داخل ہوئے۔ یہ باغ مخیریق یہودی کی وصیت سے آپ کی ملک میں آئے تھے دوم وہ زمین جو انصار نے آپ کو دی تھی۔ سوم بنی نضیر کا مال و متاع جب وہ مدینہ منورہ سے شہر بدر کیے گئے تھے۔ چہارم فدک کا نصف حصہ پنجم وادی القرے کا تہائی حصہ جو ۷ھ میں حاصل ہوا تھا۔ ششم خیبر کے خمس میں سے حصہ یہ سب آپ کی جائداد بلا شرکت الغیر سے تھی۔ آپ اپنی کل آمدنی اپنی ذات اہل و عیال اور مسلمانوں کی ضرورتوں میں صرف کیا کرتے تھے اس کے ساتھ آپ نے قریب قریب کل جزیرہ عرب پر اسلامی سلطنت اور حکومت چھوڑی وو جدک عائلا فاغنی تم کو خدا نے مفلس پایا تو غنی پایا۔ یہ خدا نے اپنا احسان جتایا ہے۔ خدا نے بھی اسی لیے دیا اور رسولؐ نے بھی اسی لیے لیا کہ آپ کی ہدایت عملاً ہو اور آپ کی امت رہبانیت اختیار کر کے خدا کی نعمتوں کی بے قدری نہ کرے۔ ورنہ ذاتی حالت تو یہ تھی کہ اکثر فاقہ ہی پر گذرتی۔ اپنی جوتی آپ ٹانک لیتے پھٹے کپڑے آپ سی لیتے حاصل سب تھا مگر اپنے لیے کچھ نہیں۔ اے مسلمانوں تم بھی حاصل سب کرو کہ ساری دنیا تمہاری ہی ہو مگر حقیقت میں خدا کے سوا اور کچھ تمہارا نہ ہو۔ فانتشروا فی الارض تمہاری رفتار ہو اور وابتغوا من فضل اللہ تمہارے کارنامے لیکن اسلم وجھہ للہ تمہارا حال ہو۔ دل بیار دست بکار اور ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ تمہاری دعا ہو۔

پیروان اسلام خدارسی کے نمونوں کا حال سنو۔

حضرت امام حسن علیہ السلام چار سو درہم کا قیمتی لباس پہنا کرتے تھے قل ھی للذین امنوا کا جلوہ دیکھو۔

حضرت سعید ابن مسیبؓ ایک ہزار درہم کا قیمتی لباس پہن کر مسجد میں جایا کرتے تھے۔

خذوا زینتکم عند کل مسجد کی تعمیل دیکھو۔

حضرت تمیم داریؓ جو صحابہ کبار میں سے تھے اُن کا حلہ ایک ہزار درہم قیمت کا تھا۔
حضرت امام مالکؒ بہت پرتکلف بیش بہا پوشاک پہنتے تھے۔

خود آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم رومی عیسائیوں کا تنگ آستینوں کا جبہ اور پارسیوں اور یہودیوں کا لباس بھی پہنا ہے۔ تاریخ صحیح بخاری میں دیکھو۔ کیونکہ خدا نے فرمایا من حرم زینة اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق قل ھی للذین آمنوا فی الحیوٰة الدنیا خالصة یوم القیٰمة

کچھ لباس ہی پر موقوف نہیں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے بڑے بڑے شاندار محل بنوائے اور بڑی بڑی دولت چھوڑی۔

حضرت زبیرؓ نے مصر وکوفہ اسکندریہ اور بصرہ میں بڑے بڑے محل بنوائے جو کارروان سرائے کا کام دیتے تھے۔

حضرت طلحہؓ نے کوفہ میں سال کی لکڑی کا گچ کیا ہوا اک عالیشان محل تعمیر کرایا تھا۔
حضرت سعد بن وقاصؓ نے عقیق میں ایک بلند پر شکوہ محل بنوایا جس پر بہت سے بالاخانے بھی تھے۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت مقداد نے مدینہ منورہ میں اک عظیم الشان محل بنوایا جس میں عرعر اور سال کے دروازے تھے۔

مورخ مسعودی لکھتا ہے کہ عہد عثمانی میں دولت مندوں کی بڑی کثرت تھی کیونکہ مال سب سے بڑا مددگار پرہیزگاری کا ہے۔

حضرت زبیرؓ نے جب وفات پائی تو منجملہ ان کے متروکہ کے ایک ہزار گھوڑے بھی تھے۔
حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے اصطبل میں ہزار گھوڑے اور اسی قدر اونٹ تھے۔ اور دس ہزار بکریاں اُن کے علاوہ تھیں۔

حضرت زید بن ثابت نے بعد وفات جو متروکہ چھوڑا اس میں اس قدر سونے اور چاندی کی سلیں تھیں کہ کدالیوں سے توڑی گئیں مال و متاع وجائداد اس کے علاوہ تھی جس کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ دینار تھی۔

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے ترکہ میں چوراسی ہزار درہم چھوڑے۔

حضرت عثمانؓ جس دن شہید ہوئے ڈیڑھ لاکھ دینار اور ایک کروڑ درہم ان کے خزانچی کی تحویل میں موجود تھے۔ اور جائداد وار حتی جو وادی القریٰ اور حنین وغیرہ میں تھی اس کی آمدنی ایک لاکھ اشرفی تھی، کثیر التعداد اونٹ اور گھوڑے اس کے علاوہ تھے۔

حضرت زبیر بن العوامؓ نے دو لاکھ کا قرضہ چھوڑا اس سے ظاہر ہے کہ ان کی سالانہ آمدنی

حضرت یعلیٰ ابن منبہؓ نے بعد وفات پچاس ہزار دینار نقد اور تین لاکھ درہم کے تخمینہ کا مال و اسباب چھوڑا۔

حضرت طلحہؓ کی آمدنی جو عراق سے آتی تھی ایک ہزار دینار روزانہ تھی۔

اسی لیے تو خدا نے زکوٰۃ کی آمدنی کا فنڈ غریبوں کے لیے کھولا تھا اگر رہبانیت مقصود ہوتی اور ترک دنیا تو زکوٰۃ کا حکم ہی غیر ضروری تھا۔ بلکہ بجائے اس کے حکم ہوتا کہ کچھ کھو بیٹھو تاکہ یہ حکم فطرت کے مطابق ہوتا۔ خدا نے زکوٰۃ کا حکم دیا اس کا نظم کیا اور اس سے غریبوں کی خبر لی۔ اگر رہبانیت مقصود ہوتی تو غریبوں کی خبر بھی نہ لیتا کہ یہ تو طے ہوتا کہ تمہارا رہبانیت کا مقام طے کر چکے ہیں۔ اور بدقسمتی ان کی ترک دنیا کی معاون ہو چکی ہے۔ اے لوگو، رہبانیت کی راہ اسلام کی راہ نہیں۔ خدا کی دی ہوئی کسی نعمت کو بھی ضایع و برباد کرو۔ ہر ایک نعمت کی باز پرس ہوگی کیونکہ ہر ایک نعمت خدا رسی کی اک راہ ہے۔ یاد رکھو وہ دنیا جو بری ہے وہ تمہارے دل میں ہے اور یہ دنیا کیوں بری ہونے لگی۔ یہ تو مظہر افضال و انعامات خداوندی ہے۔

قوم نے رہبانیت کو ولایت کا لقب دیا اور اس کا درجہ رسالت سے بھی بڑھا دیا ہے اس لیے کچھ اس کے متعلق بھی چند سطریں لکھ دینی چاہتا ہوں۔

نسبت رسالت و ولایت

بعض لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ رسول پشت بحق اور رو بخلق ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ رو بحق اور پشت بخلق ہوتے ہیں اس لیے عاشقوں کے نزدیک اولیاء اللہ کا درجہ بڑا ہوا یہ دعویٰ صدیوں سے چلا آتا ہے اور اس کے مدعی آج بھی مجھے ملے۔ اس کا جواب ہمارے حضرت مخدوم بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے مکتوبات میں دیا ہے مجھے اس دعوے پر حیرت ہوتی ہے کیونکہ اس دعوے کے مدعی خود اپنے خدا رسیدہ ہونے کے بھی مدعی ہوتے ہیں تو حیرت یہ کہ وہ اس راہ میں چلے تو کیا چلے دیکھا تو کیا دیکھا اور پایا تو کیا پایا یہی وہ علم

بازی گری بھی شاعرانہ تخیل۔ جہاں نہ رہے نہ پشت دہاں روا ورشیت قائم کرسکے ورنہ دیا گیا ہے تو حقیقت میں یہ گمراہی میں پڑ گئے ہیں۔ ایسے ہی خیال والے اپنے اغراض کا ہوش بھی رکھتے ہیں اور محرمات اور غیر محرمات کا فرق بھی کرتے ہیں۔ اور اللہ بھی بن بیٹھتے ہیں اور موت آتی ہے تو بے بسی میں مر بھی جاتے ہیں۔

جس خیال سے یہ دھوکے میں پڑے پہلے میں اس خیال کو صاف کردوں تو آگے اس دعوے کی تشفی کروں گا۔

ان کو دھوکا اس سے ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تم سفر کرو اور جہاں مچھلی زندہ ہو کر دریا میں چلی جائے وہاں تم کو جو بزرگ ملیں ان کی بیعت اختیار کرو۔ اب جو بزرگ ملے قرآن میں ان کا نام نہ بتایا گیا کہ وہ تھے کون۔ گمراہ دینے والے کب چوکتے ہیں جھٹ مراد لے لیا کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ اب یہ وہ آتش کیا گیا کہ حضرت خضر علیہ السلام ولی ٹھہرے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبر۔ ولی پیغمبر کا مرشد ہوا۔ ولی کا علم غیب بلا واسطہ خدا سے تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے بے خبر۔ جب آشنا ماں چکے تو روحانیت قائم کرنے میں کیا زحمت رہی۔

میں نے شریعۃ الحق میں یا کہیں اسی کتاب میں۔ اس مضمون کو زیادہ واضح کیا ہے۔ اور قرآن مجید ہی سے اس کی تشفی کی ہے اس لیے بنظر اختصار صرف چند ہی باتیں اس کے متعلق لکھوں گا۔

یہ غلط ہے کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ جب خدا نے نہ بتایا تو وحی خداوندی کسی کے مراد لینے کی پابند نہیں ہو سکتی کیونکہ مراد لینا قطعی نہیں ہو سکتا۔

دوسرے یہ بھی غلط ہے کہ وہ کوئی ولی تھے نہیں حاشا نہیں وہ ضرور کوئی پیغمبر تھے اور پیغمبر پیغمبر نے اگر رشد و ارشاد بھی حاصل کیا تو اس سے رسالت ولایت سے کمتر درجہ میں نہیں ہو سکتی۔ صحیح یہ ہے کہ وہ پیغمبر تھے کیونکہ وہ علم غیب بیان کر رہے ہیں اور خدا نے فرمایا ما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء خدا غیب سے رسولوں کے سوا کسی کو مطلع ہی نہیں کرتا رسولوں میں سے بھی بعض کو جس کو چاہے تو جب وہ غیب سے مطلع ہوئے تو ضرور رسول تھے۔ دوسرے خدا کا امر رسولوں ہی کو آتا ہے اور انھوں نے فرمایا ما فعلتہ عن امری۔ اس کی مزید تقریر آگے خود آئے گی۔ اتنا لکھنے سے میری غرض یہ تھی کہ ایسے خیال والے قرآن مجید ہی سے اپنا دھوکا سمجھیں ایسا نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبری کی سند رکھتے ہوئے ضرور ریاست پیغمبری جاری کرتے۔

ہم مان لیتے ہیں کہ رسول رو بخلق ہوتے ہیں اور ولی رو بحق۔ تو یوں سمجھو کہ خدا بھی تو رو بحق
بخلق بھی ہے یعنی خدا اور رسول رو بخلق ہیں اور ولی رو بحق۔ اسے بدیہیات میں دیکھو انسان اپنے کو
نہیں دیکھتا اور نہیں دیکھ سکتا۔ دیکھتا ہے تو آئینہ میں۔ اب آئینہ میں جو تصویر آئی تو دیکھنے والا
دیکھتا ہے۔ اس تصویر کو اور تصویر دیکھتی ہے دیکھنے والے کو واضح ہوتا ہے کہ خدا کے ساتھ
رسول کی نسبت نسبت اقربیت ہے اور ولی کی نسبت وہی تصویری نسبت یعنی نسبت اتحادی
ہے۔ اس میں قرب ہے اور اس میں غیریت و دوری۔ وہ متحد بالذات ہے اور یہ متحد بالصفات
اس کا ظہور، ظہور حقیقت جامعہ ہے اور اس کا ظہور تو ظل در ظل کہ آئینہ ہٹا تو گویا عدم وجود برابر ہو
رسول رو بخلق ہیں اب اس نسبت اقربیت کو قرآن مجید میں دیکھیے کہ غایت اقربیت نے شان اتحادی
پیدا کر دی ہے۔ ہر جگہ خدا نے فرمایا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول اور دونوں کی ایک ہی طاعت
کلام اللہ کی ہے۔ اس کو خدا نے واضح بھی کر دیا ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ جس نے
رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی یعنی دونوں کی ایک اطاعت ہے اس مضمون
کو شریعۃ الحق میں زیادہ واضح کیا ہے اس میں دیکھو۔ ہر جگہ رسول کے ساتھ اللہ موجود غنیمت
میں ایک ہی خمس نکالا جاتا ہے اور فرمان یہ کہ فان للہ خمسہ وللرسول قرآن مجید [illegible] تو
کلام اللہ ہے بلا آمیزش مگر اقربیت رسالت کی شان اتحادی دیکھو کہ خدا نے فرمایا انہ
لقول رسول کریم وما ھو بقول شاعر قلیلا ما تومنون ولا بقول کاھن قلیلا ما تذکرون
تنزیل من رب العالمین قرآن مجید قول اللہ ہے اور قول رسول بھی ہے مگر منزل اللہ
اسے ورا الورا تو ہے رسول اور اولیاء اللہ رسول کے ظل بلکہ کفش بردار سبحانک
لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم۔

تاریخ تصوف

قبل اس کے کہ میں تصوف قرآنی کو بیان کروں تصوف پر اک مورخانہ نظر ڈالنی چاہتا ہوں کہ
لفظ تصوف نبی خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ با سعادت میں تو مصطلح قوم تھا
نہیں۔ پھر اسلام میں تصوف آیا کب اور کس طرح۔

دیکھو رسالہ قشیریہ۔ نفحات الانس حضرت جامی علیہ الرحمۃ۔ اور تذکرہ اولیاء حضرت خواجہ
فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ لفظ صوفی عام طور سے دوسری صدی ہجری کے خاتمہ سے قبل ۱۸۹ھ میں رواج پاگیا تھا۔

ابن خلدون کے قول کے مطابق لفظ صوفی صوف سے مشتق ہے صوف ایک قسم کا موٹا اونی کپڑا تھا جو عشرت پسندوں سے ممیز و ممتاز ہونے کے لیے پہنا جاتا تھا لیکن خود صوفیہ کرام کے نزدیک یہ تعریف مسلم نہیں ہے۔ اگر ایک صوفی نے صوفی کے معنی پشمینہ پوش کے لیے ہیں تصوف صوف سے مشتق ہے تو بارہ نے اس کا مادہ صفا قرار دیا ہے جس کے معنی پاکیزگی کے ہیں۔

اول اول اس لقب سے حضرت ابو ہاشم کوفی رحمۃ اللہ علیہ ۱۵۰ھ میں ملقب ہوئے۔ اُن کی نسبت نفحات الانس میں لکھا ہے "پیش از وے بزرگان بودند در زہد و ورع و معاملات نیکو طریق توکل و طریق محبت ولیکن اول کسے کہ ویرا صوفی خواندند وے بود پیش از وے کسے را بایں نام نہ خواندہ بودند"۔

اس کے بعد حضرت جامی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ صوفیوں کی پہلی خانقاہ کی بنا ایک مسیحی امیر نے بمقام رملہ ڈالی۔

حضرت بشر الحافی رحمۃ اللہ علیہ نے سنہ ۲۲۷ھ کے بعد عارفین کو خاصان خدا کے لقب سے ملقب کیا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ کو بزمانہ سنہ ۲۴۵ھ تصوف کا بانی سمجھے جانے کا استحقاق حاصل ہے مشرق کے تمام تذکرہ نویسوں اور مورخوں نے اس استحقاق کو بالاتفاق تسلیم کیا ہے۔ حضرت جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ذوالنون اس فرقہ کے امام ہیں باقی سب ان کے پیرو صوفیوں نے سب کچھ ان سے سیکھا ان سے پہلے بھی شیخ ہو گذرے ہیں لیکن پہلا شخص جس نے عبارت کو اشارت میں سمو دیا اور سلوک کے عقدوں کو حل کیا یہ ہیں (نفحات الانس) اُن سے پوچھا گیا کہ تم نے خدا کو کس طرح جانا تو کہا عرفت ربی بربی۔

تیسری صدی ہجری میں تصوف کے رائج الوقت مسائل شرح و بسط کے ساتھ مدون ہوئے اور نئے طریقے بھی رائج ہوئے تصوف جو اول اول خاص خاص اشخاص کا طریقہ تھا اور اس کے راز چیدہ چیدہ اشخاص کو بتائے جاتے تھے۔ بتدریج ایک باقاعدہ مذہب کی شکل میں بن گیا اور اس کے اصول کی تلقین کے لیے خانقاہیں بنیں اسی صدی میں تصوف نے یہ شکل اختیار کی کہ

صوفی بننے لگا۔ ایک راہب عزلت گزیں کے جسے لوگوں کی صورت سے نفرت ہو اگر شخص کامل و ملہم من اللہ ہادی کی شکل میں سمجھا جانے لگا۔ اسی صدی کے شیوخ و متصوفین کے اقوال میں طرق صوفیہ کے اصول و نکات کو مدون کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔

مرید کو جادۂ پیمائے سلوک ہونے کے لیے مختلف مقامات کا طے کرنا لازم تھا اور ہر ایک مقام ایک خاص حالت کو ظاہر کرتا تھا چنانچہ حضرت یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب تم کسی کو امر بالمعروف میں منہمک پاؤ تو سمجھو کہ اس کا مقام مقام زہد ہے۔ آیات اللہ کی طرف اشارہ کرتے دیکھو تو سمجھو کہ اس کا مقام مقام ابدال ہے۔ فیضان خداوندی کی شرح کرتے دیکھو تو سمجھو کہ اس کا مقام مقام عشاق ہے اور جب اسے مشغول ذکر پاؤ تو سمجھو کہ اس کا مقام مقام عارفین ہے۔

اسی صدی یعنی ۲۵۳ھ میں بمقام بغداد اول اول حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے حقائق و توحید کے معارف بیان کیے اور سب سے اول ممبر پر چڑھ کر تصوف کا خطبہ ۲۵۸ھ میں حضرت یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا جس کی تقلید حضرت ابو حمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔ اسی ۲۹۰ھ میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے اول تصوف کی تنظیم و تشریح بذریعہ تحریر فرمائی اور تصوف قلمبند ہوا۔ اگرچہ تصوف کی تلقین وہ خفیہ زمین دوز مکان میں کرتے تھے اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کو مباحث عامہ کا موضوع بنا دیا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کو جو تصوف کے امام ہیں علما نے زندیق قرار دیا تھا اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ پر ایک سے زیادہ مرتبہ ملحدانہ عقیدہ رکھنے کا الزام لگایا گیا تھا اور حکومت صوفیہ کی درپے آزار یہاں تک ہو گئی تھی کہ حضرت ابو سعید الخراز رحمۃ اللہ علیہ ہجرت کر کے مصر چلے گئے تھے۔

راقم۔ ایسے بزرگان دین کی قومی خدمت اور خالصاً لوجہ اللہ عبادت کی علماء دنیا نے فتووں سے جو عزت افزائی کی اور قوم نے جو سلوک کیا یہ اک سنت قدیم ہے جو اللہ والوں کے ساتھ برتی گئی ہے۔ برتی جا رہی ہے اور برتی جائے گی۔ افسوس صد افسوس۔

تیسری اور چوتھی صدی کے صوفیہ نے طریقہ تصوف کو نظری اور عملی اعتبار سے کامل طور پر مدون و منضبط کر لیا تھا۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے قریب قریب تمام عقائد صوفیہ کا سراغ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ

اور اُن صوفیہ کی تعلیم میں مل سکتا ہے جو بلا فصل اُن کے پیرو تھے اس میں شک نہیں کہ عہد قدیم کے بیشتر صوفیہ وجد اور فنا کی اصطلاح سے نا آشنا تھے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اول ہیں جنہوں نے فنا کا لفظ استعمال کیا اور نفحات الانس میں ہے کہ اول اول حضرت ابو سعید الخراز رحمۃ اللہ علیہ نے فنا و بقا کا ذکر کیا۔ حضرت بایزید بسطامی اول ہیں جنہوں نے تصوف میں عقیدۂ ہمہ اوست کا عنصر شامل کیا جو ساسانیوں کے دور میں بھی عام طور سے ایران میں رائج تھا۔ اور حضرت موصوف ایرانی الاصل تھے۔

حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ پہلے یہ اصحاب اپنے تھے جو صوفی تسلیم ہوئے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابو سعید الخراز رحمۃ اللہ علیہ کو چھوڑ کر تیسری صدی کے کل صوفیہ فنا کو حتی الوسع پردہ میں رکھتے ہیں۔ اور عقیدہ ہمہ اوست سے جو کسی شرط سے مشروط نہ ہو اور کسی قید سے مقید نہ ہو ہمیشہ اجتناب کرتے تھے۔ ان کی دلی تمنا تھی کہ اسلام اور تصوف میں توافق اور تطابق پیدا کریں۔ اور شریعت اور طریقت کے پہلوں کو ساوی کریں اور خاص اسلامی عقائد کو ہاتھ سے جانے دیں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے پیرو طیفوریہ گرفتار کردار میں مست الست تھے لیکن اور صوفیہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عقیدہ ہو کر مستی پر ہوشیاری کو ترجیح دیتے تھے اور اس کا اعلان علی رؤس الاشہاد کر دیا گیا تھا کہ متصوفیانہ تخیل بلکہ احساسات روحانی اور مقامات طریقت کا معیار بجز قرآن و سنت نبوی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا طریق صوفیہ کا جزو اعظم زہد و ریاضت اور روحانیت و اخلاق قرار دیا گیا تھا۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری کا قول ہے کہ ہمارے اصول چھ ہیں ۱۔ کلام اللہ سے استناد ۲۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید ۳۔ اکل حلال ۴۔ خلق کو ایذا نہ دینا اگرچہ وہ تمہیں ایذا دیں ۵۔ حرام شرعی سے اجتناب ۶۔ فرائض کو برغبت تمام انجام دینا۔

المختصر القول مورخ ار اضی برضاء الٰہی ہونے اور جستجوئے ذات باری کے کسوت اور عنوان جستجو میں تصوف اُن راہبانہ و زاہدانہ رجحانات کا حاصل تھا جو اسلام میں زمانہ حکومت بنی امیہ پیدا ہو گئے تھے۔

راقم تصوف گرچہ رہبانیت کے اثروں سے آزاد نہ رہا اور ہندوستان میں ہندو یوگ کے اثروں سے بھی پاک نہ رہ سکا۔ کرشمہ خیز عقیدت اور حیرت انگیز طلسم نا فقر نے سو طرح

رنگ آمیزیاں کیں تاہم میں دکھاؤں گا اور ثابت کروں گا کہ اصل تصوف اور خالص تصوف اسلامی ہی اصل ہے بلکہ اسلامی تصوف جس طرح وسیع تر ہے کامل تر بھی ہے جس طرح ماسوں دسے خطرے رسا تر بھی ہے یہ اپنے مقام میں دکھایا جائے گا۔ ابھی تو مجھے صرف مورخ تاریخ بیان کرنی ہے۔

تیسری صدی ہجری کے ختم ہوتے ہوتے طرق صوفیہ کی باقاعدہ طور پر تدوین و تنظیم ہوئی اور بتدریج یہ ایک باقاعدہ مذہب کی شکل بن گیا اس کے اصول کی تلقین کے لیے خانقاہیں تھیں جہاں مرید اپنے مرشد کی ہدایت کے بموجب زہد و ریاضت کی تکمیل کرتا تھا اور مرشد کو مرید کی ہدایت تامہ کامل اور مطلق اختیار حاصل ہوتا تھا حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مرید وہ ہے جو طاعت گذاری میں اپنے مرشد کو خود باریتعالی پر ترجیح دے (تذکرۃ الاولیا) اور حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس کسی کا کوئی پیر نہ ہو اس کا پیر شیطان ہے۔

راقم حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی شان سے یہ اقوال بہت بعید ہیں درایت میں روایت کی ہرگز حامی نہیں بھرتی جس کی ساری زندگی طلب ذات میں صرف ہوئی ہو اور ساری مدتیں ذات باری کی طرف اور ذات باری کے لیے ہوں۔ وہ ہادی کو مقصود اور رہنما کو مطلوب نہیں قرار دے سکتا۔ اس لیے اقوال ان بزرگوں کے ہو نہیں سکتے۔ جو مقصود حقیقی سے مواجہ پھیرنے والے ہوں گرچہ وہ ان سے نقل بھی کر دیے جائیں جیسے موضوعی حاشیے۔

بہرکیف۔ اس صدی میں خانقاہیں ظہور ہوئیں۔ پیری مریدی کا بازار گرم ہوا۔ اس کے اصولوں کا درس دیا جانے لگا۔ اس کے قواعد و آداب مقرر کئے گئے اور اس امر کا ثبوت بہم پہنچانے کے لیے بیچ پھر کوششیں کی جانے لگیں کہ تصوف آیات اور حدیث پر مبنی ہے۔ میں نے تصوف کی تاریخ بیان کر دی گر چونکہ تاریخ بے درایت ہوتی ہے اس کی روایتیں تحقیق حق کے اصول پر مبنی نہیں ہوتیں۔ اور مذہبی امور میں اس کا کوئی مقام نہیں ہوتا۔ اس لیے تصوف اور تصوف کی تاریخ کا کھوج قرآن مجید میں لگانا ضرور ہے۔

تاریخ تصوف قرآن مجید سے

جن لوگوں نے تصوف کی تاریخیں لکھیں۔ انھوں نے تصوف کو سطحی نگاہوں سے

دیکھا یا روایات سے درایت پر نگاہ کی! اور جو ملا وہ لکھ ڈالا بحقیقتہ آنکھ سے نہیں دیکھا تصوف ہے کیا۔ اس کی بنیاد اُس کا موضوع اور اس کی غرض و غایت کیا ہے اس لیے انھوں نے رسومات تصوف کو تصوف قرار دیکر بحث کی اور قیاسات کی بنا پر اک نتیجہ پر پہونچے جس سے اعتراضات اور شکوک کی راہیں کھلیں۔

اس میں شک نہیں کہ تصوف کا لفظ پہلے مستعمل نہ تھا بعد کو مستعمل ہوا تو کب ہوا اور کیوں ہوا۔ اُس کو تو میں بعد کو بتاؤں گا مگر فلاں سن میں فنا کا لفظ مستعمل ہوا بغیر درایت کے یہ صحیح بھی مان لیا جائے۔ تو اس سے تصوف کی تاریخ نہیں معلوم ہوتی۔ تصوف کی بعض باتیں معلوم ہوئیں جس سے تاریخ کو اور بھی مشتبہ کر دیا کیونکہ فنا کا لفظ قرآن مجید میں مستعمل ہوا ہے کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام جو کچھ بھی ہے سب فانی ہے۔ بجز ذات صاحب جلال و کرم کے (رحمٰن ۲ ع) یہی تو فنا کی کیفیت ہے۔ اگر حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اول اس لفظ کا استعمال کیا تو اس کے یہ معنی ہوے کہ انھوں نے سب سے پہلے اس آیت کی تبلیغ کی اور سمجھایا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ عقیدہ ایران سے آیا۔ اسی طرح فلاں سن میں عقیدہ ہمہ اوست کا عنصر شامل ہوا۔ بغیر درایت یہ صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے کسی طرح یہ نہیں ثابت ہوتا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایرانی الاصل ہونے کے سبب ایران کا رائج الوقت عقیدہ لاکر اسلام میں داخل کیا۔ اور رخنہ اندازی کی۔ بلکہ کیوں نہ یہ سمجھا جائیگا جس طرح فنا کی آیت کو دیکھا کر انھوں نے سب سے اول تبلیغ کی۔ اسی طرح ہمہ اوست کے لفظ سے انھوں نے خدا کی اس آیت کی تبلیغ کی وھو اللہ فی السمٰوات وفی الارض اس آیت کے معنی انھوں نے ہمہ اوست کے سمجھا اور وہ آیت تبلیغ کر دی اس کے سوا ہمہ اوست تصوف کا عنصر نہیں۔ یہ تو اک توحیدی کیفیت ہے۔ ہمہ اوست بھی کیفیت ہے ہمہ از وست بھی کیفیت ہے اور ہمہ با وست یا دوست بھی کیفیت ہے۔ اور یہ کیفیتیں ہر رہرو پر طاری ہوتی رہیں۔ ان میں حقیقت میں اختلاف نہیں۔ مگر جو جس کیفیت پر ٹھہر جائے۔ قرآن مجید میں آیتیں بھی ساری کیفیوں کی ملیں گی کسی ایک آیت کو کسی مصطلح محاورہ میں بیان کرنا کوئی مذہب ایجاد کرنا نہیں ہے اسی طرح خانقاہ کسی کے نزدیک بھی تصوف کا رکن نہیں تو چاہیے اس کی بنا مسلمان امیر ڈالے یا کوئی امیر یہ رسم تصوف قایم ہو گئی ہے تاریخ سے

اس رسم کا پتہ لگا تصوف کا نہیں۔

تصوف کا نشان یہ ملتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ باسعادت میں جو ایمان لائے وہ مسلمان تھے حنیفاً مسلماً اُن کی شان تھی مگر چونکہ اُن کی آنکھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تھی اس لیے وہ صحابی کہلائے صحابی اُن کا لقب ہوا مگر اُن کا مذہب اسلام ہی تھا یہ کوئی نیا فرقہ نہ پیدا ہوا۔

اس کے بعد دوسرا دور ہوا۔ اس دور والے قرب رسول کی وجہ سے تابعین کہلائے یہ بھی کوئی نیا فرقہ نہ ہوا کہ ان کی تاریخ تلاش کی جائے۔ لقب بدلا۔ مگر ان کا مذہب بھی مذہب اسلام ہی تھا۔ پھر تیسرا دور شروع ہوا۔ بوجہ کسی قدر قرب نبوت کے ان کا لقب بھی تبع تابعین ہوا۔ انھوں نے بھی کوئی نیا فرقہ نہیں بنایا۔ لقب تو بدلا مگر یہ بھی مسلمان ہی تھے اور ان کا مذہب بھی اسلام تھا۔ ہاں اس دور کے آخر زمانہ میں سلطنت نے عروج پکڑا۔ فتحیابی نے اپنا جھنڈا لہرایا۔ اقبال اور فتح فیروزی نے اپنا چھتر کھولا۔ کامیابی نے بلائیں لیں۔ دولت و ثروت نے قدم لیے پھر کمال کامیابی کے ساتھ ساتھ جو فطرت کا خاصہ ہے کہ عیش و عشرت آئے وہ بھی آئی۔ غفلت اس کے خمیر میں ہے اُس نے غافل بھی کیا۔ یہ غفلت توام البلایا ہے اس سے ہزاروں خرابیاں پیدا ہوئیں۔ ایسے حال میں لوگوں کو مصروف عیش و کامرانی دیکھ کر اور مشغول خواہشات نفسانی پاکر بعض لوگ غفلت سے چونکے اور ان کدورتوں سے صفا کے طالب ہوئے اور ایسے غافلوں سے متنفر۔ ممکن ہے کہ مزید نفرت اور دوری حجت پیدا کرنے کے لیے کسی نے صوف بھی پہنا ہو۔ غرض جو طالب صفا ہوئے اور عشرت پسندوں سے اپنے کو ممیز کیا وہ صوفی کہلائے۔ صوفیوں کا بھی کوئی نیا مذہب نہ تھا وہ بھی مسلمان تھے اور ان کا مذہب بھی اسلام ہی تھا اسلام حنیف کے وہی مدعی ہوئے اور دنیا نے اُن کے دعوے میں اُن کو سچا سمجھا اور اسی صفائے مشرب کے سبب وہ کامل ترین مسلمان سمجھے گئے جن پر مسلمانوں نے ناز کیا۔ فخر کیا جن کے آگے پرنخوت اور پرغرور سر بھی جھکا ہی کرتے۔ آج جو اسلام کی روشنی تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے وہ انھیں کی پھیلائی ہوئی ہے اس لیے تصوف کی تاریخ عین اسلام کی تاریخ ہے۔

میں نے جو یہ سرخی دی کہ (تصوف کی تاریخ قرآن مجید سے) تو اس سے میری غرض

یہ ہے کہ شرعۃ الحق میں میں نے قرآن مجید کی بہتیری آیتوں سے صاف اور صریحاً یہ ثابت
کیا ہے کہ اسلام ازلی مذہب ہے۔ یہی اسلام سب پیغمبروں پر اترا اور سب کی کتابیں
ایک دوسری کی یکساں مصدق ہیں۔ ایک آیت کی بھی ناسخ نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید ہی
سب کتابوں میں اترا تھا۔ دانستہ یعنی ذی ارادہ لیکن تو اتنی آیتوں کو یہاں پر دہرانا
شرعۃ الحق کا جزو دہرانا ہے۔ آیتوں کو تو میں نہیں دہراتا مگر مطلب یہ تھا کہ صوفی حنیف
مسلمانوں کا ہی لقب ہے اور تصوف اسلام کا دوسرا باب ہے اس لیے تصوف کی
تاریخ وہی ہے جو قرآن مجید سے اسلام کی تاریخ ثابت کی گئی ہے۔ اسلام ازلی ہے تو
تصوف بھی ازلی۔ ہاں صوفیوں کا اسلام حقیقی اسلام ہے۔ منہ بولا اسلام نہیں۔ خاندانی
اسلام نہیں۔ دکھاوے کا اسلام نہیں۔ منافقانہ اسلام نہیں۔ مردہ اسلام نہیں۔ بلکہ وہ اسلام
جس میں روح ہے جس میں صدق و اخلاص ہے اور جو موصل الی المطلوب ہے۔

جب اسلام ازلی ہے اور اس لیے جب تصوف بھی ازلی ہے تو تصوف میں سارے مذہبوں
کے عقائد بھی مل سکتے ہیں۔ رہبانوں کا فقر بھی اور ہندوؤں کا جوگ بھی مل سکتے ہیں کیا معنی
ہیں۔ مثلاً خدا کا ماننا چاہیے اور اس کے ساتھ کفر و شرک بھی کرتے ہوں۔ عبادت کا
اشکال مختلفہ ہونا چاہیے۔ وہ شرک کے درجہ کو بھی پہونچے ہوں۔ اخلاق کی ہدایتیں۔ ذکر
فکر۔ مراقبہ۔ طلب دریافت قبض و بسط۔ فنا و بقا قطع ماسوا وغیرہ ایسا نہیں ہے کہ کسی
مذہب نے کسی مذہب سے کچھ لیا دیا ہے اور ایک نے دوسرے کی بنیاد پر قلعہ اٹھایا
ہے۔ بلکہ یہ بیّن ثبوت اس کا ہے کہ سارے مذاہب کا مخرج ایک ہی ہے۔ خدا ہی
ہستی اور زمانہ سے قوم بدلی ان کا مذہب بھی۔ تفرقے پڑے۔ اور بجائے خدا تک پہونچانے
کے وہ دوری پیدا کرنے والے ہو گئے۔ دیکھو تو تمام ذکر ہے۔ مگر غیر اللہ کے ناموں کا
تمام فکر ہے۔ مگر غیر اللہ اور برزخی معبودوں یا مورتوں کا۔ تمام مراقبہ ہے مگر یہ بھی غیر اللہ اور
گرو یا دیوتاؤں کا۔ عبادات رسمی حرکات ہوئے۔ معاملات اساتذہ مذہب کے فتنے
اور ریاضات مصیبتوں کا جھیلنا۔ فنا اک مجنونانہ غشی ہوئی پھر بقا کہاں سے آتی وہ
معدوم ہوئی سب کی حقیقت کھو دی گئی صرف نام ہی نام رہ گیا وہ بھی بدراہ ہو کر۔

وہ ذات بے صورت جو کسی صورت کی قید سے پاک ہے اس کی راہ اسلام ازلی نے بے صورتی
سے بتائی تھی۔ اس لیے وہ طالبین جو صورت کا دھیان کرتے ہیں۔ وہ صورت کو مٹاتے کر

کر معنی تھے۔ بت شکنی کے گر صورت پرستوں نے بے صورت کی راہ صورت سے اختیار کی اولٹی راہ چلے۔ دوری میں پڑ سے بت پرست ہوئے۔ گمراہ ہوئے۔ مشرک ہوئے۔ اسلام کھو بیٹھے تو دوسرے دوسرے ناموں سے موسوم بھی ہوئے۔ غرض اسلام نے ہندوؤں یا عیسائیوں سے کچھ نہیں لیا۔ بلکہ اُن کے یہاں بھی اسلام ہی تھا جو بگڑ بدل کر اور کفر و شرک کے درجہ پر پہونچ کر رہ گیا۔ سبھوں نے کتاب اللہی ضایع کی اس لیے وہ ابھی حق بھی نہیں سکتے غرض تصوف کوئی نوخیز اور نو بنیاد مذہب نہیں ہے۔ بلکہ عین اسلام اور اصل اسلام ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ والقرآن کلام اللہ جس کا ایمان ہو جس کا اقرار باللسان ہو جس کی تصدیق بالقلب ہو۔ اور جس کی دفا بفعل ہو اس کا اسلام حقیقی کے سوا اور کیا مذہب ہو سکتا ہے ہاں فطرت کے اس اصول کے مطابق فطال علیھم الامد فقست قلوبھم زمانہ مدید گذرا تو ان کے قلوب سخت ہو گئے (حدید ع۲) جیسے کوئی مذہب نہ بچا اسلام آخری بھی نہ بچا یعنی تصوف بھی نہ بچا۔ اسلام شریعت و طریقت کے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اسلام کے دو حصے ہوئے وہ دو فرقے ہوئے۔ پھر جس طرح دنیا دار علما ہوئے۔ دیندار علما یا صوفی بھی ہوئے۔ انسان دو ٹکرہ ہو کر نہیں جی سکتا ویسے ہی اسلام بھی ٹکرہ ٹکرہ ہو کر زندہ رہ نہیں سکتا یہی راز ہے مسلمانوں کی تباہی کا۔ رفتہ رفتہ علما اور صوفیوں سے روحانیت ہی کھو گئی۔ اور رہ گئے صرف رسومات مذہب الا ماشاء اللہ۔

تعریف تصوف

صوفیہ کرام رحمۃ اللہ علیہ نے جو تصوف کو بیان کیا ہے اُسے انھیں کے اقوال میں بیان کروں گا اور اس کے نیچے قرآن مجید کی آیتوں کی سند دوں گا کہ انھوں نے کس آیت کے مفہوم کو بیان کیا ہے جس سے میری غرض یہ ہے کہ جس پر جس آیت نے تجلی کی اور جو آیت جس کے لیے موصل الی المطلوب ہوئی۔ انھوں نے اُسی کو تصوف کہہ دیا ہے یہ وجہ ہے۔ اس درجہ اختلافات کی۔ اور قرآن مجید نے تصوف کو کیا بیان کیا۔ اس کو آغاز کتاب سے بیان کروں گا۔

حضرت بشر الحافی رحمۃ اللہ علیہ صوفی آنست کہ دل صافی دارد با خدا اور حضرت ابو الحسن البصری رحمۃ اللہ علیہ تصوف صفائے دل است از کدورت مخالفات۔

راقم۔ دونوں حضرات نے تزکیہ کو بیان ہے۔ خدا نے فرمایا قد افلح من تزکی بے شک وہ مراد کو پہونچا جس نے تزکیہ کیا (اعلیٰ) حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تصوف اصطفا است ہر کہ گزیدہ شد از ما سوائے اللہ او صوفی است۔

راقم۔ اصطفا کو بیان فرماتا ہے۔ خدا نے فرمایا ولقد اصطفیناہ فی الدنیا ہم نے دنیا میں اس کو برگزیدہ کیا (بقرہ ع ۱۶)

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ التصوف الاخذ بالحقائق والیاس مما فی ایدی الخلائق ہر چیز کی حقیقت کو پانا اور جو چیزیں مخلوق کے ہاتھوں میں ہوں ان سے بے توجہ ہونا۔

راقم۔ یافت حقیقت الاشیا و یہ فکر کا نتیجہ ہے جس سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے اور اس کا مفصل بیان فکر کے زیر سرخی کیا جائے گا۔ اور دوسرے ٹکڑے کا ماخذ یہ آیت ہے (لا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ زھرۃ الحیوٰۃ الدنیا لنفتنہم فیہ تم اپنی نظر دنیا کی چیزوں کی آرائش کے جانب جو ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو صرف کے لیے دی ہیں۔ تاکہ انھیں آزمائیں نہ دوڑاؤ (طہٰ ع ۸) باز سوال کردہ شد۔ از تصوف فرمود گرفتن حقایق و گفتن بدقایق و نومید شدن آنچہ ہست در دست خلایق۔

راقم۔ اس بیان میں صرف ایک جملہ پہلے بیان سے بڑھایا ہے۔ اور باقی وہی ہے جس کا ماخذ آیتوں سے بیان کیا گیا ہے جو بڑھایا ہے۔ وہ "گفتن بدقائق" ہے تو یہ تصوف نہیں صوفیوں کی رسم ہے۔ اس کے ساتھ میرا اتفاق نہیں۔ جو یہ سننے کی باتیں نہیں وہ بولنے کی نہیں۔ اور جو بولنے کی باتیں ہیں انہیں عام فہم بولو تکلموا الناس علیٰ قدر عقولہم۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ صوفی آنکہ خدا ورا بہمہ گزید اور حضرت یحییٰ معاذ الرازی رحمۃ اللہ علیہ درویش آنکہ بخداوند خویش از جملہ کائنات تونگر بود۔

راقم۔ یہ مختصر طور پر اس آیت کا خلاصہ مطلب ہے قل ان کان اٰباءکم وابناءکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونہا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجہاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ اے رسول کہہ دو کہ تمھارے باپ بیٹے۔ بھائی بیبیاں۔ اقران۔ مال مخزونہ اور تجارت جس کے گھاٹے سے تم ڈرتے رہتے ہو۔ اور گھر جو تم کو پسند ہیں۔ یہ سب چیزیں اگر تم کو خدا اور رسول اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرنے سے زیادہ عزیز ہیں۔ تو منتظر رہو کہ خدا اپنا عذاب بھیجے (التوبہ ع ۳)

حضرت ابوالحسن النوری رحمۃ اللہ علیہ تصوف دشمنی دنیا است و دوستی مولا۔
راقم دوستی مولا تو اوپر کی آیت میں فرض ہوئی۔ مگر دشمنی دنیا کا لفظ اس میں زیادہ ہے۔ تو دنیا تو وہی جو محبوب سے غافل کرے اور وہی شیطان بھی ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا۔
شیطان تمہارا دشمن ہے تو اس کو دشمن ہی سمجھتے رہو۔ یہ تو اقتضائے محبت ہے کہ جو محبوب سے غافل کرے وہ دشمن ہے۔
حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کن للہ والا فلا تکن خدا را باش والا خود مباش۔ اور حضرت ابوالحسن النوری رحمۃ اللہ علیہ۔ تصوف ترک جملہ نصیب ہائے نفس است برائے نصیب حق۔ اور کسی دوسرے بزرگ نے فرمایا دع نفسك وتعال۔
راقم ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین۔ میری نماز میری عبادت اور میرا جینا مرنا سب اللہ کے لیے ہے (انعام ع ۲۰) جب حیات و موت تک للہ ہو گئی تو وہ خود کیا رہا اسی کو فرمایا کن للہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ھو ان یمیتك الحق ویحییك بہ۔ خدا تیری خودی کو زائل کر دے یعنی موتوا قبل ان تموتوا اور تجھے اپنے ساتھ زندہ رکھے۔
راقم یعنی یہ آیت متجلی ہو۔ کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربك ذوالجلال والاکرام اللہ ہو د باقی ہو د باقی فانی۔ فنا کے معنی معدوم ہونے کے نہیں۔ وجود کی احاطت تام عدم کو محال ثابت کرتی ہے۔ بلکہ فنا کے معنی توجہ کے یکسو ہونے اور ایک ہی طرف بکمالہ جھک جانے کے ہیں یعنی حنیف ہو تا جس کو خدا نے فرمایا انی وجھت وجھی للذی فطر السموت والارض حنیفا میں نے اپنی توجہ اسی کی طرف پھیر دی ہے یکسو ہو کر جس نے آسمان اور زمین بنائی (انعام ع ۹) اسی حنیف کے معنی فنا کے ہیں۔ اسی کو کہا دع نفسك تعال اسی مضمون کو دوسری جگہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ان تکون مع اللہ بلا علاقۃ خدا کے ساتھ بے علاقہ ہو رہو یعنی نہ علاقہ ہو صورت کا نہ عقل کا۔ نہ وہم کا نہ حواس کا۔ علاقہ کو تعلق ہے قلب سے۔ علاقہ منقطع کرنے کے معنی یہ ہیں کہ وسوسہ و تعلق نہ ہو۔ اور قلب مطمئنہ کے ساتھ معیت خداوندی یعنی دوام حضور حاصل کرو۔ اسی مضمون کو حضرت عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تصوف با خدا آرام گرفتن است واز خلق

گریختن۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب اطمینان بذکر خدا آرام بہ خدا گرفتن است لیکن
از خلق گریختن کے ساتھ میرا اتفاق نہیں۔ یہ تو رہبانیت ہے۔ ہونا چاہیے بخلق با خدا آمیختن۔
حضرت ابو حفص حداد رحمۃ اللہ علیہ۔ درویشی بحضرت خدا شکستگی عرض کردن است۔
راقم۔ ان الذین امنوا وعملوا الصلحت واخبتوا الی ربھم اولئک اصحب الجنۃ جو لوگ
ایمان لائے نیکوکار ہوئے اور خدا کے حضور میں شکستگی عرض کی تو یہی اصحاب جنت ہیں۔
حضرت عمر عثمان المکی رحمۃ اللہ علیہ۔ سئل بہ التصوف فقال ان یکون العبد فی کل وقت
مشغولا بما ھو اولی بہ فی الوقت تصوف کو پوچھا گیا تو فرمایا کہ تصوف یہ ہے کہ بندہ اس
کام میں ہر وقت مشغول ہو۔ جو اقتضائے وقت ہو۔
راقم۔ قرآن مجید میں عملوا الصلحت بہتیری جگہ ہے یہ عمل صالح کی تفسیر ہے۔ خدا کی بہتیری ہدایتیں
ہیں اور ہر ہدایت اپنے وقت پر عمل کی طالب۔ تو جو وقت جس اطاعت کا مقتضی ہو
اس کو اس کے وقت پر ادا کرو۔ جس جگہ صبر مطلوب ہو صبر۔ عبادات کا وقت عبادات ادائے
حقوق کے وقت حقوق کا ادا کرنا۔ غرض ہر کام اپنے وقت پر ہونا چاہیے جو اس وقت کا
اقتضا ہو یہ رہبانیت کی تردید ہے اور اسقدر وسیع ہے کہ جتنا ڈوبو مزہ آئے۔
حضرت ابو الحسن النوری رحمۃ اللہ علیہ نعت الصوفی السکون عند العدم والایثار عند الوجود
راقم۔ تصوف کو بیان نہ فرمایا بلکہ صوفی کی ایسی صفت کو بیان فرمایا جس سے وہ پہچانا جائے
یعنی صبر و ایثار کو تو صبر و ایثار صریح قرآن مجید کی تعلیم ہے صبر کا بہتیری جگہ حکم ہے واصبروا اور ایثار کی
آیت سورہ حشر میں ہے۔ ویؤثرون علیٰ انفسھم۔
دوسری جگہ حضرت موصوف نے تصوف کو بیان فرمایا تصوف نہ رسوم است و علوم و لیکن
اخلاقیست اگر رسم بودے بمجاہدہ بدست آمدے واگر علم بودے بہ تعلیم حاصل شدے و لیکن
اخلاقیست کہ تخلقوا باخلاق اللہ و تخلق خدا بیرون آمدن نہ برسوم دست دہد و نہ بعلوم
راقم تصوف کو اخلاق فرمایا تو اخلاق کی آیتیں۔ اخلاق کی زیر سرخی دی جائیں گی۔ اور اس کی
خوبی اخلاق کے بیان میں نمایاں ہو گی۔
حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ۔ التصوف ذکر مع اجتماع و وجد مع استماع و عمل مع اتباع
تصوف یہ ہے کہ ذکر ہو مگر بحضور قلب۔ وجد ہو لیکن قرآن سنکر عمل ہو مگر بہ اتباع قرآن۔
راقم۔ یہ تینوں باتیں تین آیتوں کی تفسیر ہیں۔ واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا اور

واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تریٰ اعینهم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق
اور اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ۲؎ خدا کے نام کا ذکر کیا کرو۔ اور مذکور کے ساتھ فنا ہو جاؤ
۲؎ جب وہ قرآن سنتے ہیں تو تم دیکھتے ہو کہ عرفان کے سبب انکی آنکھوں سے آنسو جاری
ہو جاتے ہیں ۳؎ قرآن کا اتباع کرو یعنی اس کے مطابق عمل۔ چونکہ تصوف کی یہ تعریف فرمائی
اس لیے صوفی کو بیان فرمایا کہ صوفی آن است کہ دل او چوں دل ابراہیم سلامت یافتہ بود از دنیا
و بجا آرندہ فرمان خدا بود۔ و تسلیم او تسلیم اسمٰعیل واندوہ واندوہ داؤد و فقر او فقر عیسیٰ و صبر او صبر ایوب
و شوق او شوق موسیٰ۔ و اخلاص او اخلاص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ نے قصص قرآن کی ہدایت
کو بیان فرمایا ہے کہ ان قصوں سے اپنے کو ان صفات سے متصف کرو کہ یہ قصے ہدایت نامے
ہیں۔ حضرت ممشاد الدینوری رحمۃ اللہ علیہ۔ تصوف صفائے اسرار است و عمل کردن بآنچہ رضائے
جبار است و صحبت داشتن با خلق بے اختیار است۔

راقم۔ صفائے اسرار یعنی تزکیہ قد افلح من تزکی فلاح پائی جس نے تزکیہ کیا ۱علیٰ) و عمل مطابق
رضائے مولا یہ اس آیت کی ہدایت ہے۔ ما کتبنٰھا علیہم الا ابتغاء رضوان اللہ ہم نے ان پر
فرض نہ کیا تھا مگر رضائے مولا کی تلاش (حدید پارہ عک) اور صحبت خلق بے اختیار سے یہ معنی
ہیں۔ لوگوں سے اپنے اغراض و خواہشات نفسانی سے کرنہ ملنا تو یہ ملنے ملانے پر موقوف
نہیں سارے ہی کام دینی و دنیوی وجہ اللہ ہونا چاہیے دینی ہو یا دنیاوی رضائے مولا
مطلوب ہو۔

حضرت ابو محمد رویم رحمۃ اللہ علیہ سئل رویم عن التصوف فقال التصوف استرسال
النفس مع اللہ علی ما یرید تصوف نفس کو خدا کی مرضی پر چھوڑ دینے کا نام ہے یعنی
منزل رضا۔

راقم۔ یفعل اللہ ما یشاء او یحکم ما یرید پر کمال ایمان و اطمینان قلبی یا راضی برضا ہوتا ہے
حضرت علی بن سہل الاصفہانی رحمۃ اللہ علیہ۔ التصوف التبری عمن دونہ عن التخلق عمن
سواہ تا مختصر لفظوں میں تصوف قطع ماسوا کا نام ہے۔

راقم قطع ماسوا یعنی ماسوا سے پرہیز یہی تو حقیقی اتقا ہے۔ اتقا کے معنی پرہیزگاری کے
ہیں۔ اور اتقا کی آیتوں سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے۔ اتقا عام ہے تو اس کی تخصیص نہ کیا
کرو۔ اس کو عام رہنے دو یعنی کل ماسوا سے پرہیزگاری۔

حضرت ابوالجریری رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کو فرمایا الدخول فی کل خلق سنی والخروج من کل خلق دنی تصوف اخلاق حسنہ حاصل کرنے اور اخلاق سیئہ سے بچنے کا نام ہے
پھر فرمایا التصوف مراقبۃ الاحوال ولزوم الادب
راقم۔ اپنے حال کا نگراں رہنا اور ہر وقت کے ادب کو ملحوظ رکھنا دونوں کی آتیں اخلاق اور مراقبہ میں دہی جائیں گی۔ اخلاق کے معنی مہمانوں کی تعظیم اور حقہ پان کی دعوت کے نہیں ہیں۔ نہ سگریٹ اور چائے کی دعوت کے۔ بلکہ اخلاق کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ کوئی حرکت اس سے باہر نہیں جاسکتی۔ اپنے اور خدا اور رسول اور قرآن اور قوم و ملک و انسان و حیوان سب کے حقوق کا ادا کرنا اخلاق ہے۔
حضرت ابوبکر الکتانی رحمۃ اللہ علیہ۔ التصوف خلق فمن زاد علیک فی الخلق فقد زاد علیک فی الصفاء تصوف اخلاق ہے جو بڑا اخلاق میں وہ بڑا صفا میں۔
راقم۔ اخلاق کی آتیں تو اخلاق کے بیان میں دیکھو۔ مگر کم سے کم ایک آیت تو مجھے اس کے متعلق دینی چاہیے ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی وینہی عن الفحشاء والمنکر والبغی۔
خدا حکم کرتا ہے عدل و احسان کرنے اور قرابت پروری کا اور منع کرتا ہے۔ فحش اور برائیوں اور سرکشیوں سے (النحل ۱۲) یہی عدل احسان اور قرابت پروری اخلاق حسنہ ہے اور فحش اور برائیاں اور سرکشیاں اخلاق سیئہ۔
حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ الصوفی منقطع عن الخلق متصل بالحق کقولہ تعالے واصطنعتک لنفسی قطعہ عن کل غیرہ ثم قال لن تعالی صوفی وہ جو خلق سے منقطع ہو جیسا کہ خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ ہم نے تجھ کو اپنے لیے چن لیا۔ ماسوا سے تو منقطع کر دیا۔ پھر کہا تو یہ کہا کہ تم ہمیں دیکھ نہیں سکتے۔
راقم۔ خدا کی آیت تو خود انھوں نے دے بھی دی اور تفسیر بھی کر دی۔ آہ تصوف کو کس عاشقانہ ورد کے ساتھ بیان کیا ہے کہ دل ہل جاتا ہے۔ خود اپنے لیے چننے بھی اور لن ترانی بھی کہے اللہ اللہ۔
حضرت تصوف نے دوسری جگہ فرمایا التصوف الجلوس مع اللہ بلا ھم بے فکر و تردد خدا کی حضوری تصوف ہے۔

راقم۔ مقربین یہی جانشین مع اللہ ہیں۔ فاما ان کان من المقربین خدا نے فرمایا ہے۔
قرآن مجید میں بہتیری جگہ عند اللہ و عند ربہ ہے اور یہ مقام قرب ہی سے آگاہ کرتا ہے
غرض قرب خدا تصوف ہے جس میں فکر نہ ہو۔ مگر قرب میں فکر کہاں نفس فکر سے مطمئن ہو لیتا ہے
جب تو قرب کی راہ میں قدم رکھتا ہے۔ حضرت موصوف نے تیسری جگہ فرمایا التصوف ھو عصمۃ
عن رویۃ الکون تصوف اس عالم کون کی دید سے بچائے جانے کا نام ہے اور حضرت
عمر الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ التصوف رویۃ الکون بعین النقص بل غض الطرف عن
کل ناقص بمشاہدۃ من ھو منزہ عن کل نقص تصوف یہ ہے کہ موجودات کے نقائص کو
دیکھو بلکہ کل ناقص سے توجہ پھیر لو۔ اور اس کا مشاہدہ کرو جو نقص سے پاک و مقدس ہے۔
راقم۔ پہلا قول متن ہے۔ اور دوسرا گویا اس کی تشریح۔ خداوند عالم نے قرآن مجید میں فکر کی تاکید پہ
تاکید کی ہے۔ اور فکر کی اتنی جگہیں بتائی ہیں کہ عالم کون کا کوئی ذرہ نہ چھوٹ رہا۔ اس کو فکر کے
بیان میں دیکھو۔ اولاً عالم کون کو فکر کی آنکھوں دیکھو تو یہ عالم آنکھوں سے غائب ہو جائے گا
دوسری ہستی آموجود ہوگی۔ اسی کو انھوں نے فرمایا کہ تصوف عالم کون کی دید سے بچائے
جانے کا نام ہے۔ اور اسی کو انھوں نے فرمایا کہ عالم کون کو اس کا نقص دیکھ کر دیکھو تو اس
بے نقص کے مواجہ درست ہو جائے گا خداوند عالم نے بھی سارے معبودوں کا نقص۔
ملائکوں اور پیغمبروں کی مجبوریاں اور اپنی سطوت و جلالت کی پاکی اور تنزہ دکھا کر اپنی طرف متوجہ کیا ہے
حضرت ابو الحسن المزین رحمۃ اللہ علیہ التصوف الانقیاد للحق تصوف حق کی فرمانبرداری کا نام ہے
راقم۔ تو یہ عین اسلام ہے۔
حضرت ابو سعید ابن الاعرابی رحمۃ اللہ علیہ التصوف کلہ ترک الفضول ترک فضول تصوف ہے۔
راقم۔ حضرت موصوف نے اس آیت کو بیان فرمایا ہے جو مومن کی تعریف میں ہے۔ وھم عن اللغو
معرضون وہ لغویات سے اعراض کرتے ہیں کل لغویات سے اعراض کرو تو دیکھو تو تمھاری رفتار
صحیح ہو جائے گی۔ خدا کی ایک ایک آیت موصل الی المطلوب ہے۔
حضرت ابو محمد بن الجنید رحمۃ اللہ علیہ۔ تصوف صبر کردن است در تحت امر و نہی۔
راقم۔ یہ تفسیر ہے اس آیت کی الذین صبروا ابتغاء وجہ ربھم وہ جنھوں نے بطلب رضاء
خداوند صبر کیا (رعد ۳)
اگر بزرگوں کے اقوال لکھے جائیں تو کہاں تک لکھے جائیں۔ کتاب طول ہو جائے گی اور مقصد بچا رہیگا

ہیں اس لیے میں اس تھوڑے پر اکتفا کرتا ہوں جو آیتیں میں نے ہر قول کے نیچے دی ہیں وہ بھی
بہ نگاہ سرسری دی گئی ہیں۔ اس نظر سے قرآن میں تدبر کرنے والے زیادہ مناسب آیتیں
دے سکتے ہیں مگر میرا یہ موضوع نہیں ہے۔
خلاصہ یہ ہوا کہ اصطفا۔ فکر۔ قطع ماسوا۔ اتصال بحق۔ خدا کا ہو رہنا۔ خدا کے ساتھ آرام دلی حاصل
کرنا عالم سے بے نیازی دل شکستگی بحضور خداوند۔ حنیف ہونا صبر و ایثار۔ اخلاق محبت مولیٰ
و دشمنی ماسوا۔ فنا و بقا۔ رضا و تسلیم جن بزرگان دین کے سے نام لیے ہیں۔ انھوں نے
اس آیت کو جو ان کے لیے موصل الی المطلوب ہوئی تصوف کہا ہے یعنی تصوف کے بعض
صفات کو بیان کیا ہے۔ تصوف کو بیان نہیں کیا اسی لیے تصوف اتنے مختلف عنوانوں سے
بیان ہوا ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے ان اساتذہ کا تصوف قرآنی تصوف۔ محمدی تصوف
اور خدائی تصوف تھا جس کا ماخذ قرآن تھا۔ نہ شاعری اور نہ قصص و افسانے جب قوم سے قرآن
چھوٹا تو جنید و شبلی کہاں سے پیدا ہوں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

دور صوفیہ

میں نے جتنے بزرگان دین کے نام لیے ہیں یہ دور اولیٰ کے صوفیہ ہیں ان کے سوا اور بہت
ہیں جن کے اقوال بیان نہیں ہوئے اس لیے ان کے نام بھی نہیں آئے ان کے افعال
کا مسلک اور ان کے اقوال کا مخرج قرآن مجید ہے۔ اور قرآن مجید کا تدبر و تفکر اس لیے ان کی
روش صحابہ کی روش تھی۔ بے درایت قصوں اور غلو پسند کی روایتوں کا اعتبار نہیں۔
دور دوم و سوم اپنے اپنے اعتبار سے قابل افسوس ہوتا گیا۔ اور بدنام کنندہ نکو نامے چند اٹھنے
لگے جس کی فریاد اپنے اپنے زمانہ میں اٹھتی رہی۔ اور علما و منافقین میں تمیز دشوار ہو گئی۔
بہ اعتبار قرب و بعد نبوت جب صوری صوفیوں کو کثرت ہوئی تو تصوف کی بنا کم در حد ثبوت۔
بے درایت قصوں۔ خواب و خیال اور غیر محقق اقوال صوفیہ پر ہوئی اور قرآن نظر انداز کیا گیا۔
ہاں ایسے اساتذہ بھی ہوئے جنھوں نے قرآن کو نہ چھوڑا اور ان کی روش قرون اولیٰ
کی روش رہی مگر کم۔ کمیابی باعث نازش کی ہوتی ہے وہ ہوئی اس لیے یہ نمایاں ہوئے اور
ان کی شہرت نے غلغلہ ڈالا مگر با اعتبار اکثر صوفی ہوئے بھی تو نام و نمود کے رسم و رواج کے
گدی اور خانوادہ کے شجرہ اور نسب فروشی کے۔ خانقاہی اور دکانداری کے محاذ و ریاضت

کچھ رہی بھی تو رسی۔ پھر تو تصوف نے سیکڑوں رنگ بدلے۔ چوطرفی ہوا آنے کے لیے رخنے پڑ گئے اور ہر مذہب کی آؤ بھگت کے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ رفتہ رفتہ دور از کار افسانوں توہمات لایعنی قیاسات بے دلیل اور خواب وخیال پر اس کی بنا ہو گئی۔ خواب الہام ربانی تسلیم ہوا۔ اور خیال مکاشفہ ایسے خواب وخیال ناسخ قرآن تک کے درجہ کو پہونچ گئے اور اس روش کی بدولت یہ نصیب ہوئی کہ پیر خدا بنا اور فقرا خدائی کے حصہ دار تسلیم ہوگئے کہ

اللہ اللہ گفتہ اللہ شود   ایں سخن حق است باللہ شود

اور یہ شعر منسوب کیا گیا بزرگوں کی طرف موضوعی حدیث کی طرح۔

دور آخری

تیسرے دور کا یہ آخری دور جو موجودہ زمانہ کا دور ہے۔ نہایت دردناک اور قابل افسوس ہے۔ بات یہ اعتبار اکثر ہی کی جاتی ہے اسی روش کی تعلیم خدا نے بھی کی ہے جو اس نے فرمایا منہم المومنون واکثرہم الفاسقون بعض ان میں مومن ہیں اور اکثر ان میں فاسق ہیں (ال عمران ۱۲) میں بھی اسی روش کا اتباع کیا چاہتا ہوں۔ اور یہی روش ساری دنیا کی گفتگو کی بھی ہے اس لیے استثنا ہر دور میں ہے۔ فطرت کا کوئی کلیہ بھی استثناء سے مستثنیٰ نہیں۔ اس کو یاد رکھنا چاہیئے اور جن بزرگوں کو میری باتیں بری لگیں وہ اپنے کو مستثنیٰ سمجھیں محتسب حقیقی تو خدا ہی ہے اور بس۔ جب تک صوفیوں کی راہ رہی صراط مستقیم کی جب تک قرآن مجید کا دستور العمل رہا۔ ان کا مرجع رہا۔ ان کا ہادی رہا جب تک قرآنی نوز میں ان کی رفتار رہی اور روش رسالت ان کی روش رہی یہ وہاں پہونچے جہاں روح انسانی کے پہونچنے کی غایت ہو سکتی ہے فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر۔ جب سے قرآن مجید چھوٹا اور نسبت ماسوا اور فانی چیزوں سے جڑ گئی تو خدائی نسبت میں شرک واقع ہوا جس کو خدائی غیرت پسند نہ کرتی تھی۔ تو یہ نتیجہ نکلا نسوا اللہ فانساہم انفسہم خدا کو کیا بھولے کہ وہ اپنے آپ کو بھولے (الحشر ۳) اس وقت سے دوری پڑنی شروع ہوئی اور راہ کٹھن ہوتے ہوتے ناقابل رفتار ہو گئی۔ برزخی معبود نے کچھ مدد نہ کی کیونکہ وما النصر الا من عند اللہ مدد تو خدا ہی کے پاس سے ہوتی ہے (آل عمران ۱۳) جب سارے مسلمانوں نے سارے علماء نے قرآن کو مشکل تر ناقابل فہم مجمل محتاج تفسیر ناقابل ہدایت محتاج تاویلات ومرادات سمجھا اور اس کا مصرف جھاڑ پھونک عملیات اور چہلم چہارم کی

ثواب رسانی کے لیے تجویز کیا تو اس سے یہ صوفیہ کیوں نکل جاتے۔ انھوں نے بھی قرآن سے
چشم پوشی کی اور سارے علما کے مقابلہ میں یہ بھی حدیث کی طرف جھکے۔ اور علماء یہود کی روایتوں
کی طرف بلکہ افسانوں۔ شاعرانہ تخیل خواب و خیال اور واہموں کی طرف۔ اہل حدیث اور نقاد
حدیث یہ کہتے کھڑے ہوئے کہ صوفیوں کی حدیثیں کمزور ضعیف اور ناقابل سند ہیں۔ مورخین اور
نقادِ تاریخ یہ کہنے پر تلے کہ پیغمبروں اور بزرگوں کے قصے جن سے نتیجے اخذ کیے جاتے ہیں
اور وہ عقائد اور مسائل قرار دیے جاتے ہیں۔ وہ بے روایت بے بنیاد عقیدت کے شاخسانے
ہیں اور غیر مستند۔ روایت و درایت اور اصول تحقیقات سے گرے ہوئے ہرگز اس لائق
نہیں ہو سکتے جن پر مسائل اور عقائد کی بنیاد قائم ہو اور دینِ الٰہی میں ان کو کوئی وقعت
دی جا سکے محققین نے باقی باتوں کو بے اصل اور خلافِ قرآن پا کر کنارہ کشی اختیار کی۔ حدیث
کسی درجہ کی لی گئی ہو وہ بھی چند ہی ہے مگر قصے کہانیوں کی قوت دینِ الٰہی میں اتنی زبردست
ہو گئی ہے کہ اگر کسی بزرگ یا کسی پیغمبر کے ساتھ یا بمقابلہ دیگر خانوادوں کے اپنے خانوادہ
کے متعلق عقیدت اور رنگ آمیزیاں دکھا کر عجائبات کے نرالے کرشمے بیان کرو تو آنکھ
بند کر کے اس تسلیم میں کسی کو عذر نہ ہوگا۔ وہ اولاد خدا نے دی اور اس بزرگ نے۔ خدا نے
بیٹی دی تھی بزرگ نے بیٹا بنا دیا۔ اگر تسلیم کر لو تو قوتِ نسبت کی دلیل ہوگی۔ اگر انکار کر دو کہ
یہ قرآن کے خلاف ہے جس کی عقل بھی حمایت نہیں کرتی تو کرامات اولیا کے منکر۔ اس لیے
کافر و مرتد اور خلود فی النار کے مستحق سمجھے جاؤ گے باوجودیکہ قرآن مجید میں سنی سنائی باتوں کا
بلاتحقیق بیان کرنا ممنوع کیا گیا ہے مگر بزرگوں کے قصوں کے لیے ممنوع نہیں سمجھا جاتا
خدا نے فرمایا ولا تقف ما لیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ
مسئولا۔ جس کا تم کو علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو کیونکہ کان آنکھ اور دل سب قیامت کے
دن جواب طلب ہوں گے (بنی اسرائیل ع ۴) اسی مفہوم کو دوسرے لفظوں میں ہمارے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کفیٰ بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع آدمی
کے جھوٹے ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ جو سنے وہ کہہ دے بات بے تحقیق کیوں
زبان سے نکالو کہ خدا اور رسول کے خلاف ہے۔ خلافِ عقل حدیثیں بیان کرنی تو ممنوع ہو گئیں
پر قصص بے تحقیق بیان کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ مگر کوئی قصہ بھی قرآن مجید کی ترازو
پر تولا نہ گیا۔ اور حقیقت کی کسوٹی پر کسا نہ گیا اور عقیدہ کی بنیاد ہو گیا بلکہ انھیں قصوں کا نام تصوف ہے

اہل حدیث کے اعتراضوں کے سبب صوفیہ حدیث سے بھی درگذرے اور اپنے تصوف کی بنا مقالات صوفیہ پر قایم کی گرچہ ان مقالات کے سلسلہ روایت کی صحت کی نہیں گئی اور یہ معیار صحت پر جانچے نہیں گئے گرچہ حدیث کا نمونہ اور اس کے جانچ کی دشواریاں پیش نظر تھیں مگر بزرگوں کی سطوت و جلالت قصوں کی صحت کے لیے کافی سمجھی گئی اور اس میں چھان بین بے ادبی۔ بچہر جیسی بنا ویسی عمارت۔

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا پرستی کی جگہ پیر پرستی قایم ہوئی اور پیر پرستی کے غلو نے بات کو کہاں سے کہاں پہونچا یا پیر خدائے بے صورت کی اک صورت سمجھا گیا کعبہ کے بت تو توڑے گئے مگر بجوں طریقہ میں کعبۂ دل میں برزخ کا بت نصب کیا گیا۔ تلاوت قرآن کی جگہ جپ با مور خداوندی تھی شجرہ کی تلاوت قایم ہوئی۔ لا الہ الا اللہ کی جگہ لا الہ الا شیخ ہوگیا کہ فنا فی الشیخ ہو تو فنا فی اللہ ہونا اور فنا فی الشیخ کے معنی سمجھا ہیں غرض قرآن مجید سے ہر طرح ترک تعلقات کرکے جوگ اور رہبانیت سے رشتہ تعلقات جوڑے گئے۔ کہ تا کافر نہ شوی مسلمان نہ گردی۔ اور اگر اسی کفر پر خاتمہ ہو جائے تو خدا سے جھگڑے گا کون۔ مقالات صوفیہ سے بھی ترقی کرکے اعتقادات کی بنیاد وہ بے افسانے اشعار اور شاعرانہ تخیل سے جوڑی گئیں۔ جب سند مانگو تو بجائے قرآن کے شعروں کی سند وہ ہوں کی سند ان یتبعون الا الظن وما تھوی الانفس ولقد جاء ھم من ربھم الھدیٰ وہ پیروی کرتے ہیں۔ گمان اور خواہش نفسانی کی۔ حالانکہ بے شبہ ان کے پاس قرآن آچکا (النجم ۲۳)۔ یہ وہم و گمان پرستی کا کام نہیں آتی کیا۔ وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ اگر تم ہر کس و ناکس کا کہا مانو گے تو وہ تمہیں خدا کی راہ سے گمراہ کردیں گے (انعام ۱۱۶) اسے بھول کر ہر فقیر صورت کے فرمان کی تعمیل کی جاتی ہے۔ حالانکہ ان کے اکثروں کا حال یہ ہے وان کثیرا لیضلون باھوائھم بغیر علم بہتیرے اپنی خواہش نفسانی سے لاعلمی کے سبب گمراہ کرتے رہتے ہیں (انعام ۱۱۹)۔ بربنائے علم قرآن نہیں بلکہ بربنائے خواہشات نفسانی جن کو الہام کا درجہ دیا جاتا ہے۔ گرچہ الہام ربانی وحی کے خلاف ہو نہیں سکتا اگر ہو تو وہ الہام شیطانی ہے۔ بگر رنگ یہ جما یہاں تک کہ جس نے قرآن سے رشتہ جوڑنا چاہا وہ زاہد خشک سمجھا گیا۔ اور جس نے قرآن سے منہ موڑا وہ رند مشرب آزاد مشرب سمجھا گیا جس کی حقانیت کی سند میں سیکڑوں شعرا کے کلام موجود ہیں۔ دین الٰہی شیطان کا گھروندا ہوگیا کہ طالب خدا ایسا ہونا چاہیے جو بت اور خدا۔ رسول اور شیطان۔ کعبہ اور بتخانہ اور

اسلام وکفر کو ایک سمجھے۔ مگر محرمات میں تفرقہ کرتا ہے۔ یہ ہیں کامل ترین صوفی۔ حالانکہ تصوف کی راہ
وصال کی راہ نہیں جہنم کی راہ جنت کی راہ نہیں۔ افسوس ہے اس فقر اور اس تصوف پر اگر استغراق
ہے تو استغراق میں تشخصات نہیں اگر استغراق نہیں اور جنون نہیں تو کفر و شرک کی باتیں ہیں جس کا
اسلام مجاز نہیں کرتا۔

فقر و تصوف میں بھی دو تقسیمیں ہیں مجذوب و سالک۔ موجودہ زمانہ کے مجذوبوں اور سالکوں کا
حال قابلِ عبرت ہے الا ماشاء اللہ

مجذوب مغلوب الکیفیت تو وہ جو تجلیات ربانی کی چکاچوند میں پڑ گیا۔ یا کیفیت فنائی سے
فی الکثر الحال مغلوب ہو گیا مگر فی زمانہ جس کو جنون یا کسی قسم کا مینیا ہو گیا وہ مجذوب کہلایا۔ اور مجذوب
ہوتے ہی وہ علام الغیوب قادر مطلق اور خدائی نظم کا سیاہ و سفید کرنے والا ہو گیا۔ اس کی
ایک نظر بنانے والی اور بگاڑنے والی سمجھی گئی اور معتقدین کے جتھ سٹ نے بازار لگایا وہم پرستو
نے قصے تصنیف کیے۔ عوام کالانعام لگے مرادیں پاتے اور چڑھاوا چڑھاتے۔ جیسے بت پرست
یا جوگی جی کے چیلے گرو سے یا رام جی اور کرشن جی کے مندروں سے مرادیں مانگتے اور مرادیں
پاتے کے سیکڑوں قصے بیان کرتے ہیں ویسے ہی مجذوبوں کے دروازوں کے مراد خواہ بھی
دیوانہ بکار خویش ہشیار۔ اگر مجذوب صاحب سے پوچھو کہ صاحب بیہوشی بھی اور ہوش بھی جنون
بھی اور تمیز بھی۔ کام کی ہوشیاری بھی اور کام کی بیہوشی بھی یہ کیا تو خدائی مستی حرکت میں آگئی تیور
بدل گئے۔ گالی گلوج اور سخت کلامیاں تو جذب کی سند ہی ٹھہری۔ مگر بندگی اور برگداشت میں
فرق۔ مذور و سلامی میں فرق۔ یہ برداشت نہیں کچھ سوال کرو تو رندانہ مستی جوش میں آگئی کہ حقیقت کی
راہ تم کیا جانو عشق کا جلا ہو خدائی جلال ہوتا ہے۔ عوام سمجھے کہ قیامت ٹوٹی۔ خود ذات بابرکات نے
ڈنڈا اٹھایا معتقدوں نے نکال باہر کیا۔ قدرت تو کبھی پکڑنے اپنے کو مصیبتوں سے چھڑانے
اور موت سے بچانے کی بھی نہیں مگر جوش جلال کا عالم تہلکہ خیز حیرت افزا۔ نمونۂ قدرت اور بھی
دیکھنے کے لائق ہوتا ہے قطبیت السیون ہی کو لیتی اور خدائی کے جذبات اندرون فی السیون
کو تقسیم ہوتے ہیں۔ مجنونانہ حرکات شہر اور صوبوں کے انتظامات میں جذب کی مٹی پلید کی کبھی
تند کوں میں علماء جہلا سب شریک ہیں۔ اگر ان سے پوچھو کہ صاحب اس بندگی میں یہ خدائی
کیسی۔ تو جواب کیا معقول ہوتا ہے کہ فقیر کیا ڈالتا ہے۔ کیا نکالتا ہے اور وہ کس عالم میں ہے
تم کیا جانو۔ وہ وہاں ہے جہاں پیغمبروں کی نگاہ ہے ماہے رسائی ہوتی اہے اگر وہ نہیں تو انکی

دعا سب کچھ کرتی ہے۔
یہ سمجھ میں نہیں آتا کسی کی دعا سے خدا مجبور ہوتا ہے۔ وہ تو ہر کی سنتا ہے بلا تخصیص جو اس سے مانگے باپ بچے کی سنتا ہے۔ بُرا ہو یا بھلا۔ یہ تو اس کی شان خلاقی ہے کہ وہ مخلوق کی مانگ سُنے شیطان نے قیامت تک کی مہلت مانگی۔ خدا نے اس کی بھی مانگی مراد اُسے دی۔ فرعون کی مرادیں بھی اسی نے پوری کیں۔ کافروں کی مرادیں بھی وہی پوری کرتا ہے۔ کفار بھی تو یہی کہتے تھے کہ بتوں سے جو ہم مرادیں مانگتے ہیں حقیقت میں وہ خدا ہی سے مانگتے ہیں۔ یہ دیوتا تو وسیلے ہیں ھٰؤلاءِ شفعاءنا عند اللہ یہ دیوتا خدا کے پاس ہمارے سفارشی ہیں (یونس ع۲) جو کفار کہتے تھے وہ آج مسلمان کہنے لگ گئے۔ کافروں کی مرادیں جو وہ بتوں سے مانگتے ہیں۔ اور مسلمانوں کی مرادیں جو وہ بزرگوں سے مانگتے ہیں۔ خدا ہی پوری کرتا ہے۔ مانگیں جب بھی نہ مانگیں جب بھی۔ بلا کسی سفارش کے وہ خدا جو ہر شئے کو محیط ہے جو ہم سے ہماری رگ گردن سے بھی قریب ہے جو ہمارے حال سے ہماری ضرورتوں سے ہم سے زیادہ آگاہ ہے جو ہم پر ہمارے ماں باپ بلکہ ہم سے بھی زیادہ شفیق و رحیم ہے وہ مانگے بے مانگے مرادیں پوری کرتا ہے اور پوری کرتا رہے گا کچھ دور ہو تو کوئی جا کر سفارش کرے واقف حال نہ ہو تو کوئی جا کر واقف کرے۔ مہربان نہ ہو تو کوئی جا کر مہربان کرے۔ رحم میں کمی ہو تو اس سے بڑھ کر رحم والا جا کر اُسے رحم دلائے۔ ایسے خیالات خدا کی شان خدائی سے بعید ہیں۔ دعا تو عبادت ہے ہماری اصلاح کے لیے وہ تو دل کی باتیں ہیں۔ جو محبت کی زبان بولتی ہے یا وہ اک شان طلب ہے کہ زبان دل کی موافقت کرتی ہے۔ وہ خدا کی خدائی سے دل کی طلب ہے دعا تو طالب اور مطلوب کے راز و نیاز کی باتیں ہیں۔ جو محبت کی زبان بولتی اور مزے لیتی ہے پھر باتوں باتوں میں کچھ مانگ بیٹھو تو وہ خوش ہوتا ہے۔ اس کی سرکار میں کمی کیا ہے۔ اُسی کو پکارو وہ تمہاری پکار سنتا ہے۔ اسی سے مانگو وہی تمہیں دے سکتا ہے۔ قدرت اُسی کو ہے اور سب کچھ کرتا ہے وہی۔

جو سالک ہیں ان میں اکثر تو ورثتاً ہیں گدی سے فیض یاب۔ ان کے اوقات تو رسوم کے پابند۔ عرس قوالی۔ اور حال قال یا گھنٹہ دو گھنٹہ برگزیدہ شان سے لوگوں میں بیٹھ کر بزرگان دین کی کرامتیں بیان کرلی۔ باقی اوقات میں خلوت نشینی جیسے عیسائی راہبوں میں فرقہ انکوریٹ تھا (یہ اک رہبان کا فرقہ تھا جس کا بیان رہبان کی زیر سرخی گذر چکا) رفتہ رفتہ انھوں نے بھی

قرآن سے منہ موڑا۔ ان میں جو عالم ہوئے وہ بھی بجائے قرآن کے حدیث و مکتوبات ہی کا درس دینے اور حدیث و مکتوبات ہی کی تبلیغ کرنے لگے گرچہ خدا کا حکم تھا اتل ما اوحی الیک من کتاب ربک اور بلغ ما انزل الیک من ربک یعنی قرآن مجید ہی کی تلاوت کیا کرو اور قرآن ہی کی تبلیغ کیا کرو۔ (عنکبوت ۵ مائدہ ع ۱۰) تو درس دینا تھا قرآن کا۔ مگر صوفیوں نے بھی قرآن کو اس لائق نہ سمجھا۔ خدا کا حکم تھا بلکہ اس کے شرط ایمان بتایا تھا۔ الذین اتینٰھم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ اولٰئک یؤمنون بہ ومن یکفر بہ فاولٰئک ھم الخٰسرون جن کو خدا نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جو تلاوت کا حق ہے یہی لوگ ہیں جن کا اس پر ایمان ہے۔ اور جو انکار کرے گا وہ گھاٹا اٹھائے گا (بقرہ ع ۱۴) مگر قوم نے اس حکم خداوندی سے عملاً انکار کیا اور درس حدیث نے لوگوں کو درس قرآن سے بے نیاز کر دیا۔ تو وہ قرآن ہی سے نہیں بلکہ سارے حقوق کی ادائگی سے جن کو خدا نے فرض کیا تھا بے نیاز ہو گئے۔ اور اس کا نام رکھا توکل اور اپنے کو لقب دیا متوکلین کا کہ کچھ کرنا دھرنا نہیں رہا۔

اس میں شک نہیں کہ خدا کا حکم ہے توکل کا بشدت ہے جس حکم سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے مگر توکل کے معنی رہبانی توکل کے غلط سمجھے گئے ہیں۔ توکل کے معنی ہے بھروسا کرنے کے فتوکل علی اللہ خدا پر بھروسہ کرو (نمل ع ۶) یہ دلی کیفیات کے متعلق ہے۔ سارے کام دین کے ہوں یا دنیا کے ان کا انجام بخیر ہونا انسانی قبضۂ قدرت سے باہر ہے اس لیے خدا پر بھروسا کرو گے تو ناکامی بھی تمہاری ہمت ہرا نہ سکے گی۔ اور ہمت رہی تو کامیابی بھی اس کے ساتھ ہے قیمۃ المرء ھمتہ آدمی کی قیمت تو اس کی ہمت ہے اس لیے توکل تو کچھ کرنے کے ساتھ ہے کچھ نہ کرنے کے ساتھ توکل ناجائز۔ امید ہے کل امرء بما کسب رھین ہر کوئی اپنے کیے کے ساتھ مرہون ہے (طور ع ۱) خدا تو کسب چاہتا ہے اور قوم ہاتھ پاؤں توڑنا اس کی مرضی ہے کہ ساری دنیا کام میں لگی رہے اس کی مرضی یہ نہیں ہو سکتی کہ ساری دنیا کام چھوڑ کر بیٹھ رہے اور دنیا تباہ ہو جائے توکل کوئی تباہ کن حکم نہیں ہے ع کسب کن پس تکیہ بر جبار کن۔ یہ ہے توکل۔ فاذا عزمت فتوکل علی اللہ عزم کر لو تو اللہ پر توکل اور بھروسا کرو۔ توکل تو عزم کے ساتھ ہے۔

ایک چیز ہے حقیقت جیسے نحن قسمنا بینہم معیشتہم فی الحیٰوۃ الدنیا دنیا میں ہم نے
اُن کی معیشت اُن کے درمیان تقسیم کر دی ہے (زخرف ع۳) اب ہمارا حصہ عالم اسباب
میں ملے گا کیونکہ تو اس کا قانون ہے لہا ما اکتسبت جو کماؤ گے وہ پاؤ گے (بقرہ ع[illegible])
خدا نے فرمایا ان اللہ ھو الرزاق خدا ہی رزق دینے والا ہے (طور ع[illegible]) یہ اصل حقیقت ہے
رزق کی چیزیں اسی نے پیدا کیں۔ وہ نہ پیدا کرتا تو کسی کو میسر نہ آتیں مگر عالم اسباب کا قانون ہے
وابتغوا من فضل اللہ تلاش معاش کرو (جمعہ) چونکہ توکل صرف رزق کے متعلق برتا جاتا ہے
اس لیے ہم نے رزق کی ہی مثال دی۔ ورنہ یہ سارے افعال کو شامل ہے عالم اسباب
میں سبب صحیح کی تلاش ہمارا فرض ہے اس دنیا کے لیے کمانا کھانا اور اس دنیا کے لیے
تیار کرنا۔ غرض دنیا اور دین دونوں کی خدمتیں بجا لاؤ کر دونوں کے حسب حال تحقیق و تدبیر بھی
اور اس کی کامیابی کا خدا پر بھروسا کرو۔ غیر پر نہیں۔ کامیابی اسی کی طرف سے سمجھو اور شکر کرو
اور ناکامی بھی اسی کی طرف سے سمجھو اور اس کی رضا پر صبر کرو یا ایسا کرنے سے دونوں حال میں
تمہاری کامیابی ہے۔ ومن یتوکل علی اللہ فہو حسبہ۔
خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے ہاتھ پاؤں کہاں تک سارے ساتھی قوتوں سے کام لیا اور ہی
قوتوں کا کمال عروج عملاً دکھا دیا۔ اصحاب صفہ سے توکل کی سند لی جاتی ہے تو بمقابلہ افعال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
اور بمقابلہ آیات قرآنی قابل سند نہیں ہیں۔ گے تو یا کبھی تو روایات کی صحت میں بحث باقی ہے۔ یہی تسلیم
کر لی جائے تو کیوں نہ یہ سمجھا جائے گا کہ اصحاب صفہ کا آنحضرت کی چوکھٹ پر پڑے رہنا بجیت عشق رسول کا ایک
کرشمہ تھا جو بعیت خدا کے فرض کی ہے محبت کے کرشمے کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ فقر و فاقہ کیا جانبازی لیکن
اک انوکھی بات ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ متوکل تھے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ عاشق
رسول تھے متوکل تو وہ اس وقت ہو گئے تھے جس وقت وہ مسلمان ہوئے تھے
کیونکہ اس وقت کا مسلمان ہونا صرف کلمہ پڑھ لینا نہ تھا بلکہ اس وقت جب گھر بار
زن و فرزند۔ اقران و احباب عیش و آرام۔ عزت و ناموس۔ مذہب و ملت سب کو خدا پر قربان
کر لیتے۔ جان و دل خدا کے حوالہ اور ہاتھ پاؤں اسلامی خدمات کے حوالہ کر لیتے تب مسلمان
ہوتے تھے اپنے سارے کاموں میں وہ خدا پر بھروسا اور توکل کرتے اور کوئی چیز بھروسا کرنے کی
اُن کے پاس تھی بھی نہیں۔ اس لیے وہ مسلمان ہونے کے دن سے متوکل تھے۔ اطاعت اور
اسلامی خدمت کے سوا نہ اُن کا کوئی کام تھا نہ کسی کام کے مواقع ہی حاصل تھے نہ سب کی ساری

دنیا دشمن تھی۔ اس لیے ان کی دنیا بھی تنگ تھی۔ آپ کی چوکھٹ پر پڑے رہنے کے سوا کوئی چارۂ کار
بھی نہ تھا۔ آپ بھی ان کو بھولے نہیں۔ انصار سے برادرانہ رشتہ جوڑ کر ان کی خبر لی۔ مسلمان آتے تھے
جگہ نہ ملی، اصحاب صفہ میں داخل ہوگئے اور جیسے جیسے مواقعات ملتے گئے وہ نکلتے گئے یہ داخل خارج
برابر جاری رہتی تھی۔ ایسا نہ تھا کہ اصحاب صفہ سے وہ نکلے تو توکل توڑ کے نکلے۔
غرض ایسے سالکین جو متوکلین ہوئے اور خلوت نشین وہ نہ کمانے سے متوکل ہوئے۔ اور خدا کی
صفت رزاقی سے مستغنی خلوت نشین ہونا تھا کہ مرجع انام بنے۔ جھاڑ پھونک دعا تعویذ اور پیری مریدی
شروع ہوئی۔ مریدوں نے اپنے خانوادہ کا نام اونچا کیا۔ اس شہرت نے دھوکا دیا اور انھیں
اپنے کو تقدس مآب اور مزکّی جتانا پڑا۔ اور اس آیت کا مورد بننا پڑا۔ الم تر الی الذین یزکون
انفسہم۔ اے رسول کیا تم نے انھیں دیکھا نہیں جو اپنے کو مزکّی جتاتے ہیں (نساء ...)
اس مقام پر پہونچ کر ان کا لقب ہوا مشائخین اور ان کے ذمہ خدمت سپرد ہوئی۔ طالبین کو خدا تک
پہونچانے اور راہ رشد دکھانے کی۔

مشائخین

اے مریدان رسمی۔ اور اے رہروان زود رنج یہ بھی ایک کلیہ ہے کہ ہر کلیہ میں استثنا ضرور رہا ہے
اگر آپ کو رنج پہونچے تو سمجھ لیجئے گا میرے پیر و مرشد استثنا میں داخل ہیں۔ کیونکہ رنج پہونچانا
میری نیت نہیں ہے اس میں میرا کچھ بھلا نہیں۔ مگر اس لکھنے میں میں مجبور اس لیے ہوں کہ سچ لکھنے کا
خدا سے عہد و پیمان ہے۔ لکھوں گا اور عند اللہ۔ سچ سچ لکھوں گا تاکہ مخلصین و صدیقین اپنا
معاملہ خدا کے حضور میں جانچیں اور خدا کی رضا کے مطابق اصلاح کریں۔
فی زماننا جو مشائخ ہوتے ہیں وہ ریاضات و مجاہدات تصفیہ و تزکیہ کر کے نہیں بلکہ رسمی صورت سے
گدی پاکر اس پیشہ میں آئے۔ خانقاہوں میں رسومات کے سوا کچھ رہا بھی نہیں۔ جھاڑ پھونک دعا تعویذ۔ قوالی
حال قال عرس و زیارات بس ہوا۔ ان میں جو اہل علم ہوئے تو درس حدیث۔ یا درس مکتوبات میں
لگے۔ اصلاح مریدوں کے متعلق مذکورہ کرامات اولیاء اللہ کافی ہوا۔ تعلیم کے متعلق اصطلاح اور
رسومات و اشارات تصوف بتا دینا تکمیل ہوئی اور فیض رسانی و مجاہدات مرید کا تو یہ رنگ
جیسے برسوں پیچھا مشہور زد اول کیونکہ سارا کچھ رسمی ٹھہرا۔
منتہی نہیں گا جو رنگ خانقاہوں میں دیکھا جاتا ہے۔ وہ کسی دنیا دار کے یہاں بھی نہیں بلکہ

صدق واخلاص کا وجود نہیں رہا۔ اور پیغمبر اخلاق کے تو سارے دروازے ہی بند ہیں صحیح لیا کی کائنات تو اخلاص اور وہی ندارد۔

پھر مجلس حال وقال اور رقص مستانہ کی جو حقیقت سمجھی گئی ہے وہ قابل افسوس ہے اس کی حقیقت کچھ نہیں تشکیک وہی ہے اگرچہ رقص مستانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے برزخ مقدس کے ساتھ خیال کیا جائے تو رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اشعار یا گیت کے مفہوم کو اعضا سے برتنا اور اس کے خیال اور وہی مزے کو حرکت دینا ایک عاشقانہ جوش تو پیدا کر دیتا ہے مگر یہ رسالت کی سیڑھی نہیں جو خدا تک پہنچائے ہر مزہ اور ہر جوش حال نہیں ہے حال اک کیفیت وجذبہ خدائی ہے۔ جو ڈھول سے نہیں آتی ہے اور نہ آتی ہے۔ کہاں خدا اور رسول۔ کہاں ماسوا کا طول فضول۔ کہاں خدائی شراب کی پاک مستی، کہاں رقص مستانہ کی چابک دستی۔ جو مستی شان رسالت سے بعید ہے وہ سفلی ہے۔ کہاں قوالوں کی رنگ رلیاں۔ کہاں کلام پاک کی تجلیاں۔ کہاں خیالی باتیں۔ کہاں خدائی باتیں مستی آ سکے اُن سے اور نہ مستی آئے۔ اُس سے تعالیٰ شانہٗ۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جب فنا کی منزل میں پہونچ لیتے تھے اور دنیا وما فیہا قربان کر لیتے تھے تو اسلام لاتے تھے ان کی تو پہلی منزل فنا تھی پھر ایسے عاشقان خدا ورسول نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے یا نہ ہوتے بھی خدا رسی کے لیے کب حال وقال کی سیڑھی لگائی۔ اور کب رقص مستانہ کیا موسیقی سے مزے کو شاعری کے مزے کو جو محض وقتی اور ضبط کے اندر ہے کب حرکت میں لائے اور تقسیم حرارت قلبی کو جو سفلی اور علوی دونوں میں ہوتی ہے کب فیض رسانی سمجھا اور اسے خدائی محبت کی آگ سمجھ کر دل ٹھنڈا کیا۔ اسلام میں تو آتش محبت کے ساتھ ساتھ فیض نبلونی اور ٹھنڈک بھی ضروری ہے بغیر گرم اور سرد اُٹھائے ہوئے راہ نہیں ملتی۔ قرآنی فیوض وبرکات جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم کیا جو رہنمائے حقیقت ہے وہ میں الدفتین ہے جو طاق پر تبرکاً رکھا گیا۔ اور بجائے اُس کے ایسے فیوض تقسیم ہوتے ہیں کہ مرید مجلس رقص میں گرا بھی سنتا یا بھی لوٹا بھی۔ تلملایا بھی۔ مگر اُٹھ کر علیحدہ ہوا تو انھیں اطوار کا مبتلا۔ روش کیا کہ گردش بھی نہ آئی جھاڑ پھونک اور دعا وتعویذ کی حقیقت کہ یہ ہے کیا اور اس کی حقیقت کیا ہے۔ یہ کہاں تک موثر ہے اور کیوں موثر ہے۔ اس میں کس طرح فیض سے کام لیا جاتا اور کس طرح روحانی تو

کام میں لائی جاتی ہے بہتیرے تو جانتے بھی نہ ہوں گے مگر کرنے کو کون نہیں کرتا۔ نئی روشنی والے بھی ان چیزوں سے بچ نہیں سکے اور عملیات اور ٹونے ٹوٹکے کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ پھر اس کے تماشے آور دیدنی ہیں۔

زیارت اور عرس تو کھلا کھلا شغل بغیر ہے اور سراسر دین حنیف کے خلاف۔ خوشبو جلا کر ڈھول بجا کر گویا یہ روح کو بلانا ہے تو کہیں سند سے صحیح ہے اس بلانے سے وہ کیوں آنے لگی آئے بھی تو خدا کو چھوڑ کر خدا کی حضوری چھوڑ کے روح سے کیا ہمیں نسبت جو ٹوٹی دوری پیدا کرے گی یا قرب۔ ماسوا جیسا جسم ویسی روح لیکن یہ تو ان کے حالات ہیں جو خود ہادی ہیں۔ پھر ان کی ہدایت کون کرے۔ اگر کوئی معترض ہو کہ اسلام تو عرس کی حمایت نہیں کرتا تو جواب یہ کا رنگ یہ واذا فعلوا فاحشۃ قالوا وجدنا علیھا اٰباءنا واللّٰہ امرنا بھا اور جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہی تو ہمارے بزرگان کرتے آئے اور اللہ نے بھی ایسا کرنے کا حکم دیا ہے (اعراف ۲) مگر وہ قرآن مجید کی کوئی آیت نہیں پیش کر سکتے کہ خدا نے ان باتوں کا کہاں حکم دے رکھا ہے۔

اے لوگو خدا کے لیے یکسو ہو جاؤ اور خدا کے ہو رہو خدا کے الیس اللّٰہ بکافٍ عبدہ کیا خدا کے بندے کو خدا کافی نہیں (زمر ۲) خدا کی مخلوق کی زیارت کرو مگر فکر کی آنکھ سے مقصود کو نہ چھوڑو کہ مقصود کو پالو یہ ماسوا کی شغولی یا ماسوا کی پرستش تمہیں راہ نہ دے گی۔ ماسوا سے بھاگو اور ففروا الی اللّٰہ خدا کی طرف بھاگو (الذاریات ۳)

پھر عرس کی فضول خرچیاں سراسر اسراف میں داخل ہیں اور انہ لا یحب المسرفین۔ خدا مسرف کو پسند نہیں کرتا (انعام ۱) تو کیوں اسراف کرو۔ میں تمہارے بھلے کو کہتا ہوں۔ تم اسے پکارو جو تمہاری سُنے انھیں نہ پکارو جو تمہاری نہ سُنیں کل نفسٍ ذائقۃ الموت ہر نفس موت کا مزہ چکھے گی (عنکبوت ۶) مرنا تو ہر کو ہے۔ اولیا ہوں یا کفار جسم کی علیحدگی ہی موت ہے۔ تو اس سے کون بچا اور کون بچے گا۔ یہ تو بدیہیات میں سے ہاں مسلمان جو شہید ہوئے تو کفار کہنے لگے کہ یہ مر گئے فرصت ہوئی قصہ ختم ہوا۔ ان کو جان دینے سے کیا ملا۔ تو خدا نے فرمایا۔ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات بل احیاءٌ عند ربھم یرزقون فرحین۔ جو خدا کی راہ میں شہید ہوئے یہ نہ سمجھو کہ وہ مر ہی گئے بلکہ وہ خدا کے قرب میں زندہ ہیں۔ رزق پاتے ہیں خوش ہیں۔ یعنی وہ

وہ روحانی موت نہیں مرے اسی لیے احیاء کے ساتھ عند ربھم فرمایا جسم روح کی علیحدگی
ہی موت ہے اور یہ بھی ہے کہ اس سے کوئی نہ بچا اور روح کسی کی بھی مری نہیں۔ یا سافلین میں
ہے یا علیین میں ہے یا عند ربھم قرب خداوندی میں ہے جیسا کہ شہدا کی شان میں خدا نے
فرمایا کہ وہ زندہ ہیں اور قرب خداوندی میں سب اپنے اپنے مقام میں ہیں پھر پکارتے کسے ہو
انک لا تسمع الموتٰی مرے ہوئے کو تم اپنی پکار نہیں سنا سکتے ان تدعوھم لا یسمعوا دعاءکم
ولو سمعوا ما استجابوا لکم ویوم القیمۃ یکفرون بشرککم اگر انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار نہیں
سنتے سنیں بھی تو تمہاری دعا قبول نہیں کر سکتے اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک سے
انکار کریں گے ہرگز کسی کی روح حاجتیوں کی پکار نہیں سنتی۔ روح نہ مقام قرب سے مصنوعی رنگا
میں ہے نہ اپنے مدفن میں۔ سو اگر زمین کے نیچے کسی کی روح نہیں جسم چاہے مدفون ہوا ہو چاہے
خاک ہو کر اڑ گیا ہو یا دریا میں مچھلیوں کی خوراک ہوا ہو۔ وہ تو گیا اپنے عنصر میں اور روح عالم برزخ
میں ہے برزخی جسم میں ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون ان کے ورے عالم برزخ ہے قیامت تک
(مومنون ع ۶) میں نے موجودہ حضرات صوفیہ کا ایک مختصر سا خاکہ کھینچا ہے اور بہت کچھ نظر انداز کر کے
قیاس کن ز گلستان من بہار مرا۔ ہمارے اسلام کا حال ہمارے ان روحانی پیشواؤں سے قیاس کر لو۔

عقائد خلافِ قرآن

نامناسب نہ ہوگا اگر میں بطور نمونہ کے محض اختصار کے ساتھ چند ان عقائد کو بھی بیان کروں
جو قرآن مجید کے خلاف پیدا ہو گئے ہیں۔ یہ عقیدے تو عام و خاص سب کے ہو گئے ہیں مگر
پیدا ہوئے ہیں۔ یہ یا یوں ہی سے اپنے کو منوانے اور پجوانے کی بدولت اور تشخص مآبی اور
مغرورانہ فقر کی بدولت۔ یا غلو پیر پرستی کے سبب مریدوں نے یہ رنگ جمایا ہو۔ اس لیے
ایسی چند آیتیں لکھنی میں مناسب اور ضروری سمجھتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ جن بزرگان دین
کے دل میں واقعی دین کا درد ہوگا۔ وہ غور کریں گے اور خدا کے حضور اپنا محاسبہ کریں گے۔ اور
حق کے آگے سر جھکا کر مراد کو پائیں گے۔ اسی کے ساتھ اس کا بھی یقین ہے کہ مریدان پیر پرست
صریح خلاف قرآن پا کر بھی تاویل و کج بحثی کا اڑنگا لگائیں گے۔ اور بمقابلہ قرآن مجید بھی اگلوں کی
تقدس مآبی کی سپر لے کر کھڑے ہوں گے جس کی بنا بے درایت نقلوں پر ہوگی۔ بل الانسان
علی نفسہ بصیرۃ ولو القی معاذیرہ انسان اپنے نفس کا دانا و بینا ہے۔ اگرچہ عذرات اور

بچا سکتا ہے کہ مجھ سے کرے (النساء ۱) اگر ایسا کرے تو ہم سے کرے گا۔ خدا سے دانائے حال سے تو نہیں۔ وکفیٰ باللہ حسیبا۔

خدا نے فرمایا۔ لکن اللہ یفعل ما یرید (بقرہ ۲۲) وان اللہ یحکم ما یرید (مائدہ ۱) خدا جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اور بے شک خدا جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ اور

(امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء (النمل ۵) خدا کے سوا ہے کون جو بے قراروں کی فریاد کو پہونچے اور انہیں مصیبتوں سے نجات دے۔ اور

ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لہا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ (فاطر ۱) اللہ لوگوں کے لیے جو کچھ رحمت پھیلا دے تو اُسے کوئی نہیں روک سکتا اور جو روک دے تو پھر اُس کے سوا کوئی بھیج نہیں سکتا اور ان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ہو وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ یصیب بہ من یشاء من عبادہ (یونس ۱۱) اگر خدا تم کو کوئی مصیبت دے تو اُس کے سوا کوئی اُسے دور نہیں کر سکتا اور اگر وہ تمہارے حق میں کوئی بھلائی چاہے تو اس کے فضل کا کوئی پھیر دینے والا بھی نہیں۔ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے وہ اپنا فضل پہونچاتا رہتا ہے۔

یعنی خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ وہی بے قراروں کی فریاد کو پہونچتا اور مصیبتوں سے نجات دیتا ہے۔ وہ کسی کو کچھ دے تو کوئی روک نہیں سکتا نہ دے تو کوئی دے بھی نہیں سکتا اُس کے سوا کوئی مصیبت دور نہیں کر سکتا۔ نہ اُس کا فضل و کرم کوئی پھیر دے سکتا ہے۔ یہ تو پڑھنے پڑھانے کے لیے ہے اور عقیدہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ اور پیر فقیر خصوصاً مجذوب جو چاہیں سفید و سیاہ کر سکتے اور کرتے رہتے ہیں اتنو سب کچھ میاں کے چاہے ہوتا ہے۔ بنائیں وہ بگاڑیں وہ۔ قوت اور سہارا ہیں وہ گرتی گاڑی کو وہ سہاریں۔ ڈوبتی کشتی کو وہ سنبھالیں بری قسمت وہ مٹائیں بھلی قسمت وہ لکھیں (اور قسمت نویس فرشتے ان کے اور خدا کے درمیان بیا پاپامی کے وڈوتو ڈوتیں رہیں) اولاد کی تقسیم ان کے ہاتھ میں ایک اولاد خدا نے دی اور دس انھوں نے قسمت میں اولاد نہ تھی اور فقیروں کے دیے ہو گئی (وہ ہے بھی عرش سے بہت دور۔ اور بادشاہ کو رعایا کے حال کی پوری اطلاع بھی کیونکر ہو سکتی ہے۔ یہ تو کارکنوں کا کام ہے کہ اطلاع رکھیں اور اپنے اختیار سے خدمت انجام دیں) تو یہ فقرا جسے چاہیں تباہ کر سکتے اور غارت کر سکتے ہیں۔ ذری ذری باتوں پر سیکڑوں بستیاں ان کی غارت کردہ اور

سیکڑوں گھرانے ان کے پیر نظر کے نشانہ موجود ہیں۔ وہ ایک چٹکی خاک میں وہ اپنی اک نظر سے
کیا کچھ نہیں کر سکتے ہیں (حالانکہ جو اصلاح نفس کر چکا ہو جس کا غضب و غصہ اور صفات مذمومہ
کروش پا چکے اور روش میں آ چکے اور فنا ہو چکے ہوں اور جس کی خواہشیں رضاء مولیٰ کے رنگ
میں رنگ گئی ہوں۔ اس کی مرضی تو وہی جو خدا کی مرضی) کہا جاتا ہے کہ ہوتا ہے ان کی دعا سے
اور سمجھا جاتا ہے کہ ہوتا ہے ان کی رضا سے کیونکہ خدا رسی کے بعد وہ خدائی کے حصہ دار
اور مظہر ذات خدا ہو کر خدا ہو جاتے ہیں۔ پھر جو نہ کریں۔ غرض نظم عالم میں کوتوالی سے لے کر
وزارت تک کی کنجی بلکہ شاہی اختیارات تک ان کے ہاتھ میں دے دیے گئے۔ اور سمجھ لیا گیا
ید اللہ مغلولہ خدا کا ہاتھ تنگ ہے (مائدہ ع ۹) صوفیوں کے نزدیک پیر فقیر چاہیں تو
ضد کریں اور اڑ جائیں تو وہ وہی کر رہے اور خدا کو بھی کرتے ہی بنے۔ چاہیں تو حیات دیں۔
موت دیں، فقیری دیں، سلطنت دیں۔ دربار دیں، پہاڑ ہٹا دیں۔ حالانکہ جو خدا کرے وہی
اور کسی کے کیے خاک بھی نہ ہو۔ یہ سارا کچھ بزرگان دین پہنچتے ہیں۔ وہ ان باتوں سے بری
ہیں۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام عیسائیوں کے عقیدت الوہیت سے۔ اے خدا قوم نوح کو
حضرت نوح، ثمود کو حضرت صالح، قوم لوط کو حضرت لوط، فرعون اور فرعونیوں کو حضرت موسیٰ
علیہ السلام اور سارے ان کو جنہوں نے پیغمبروں کو شہید کیا۔ باوجود معجزات و پیغمبری اپنی رضا
اور اپنی قوت سے غارت نہ کر سکے جو کچھ کیا تو نے کیا لیکن آج تیری ہر خانقاہ اور
ہر جھونپڑے میں ایسے باقدرت بندہ نما خدا موجود ہیں۔

سمیع و بصیر، حکیم و خبیر، معطی اور شافی یہ اسمائے حسنیٰ میں سے نام ہیں تیرے۔ مگر یہ صفات تیرے
ساتھ تام کو منسوب ہیں اور عقیدہ یہ ہے کہ انکشاف تام کے سبب فقرا کہیں ہوں مگر وہ دل کی
باتیں سنتے دل کے خدشات دیکھتے۔ غائبانہ حکم بھیجتے رہتے اور ہر ایک حالات سے تیری طرح
باخبر ہیں۔ سارے عطیات ان کے دیئے سے اور بیماریوں میں شفا ان کے بخشنے سے
ہوتی ہے۔ جیسے ہندوؤں کے عقیدے دیوتاؤں کے ساتھ ہیں۔ اے خدا تیرے مسلمان
بھی ہندوؤں اور رہبانوں کے مقابلہ میں پیچھے نہ رہے بلکہ بازی جیت لی۔ ان کے قرآن کی
اک آیت میں سناؤں ؎

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید — کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزل ہا

اس میں شک نہیں کہ عالم اسباب میں سلسلہ اسباب جوڑنے کے لیے جہاز چپہ تک کرنے والے بھی

اور ڈاکٹر حکیم بید بھی۔ مگر حضرات صوفی خدا کی طرح بے سلسلہ اسباب شافی ہیں جسے چاہیں شفا دیں
اور مجذوب تو شفا سمجھے ہوئے تھا تھپڑ سے کر ادھر لٹھ اٹھایا۔ ادھر شفا ہوگئی۔ بجواب اعتراض کہا جاتا
ہے کہ ان کی دعا شافی ہے اور یہ شفعاء نا عند اللہ خدا کے یہاں بیچ میں سفارشی ہیں
مگر ان کو سفارش کی سند کہاں سے ملی کیونکر معلوم ہوا کہ خدا نے ان کو سفارش کا مجاز بھی کیا ہے۔
من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ خدا کے بے اجازت۔ خدا کے حضور میں کون سفارش کرسکتا ہے
وما تدری نفس ماذا تکسب غدا وما تدری نفس بای ارض تموت کوئی آدمی
نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی آدمی نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا
(لقمٰن ع۴) یہ تو خدا فرماتا ہے تو یہ بھی جو کوئی یہ کہتا ہے کہ کل ہم یہ کریں گے یہ کرینگے تو
یہ اس کا ارادہ ہے علم قطعی کی اس کے پاس دلیل نہیں کیونکہ اگر وہ بیمار ہو جائے۔ مر ہی جائے
اگر ارادہ میں موانعات حائل ہو جائیں اگر اس کا ارادہ ہی بدل جائے دل ہی پھر جائے جو دل
اس کے قابو کا نہیں۔ تو وہ ارادہ کیا ہوگا۔ اسی لیے انشاء اللہ کہنا ہوتا ہے تاکہ قول صحیح ہو جائے
مگر آجکل کا عقیدہ یہ ہے کہ کل کوئی کیا کرے گا یا کہاں مرے گا۔ یا خود ہم کہاں مریں گے
پیر فقیر یہ سب کچھ جانتے ہیں اور لوگوں کو بتا بھی دیتے ہیں بلکہ اپنے جائے مزار تک سے
آگاہ کر دیتے ہیں۔ سنی سنائی باتوں پر سنے سنائے قصوں پر عقیدت کی ریشہ دوانیوں اور
اوہام پرستیوں پر اس عقیدہ کی بنا ہے جو صریح قرآن مجید کے خلاف ہے۔
ان تدع مثقلة الی حملها لا یحمل منه شیئا ولو کان ذا قربی اگر کوئی بھاری بوجھل اپنا
بوجھ اٹھانے کو پکارے تو کچھ اٹھایا نہ جائے گا۔ ہرچند رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو (فاطر ع۳)
مگر برخلاف اس کے عقیدہ یہ ہے کہ پیر قیامت کے دن اپنے مریدوں کا بوجھ اٹھائیں گے
اور یہ خدا شاہ ہونے کا نہیں لا تزر وازرة وزر اخری کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ اپنا بیٹا خواہ
خلیفہ ہی کیوں نہ ہو (بنی اسرائیل ع۲)
مسلمان ہر نماز میں پڑھتے ہیں ایاک نعبد وایاک نستعین ہم تیرے ہی عبادت
کرتے ہیں اور تجھی سے اعانت کے خواستگار ہیں (فاتحہ) زبانی جمع خرچ یقولون بافواههم
ما لیس فی قلوبهم بولتے وہ ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں (ال عمران ع۱۷) اعانت
کھلم کھلا بزرگان دین سے چاہی جاتی ہے اور یہ تو قوت نسبت کی دلیل ہے۔ یہ اعانت
عالم اسباب کے شان سے نہیں چاہی جاتی۔ عالم اسباب میں جس محدود اعانت کو آدمی دیکھتا

اور پاتا ہے۔ اس کا خواستگار عالم اسباب کے قوانین سے ہوتا ہے اور یہاں تو انسانی حقیقی اقتدار سے باہر کی اعانت چاہی جاتی ہے۔ حالانکہ لایستطیعون لھم نصرا وہ ان کی مدد کی طاقت نہیں رکھتے (اعراف ع۲۴) اور جو مدد کر سکتا ہے اس سے تعلق نہیں وما النصر الا من عند اللہ مدد خدا ہی کے پاس سے ہوتی ہے (آل عمران ع۱۳) خدا ہی کا نام نصیر ہے تو مدد اور کون کر سکتا ہے کیا میاں نصیر۔

بلا ذریعہ علم کو غیب کہتے ہیں۔ انسان آگے دیکھتا ہے پیٹھ پیچھے نہیں دیکھ سکتا۔ جب تک ذریعہ دریافت کو کام میں لائے ظاہری آلہ دریافت تو سب انسان کو ہے اور باطنی آلہ دریافت بذریعہ انوار و فیوضات و انکشافات فقرا کو ہے مگر یقینی اور قطعی نہیں ظنی اور مشتبہ ہوتا ہے۔ جیسے قیاسات صحیح بھی ہو جاتے ہیں۔ مگر یقینی نہیں۔ اور خدا کا بذریعہ فرشتہ مطلع کرنا جو ذریعہ دریافت بالخصوص پیغمبروں ہی کو ہے۔ جو قطعی اور یقینی ہے۔ بلا ذریعہ دریافت کو علم غیب کہتے ہیں اور علم غیب خدا کے سوا کسی کو بھی نہیں۔ فقرا تو فقرا پیغمبروں کو بھی نہیں خدا فرماتا ہے۔

وللہ غیب السمٰوات والارض (نحل ع۱۰) آسمان و زمین کے غیب کا علم خدا ہی کو ہے

انی اعلم غیب السمٰوات والارض (بقرہ ع۴) آسمان و زمین کے غیب کو ہم ہی جانتے ہیں

عندہ مفاتیح الغیب لا یعلمہا الا ھو (انعام ع۷) غیب کی کنجیاں خدا ہی کے پاس ہیں اس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا قل انما الغیب للہ (یونس ع۲) اے رسول کہدو کہ علم غیب خدا ہی کے لیے ہے۔

قل لا یعلم من فی السمٰوات والارض الغیب الا اللہ (نمل ع۵) کہدو کہ آسمان و زمین میں خدا کے سوا کوئی غیب داں نہیں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک ولا اقول للذین تزدری اعینکم لن یؤتیھم اللہ خیرا اللہ اعلم بما فی انفسھم انی اذا لمن الظلمین (ھود ع۳) میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ نہ میں غیب داں ہوں نہ میں اس کا مدعی کہ میں فرشتہ ہوں۔ نہ میں یہ کہتا کہ جو تمہاری آنکھوں میں حقیر ہیں۔ خدا ان کا بھلا نہ کریگا۔ جو ان کے دلوں میں ہے اس کو خدا ہی خوب جانتا ہے۔ اگر میں ان باتوں کا دعویٰ کروں تو میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا حضرت نوح علیہ السلام نہ ضمیر پوچھتے تھے نہ انکشاف سے دوسروں کے دل کی بات جانتے تھے۔

خاتم رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء میں اگر غیب داں ہوتا تو اپنا بہت کچھ فائدہ کر لیتا۔ اور مجھ کو کبھی سختی نہ پہنچتی (اعراف ۲۴)
یہ تو ثابت ہوا کہ غیب کا علم خدا ہی کو ہے پیغمبروں کو بھی نہیں۔ رہا یہ ثابت کرنا کہ خدا اگر اُن کو غیب سے مطلع بھی نہیں کرتا تو وہ فرماتا ہے وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء۔ خدا کی یہ شان نہیں کہ وہ تم کو غیب سے مطلع کرے لیکن وہ رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور اُن کو غیب سے مطلع کر دیتا ہے (آل عمران ۱۸)
اس کے سوا دوسری آیت لیعلم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احداً الا من ارتضی من رسول خدا عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔ مگر ان رسولوں پر جن کو وہ پسند کرے (جن ۲۸)
خدا نے فرما دیا کہ خدا کے سوا علم غیب کسی کو بھی نہیں بہ استثناء چند رسولوں کے۔ تو جن رسولوں کو خدا نے غیب سے مطلع کیا تو اُن کے لیے وہ غیب نہ رہا اس لیے خدا ہی کو علم غیب سے بالکل برحق ہے جب ایسے رسولوں نے اور اولوالعزم رسولوں نے فرمایا کہ میں غیب داں نہیں تو اب کون اس کا مدعی کھڑا ہو سکتا ہے۔ اس لیے جو کوئی غیب دانی کا دعویٰ کرے وہ صریح جھوٹا ہے۔
یہ صریح فرمان سن کر بھی خدا کی شان دیکھو کہ سارے صوفیہ کرام غیب داں مانے جاتے ہیں واقعات آئندہ کی پیشنگوئیاں ہوا کرتی ہیں۔ کوئی حضرت مہدی علیہ السلام کے آنے کا ماہ و سال مقرر کرتا ہے۔ کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کا کوئی حوادثات عالم کی پیشگوئی کرتا ہے۔ کوئی انقلابات سلطنت کی دنیا میں یہ ہوگا۔ قوموں میں یہ ہوگا۔ اور قیامت تک کا حساب۔ کون ہے جس کا اعتقاد "پیدا شود" والے قصیدے پر نہیں۔ کوئی منکر ہو کہ یہ قصیدہ حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کا نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اولیاء ہو کر غیب دانی کے مدعی نہیں ہو سکتے تو فوراً منکر الکرامات الاولیاء کافر کی غیر منزل آیت کے رو سے اس پر کفر کا فتویٰ ٹھونک دیا جائے گا اور وہ سیدھے جہنم میں۔
ہر خانقاہ کے گدی نشین ہر بزرگ کا مجذوب ہر فقیر ہر جوگی۔ ہر سادھو صفت غیب دانی میں خدا کا شریک تسلیم کیا جاتا ہے۔ پھر بھی مسلمان مسلمان ہیں اور خدا کے پیارے مسلمان سچ ہے مسلماناں در گور و مسلمانی در قرآن۔

کہاں تک آئتیں وری جائیں بہتیری آیتوں کی حق تلفی ہوئی خدا نے فرمایا لا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک ولا یضرک ماسوائے اللہ کو نہ پکار وہ تمہارا نفع نقصان کچھ نہیں کرسکتے (یونس ع ۱۱) اغیر اللہ تدعون کیا ماسوائے اللہ کو پکارتے ہو (انعام ع ۴) ہاں فی زمانہ مسلمان بجائے یا اللہ کے یا علی، یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کا نعرہ لگاتے ہیں۔ ہندوؤں کی طرح سیتا رام کی جگہ کیونکہ یہ بزرگان دین من دون اللہ نہیں سمجھے جاتے تھے۔ غرض آجکل کے اولیاء اولیاء ہیں اولیاء اللہ کے یہ ہو گئے ہیں حقیقت سے طالبین خدا کے اور رسیدگان خدا کے۔ افسوس صد افسوس کہ اکثر شرک فی الصفات میں مبتلا ہو گئے ہیں ؎ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔ فلولا نصرھم الذین اتخذوا من دون اللہ قربانا الھۃ کیوں ان کی مدد نہ کی اُن لوگوں نے جن کو انھوں نے خدا کے سوا معبود بنا لیا تھا کہ یہ ذریعۂ تقرب ہیں۔ صرف یہی نہیں۔ بل ضلوا عنھم وذالک افکھم وما کانوا یفترون بلکہ وہ تو ان سے کھوئے گئے اور یہی تو تھا ان کا جھوٹ اور وہ جو افترا کیا کرتے تھے (احقاف ع ۳)

پیر نے کہا کہ یہ ہم نے خواب دیکھا ہے تو یہ الہام ہوا وحی کا جواب بلکہ اس کا بھی تابع الہام بھی مانو تو یہ کوئی دیکھنے والا نہیں کہ یہ الہام مطابق قرآن رحمانی ہے یا خلاف قرآن شیطانی۔ ایسے الہام نے اسلام میں تھوڑے رخنے نہیں ڈالے! ایسے الہام کو ماننا شرک فی النبوت ہے اور ایسے الہام کے احکام کو ماننا شرک فی القرآن ہے اور شرک فی الاحکام۔ تو جیسا شرک فی العبادت شرک ہے ویسا ہی شرک فی النبوت اور شرک فی الحکم شرک ہے۔

اے اللہ والو! پھر کہو اور ایمان سے کہو انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا۔ ہم نے متوجہ کیا اپنے مواجہ کو۔ خدا کی طرف یکسو ہو کر جس نے آسمان و زمین بنائی (انعام ع ۹) اور عملاً اس کا ثبوت دو کہ تم یکسو ہو گئے۔ آہ۔ آہ تمھیں اپنے کو خدا کے حوالہ کرنا تھا کہ اس کا مستحق وہ تھا اگر تم اپنے کو پیر کے حوالے کرتے ہو جیسے دو مردہ بدست غسال۔ تو غسال نہلا کر تمھیں تہہ زمین کر دے گا! اور خدا نہلائے گا تو تمھیں آسمانوں سے اونچا لے جائیگا۔ مرشد کے فرائض خدا نے بتائے ہیں وہ بیان ہوں گے ؎

ولا تا کے دریں کاخ مجازی   کنی مانند طفلاں خاک بازی
توئی آں دست پرور مرغ گستاخ   کہ بودت آشیاں بیروں زیں کاخ

چو از آن آشیان بیگانہ گشتی | چو دونان چغد این ویرانہ گشتی
بیفشان بال و پر ز آمیزش خاک | بپر تا کنگر ایوان افلاک
خلیل آسا در ملک یقین زن | نوائے لا احب الآفلین زن
یکے خواہ و یکے خوان یکے گو | یکے دان و یکے بین و یکے جو

توبوا الی اللہ جمیعًا ایها المومنون لعلکم تفلحون اے ایمان والو کل کے کل خدا کے حضور میں توبہ کرو تاکہ مراد کو پہنچو۔ (نور ع۴)

مابعد الموت

مرنے کے بعد کے حالات کو نہ سمجھنے کے سبب اور کہانیوں پر زود عقیدگی کے سبب قبر کے برتاوے افسوس ناک اور مزار پرستی کے درجہ کو پہنچ گئے ہیں اس لیے اس کی نسبت مجھے اتنا لکھنا ضرور ہے کہ نسبت مع اللہ میں شرکت کا دھبہ نہ ہو۔ مزار کی طرف جھکنا چراغاں کرنا پھول چڑھانا۔ چادریں چڑھانی اور مزار کی خاک سر کا پیشانی پر ملنی۔ قبر کو چومنا۔ خدا طلبی کی راہ میں ماسوا سے چمٹنا ہے۔ اور اتقا کے خلاف۔ اگر یہ لغو ہو جب بھی والذین ہم عن اللغو معرضون مومنین لغویات سے اعراض کرتے ہیں (مومنون ع۱) مسلمانوں کو ایسے لغویات سے پرہیز چاہیے۔ رقص کرتے ہوئے۔ یا گاگر لیے ہوئے مزار پر جانا یا علی مددا ایسے سیکڑوں لغویات سے صاحب مزار کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ یا ان باتوں میں طلب خدا و ہدی کی شان ہے جو صاحب مزار خوش ہوں۔ یاد رکھو یا خدا پیر و مرشد تمھارے جوتی اٹھانے چوکھٹ کی خاک چاٹنے سے خوش نہیں ہوتے ان کی خوشی اس میں ہے کہ تم کتنا بھر خدا کے ساتھ چمٹے اور خدا کی محبت سے تمھارا دل کتنا بھرا۔ اور اتقا یعنی قطع ماسوا میں تم کتنا بھر تیز رفتار بنے تمھارا ان لغویات میں پڑنا بزرگوں کی خوشی کا نہیں بلکہ سخت ناخوشی کا موجب ہے اب مزار کو سجدہ کرنا یا مرادیں مانگنی۔ بت پرستی نہیں تو بت پرستی کا مصرع اول ہے۔ اور ایسی باتیں کی جاتی ہیں۔ زیادہ حسرت۔ عاشقان خدا بھی خدا کے لیے اعتکاف نہیں کرتے مسجدوں میں چلے نہیں کرتے بلکہ مزاروں پر چلہ کش ہوتے ہیں اور ان کو بھی مزار سے ویسے ہی احکام آتے ہیں۔ جیسے ان عورتوں کو جو بھوت اور جن اوتار سے جانتی ہیں۔ اور ان پر میاں آتے ہیں اور وہ مزار پر کھیلتی ہیں۔ اور یہ مجاورین جو جاروب کشی کرتے کرتے تباہ حال ہیں۔

ان کو ایک خواب نہیں ہوتا کہ ان کا حال درست ہو۔ اور یہ خدا رسیدہ ہو جائیں۔
اگر ایسی باتیں یا مزار کی چلہ کشی خدا رسی کا ذریعہ ہوتیں۔ تو قرآن مجید میں جو خدا ہی تک
پہونچانے کے لیے نازل ہوا ہے ضرور یہ باتیں ہوتیں۔ اور خود ہمارے رسول صلی اللہ
علیہ وسلم جو سب سے زیادہ ہم پر شفیق تھے بتلاتا۔ اور یہ بتاتا ہی کہ غار حرا
اعتکاف کے بجائے ضرور نبیوں کے مزاروں کے چلہ کشی کر کے ہمارے پیغمبر
کے نبوت ملتی۔ اسلام نے شفاعت لی یقیناً ظاہر یا پوشیدہ اشخاص تا پاکستانی کسی طرح بھی ہوتی داہی
نہیں۔ کبھی جس کی کیفیت تصوف قرآنی میں بیان ہوگی۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ جب کوئی قبر میں دفن کیا وہ قبر میں پڑا آرام کر رہا ہے۔ مگر دفن تو کیا ہے جسم
بے روح کو نہ روح کو دفن کیا نہ روح وہاں ہے نہ قبر میں روح کی بیکار کی آمد و رفت کو
خدا نے فرمایا ہے ہزاروں قبریں کھودی ہوں گی مگر ہڈیوں کے سوا کچھ نہیں یا تو وہ خاک۔
موت نام ہے جسم و روح کے انقطاع کا۔ اور موت ایک دفعہ ہے۔ دوسری دفعہ نہیں
پھر یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ قبر میں جسم و روح کا تعلق ہوتا رہتا اور چھوٹتا رہتا ہے۔ آدمی جیتا
رہتا اور مرتا رہتا ہے کیا قبر میں پھر روح لوٹائی جاتی ہے ذالک رجع بعید (ق)
یہ خدا کا فرمودہ عقلاً صحیح۔ اور قبر کھود کر دیکھو تو جانو کہ بھی ٹھیک نہیں۔ ورنہ کوئی ہندو
یا کوئی بھی جلکر ڈوب کر پاش پاش ہو کر پرندوں کی خوراک ہو کر قبر سے بچا تو عذاب قبر سے
بھی بچا۔ کیا عذاب قبر اہل کتاب ہی کے لیے ہے جو مردے دفن کرتے ہیں۔

مرنا جسم و روح کی علیحدگی ہے جسم گیا اجداث میں اور روح گئی برزخ میں۔ ومن ورائہم
برزخ الی یوم یبعثون مرنے کے بعد قیامت تک جس دن وہ پھر اٹھائے جائینگے
برزخ میں رہیں گے۔ (مومنون ۱۰۰) اجداث وہ ہے جہاں جسم گیا چاہے دفن
ہو کر سڑ گل کر کیڑوں کی خوراک ہوا۔ یا ڈوب کر مچھلیوں کی خوراک۔ یا جلکر خاک میں مل گیا
جہاں وہ جسم گیا وہی اجداث ہے۔ اور ان اجداث سے قیامت کے دن پھر زندہ کر کے
اٹھایا جائیگا۔ یوم یخرجون من الاجداث جس دن وہ اجداث سے پھر اٹھائے
جائینگے۔ تم کو اس پر تعجب ہوگا مگر بارش سے سبزے کیونکر اگ آتے ہیں کیوں اس پر
تعجب نہیں ہوتا انہ علی رجعہ لقادر بے شک اللہ دوبارہ پیدا کرنے پر ضرور قادر
ہے جس طرح پہلی بار پیدا کرنے پر وہ قادر تھا۔ دوسری بار بھی وہ قادر ہے خلاق کی قدرت

علم کے احاطہ کی نہیں جو ایک مکھی ایک تتلی نہیں پیدا کر سکتا۔ وہ پیدائش کے رموز کیا جان سکتا ہے۔ علم کی تک بندی جب کچھ کر کے نہ دکھائے تو اس کے اوہام کی صحت بے دلیل ہے علم جب ایک چیز بھی پیدا نہ کر سکا تو پیدائش کے رموز وہ کیا جان سکتا ہے۔ مگر پیدائش کا عالم وہ دیکھ رہا ہے تو صفت خلاقی پہ بے سمجھے بوجھے بالبداہت ایمان لانے کے سوا اُسے چارہ نہیں۔

چونکہ روح جسم سے بے لگاؤ ہو کر برزخ میں گئی۔ اسی لیے خدا نے فرمایا انک لا تسمع الموتی۔ اے رسول تم مردے کو نہیں سنا سکتے (ر، ۲۰، ع ۵) رسول کی آواز تو مردہ تک پہونچے نہیں اور جاہلیوں کی آواز خدا جانے کہاں سے وہ رسول سے بھی بڑھ کر خدا کے پیارے پیدا ہوئے کہ مردہ تک پہونچ سکتی ہے۔

قرآن مجید میں غور و فکر کرنے سے بعد مرنے کے حالات جو اور ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ مفصلہ ذیل آیت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ فرماتا ہے اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیہا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی ان فی ذلک لایت لقوم یتفکرون۔ اللہ موت کے وقت جان قبض کر لیتا ہے اور جس کی موت نہیں آئی۔ اس کی جان اس کی نیند میں۔ پھر جس کی موت آچکی تو اس کی جان وہ روک لیتا ہے اور جس کی موت نہیں آئی تو اس کی جان وقت معینہ تک کے لیے وہ بھیجا رہتا ہے اس میں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں خدا کی نشانیاں ہیں (زمر ع ۵) خدا نے آیت بیان کر کے غور و فکر کی ہدایت کی۔

کیا خوب کہا ہے النوم اخ الموت نیند موت کا بھائی ہے۔ نیند بھی اک موت ہے فرق یہ ہے کہ موت میں روح پھر نہیں لوٹائی جاتی اور نیند میں لوٹائی جاتی ہے اب اس نیند سے موت کا ہم بہت کچھ سراغ لگا سکتے ہیں۔ اگر حسب ہدایت خداوندی ہم اس پر فکر کریں۔ تو نیند پر فکر کرنے سے ہم مفصلہ ذیل نتیجہ پر پہونچتے ہیں۔

(۱) نیند اک عالم برزخ معلوم ہوتی ہے اتنے لطیف صورت میں جو مماثل ہے غشی اور بیہوشی سے چاہے اس میں کچھ نظر آئے یا نہ آئے۔

(۲) خواب ایک برزخی سیر ہے اگر اس کی توجہ روحانیت سے نے روحانیت کے دروازے کھولے ہیں۔ تو خواب سچا اور روحانی ہے۔ اور اگر عالم برزخ ہی کے دروازے کھلے ہیں تو

تمثیلی ہیں۔ محتاج تعبیر اور اگر یہی آلودہ خیالی ہی کی گٹھریوں کو کھولا ہے۔ تو وہ منزہ خیال ہے
آلودہ عالم اجسام

(۳) خیال عالم برزخ کی اک قوت ہے جو ہم کو ملی ہے جس کے بل بوتے پر ہماری برزخی
سیر ہوتی ہے اس لیے ہم عالم اجسام عالم برزخ اور عالم ارواح سے مرکب ہیں۔ (جسم
عالم اجسام کی مخلوق ہے خیال عالم برزخ کی اور روح عالم ارواح کی۔

(۴) جسم محتاج خیال کا اور خیال محتاج روح کا۔ اگر خیال نہ رہے تو جسم بیہوش تو وہ فنا کے
مانند ہے اور روح نہ ہو تو خیال بھی فنا ہو جاتا ہے۔ خیال حکمران ہے جسم پر اور روح خیال پر
اک عالم خیال ہے کہ لوگ اکثر اور کو خواب و خیال کہہ کر ٹال دیتے ہیں اور خیال کی کوئی
قیمت نہیں کرتا حالانکہ دنیا کے سارے کرشمے سارے علوم و فنون ایجادات و اختراعات
سب خیال ہی کی بدولت ہیں۔ خیال نہ ہو تو انسان روح کے رہتے بھی حیوان ہی ہے۔
یہی خیال ہے جس کی جسم ایسی رعایا ہے جو کبھی باغی نہیں ہمیشہ پابند حکم یہی خیال ہے
جس کی رفتار تار برقی سے بھی تیز ہے کہ آن کی آن میں عالم بالا تک کی سیر کر آتا ہے
جس کو نہ دریا حائل نہ پہاڑ حائل۔ خیالی اور برزخی مخلوق بھی ایسی لطیف ہوتی ہے کہ نہ اسے
تلوار کاٹے نہ وہ گولیوں سے مرے۔ اس میں تشکل ہے عالم اجسام کا اور لطافت ہے
عالم ارواح کی۔ وہ درمیان جسم و روح کے اک درمیانی اور برزخی مخلوق ہے۔ ہر چند خیال
ہمارے جسم پر حکمران ہیں۔ مگر ہماری روح کا محتاج۔ نیند میں خیال رہتا ہے۔ اور کچھ نہیں۔
گویا زادہ برزخی عالم ہے

(۵) عالم اجسام میں جس طرح لاکھوں مخلوق ہیں۔ اسی طرح عالم برزخ اور عالم ارواح میں بھی۔
اسی عالم برزخ کی مخلوق اجنہ و شیاطین وغیرہ اسی طرح عالم ارواح کی مخلوق ہیں۔ اور ملائکہ
اور قوتیں وغیرہ جس عالم میں جا پہنچو وہاں کی مخلوق سے ملو اور دیکھو۔

(۶) بعض بزرگان دین نے فرمایا کہ تصوف تصحیح خیال کا نام ہے اس کے یہی معنی ہیں
برزخ یا خیال اگر آلودہ اجسام ہے تو بعد موت اس کا برزخ اور قبر بھی عالم اجسام اور
اسفل السافلین ہے کہ اپنے محسوس تعلقات میں ٹھوکریں کھاتا پھرے۔ اور اگر اس کا برزخ
یا خیال ارواح کے رنگ میں رنگ گیا ہے تو اس کا مواجہہ عالی اور اس کا مقام
علیین ہے۔ اور اگر اس کا برزخ یا خیال عالم ارواح سے بھی گزر کر ما زاغ البصر و ما طغیٰ

(نہ کجی کی آنکھ نے اور نہ اُس نے سرکشی کی (النجم ۱) سے فیضیاب ہو کر ضعیف دیکھو ہو کر فانی اور باقی ہو کر یا طالب لقاء دیدار ہو کر عالم قدس میں پہونچا ہے. تو اُس کا مقام مقام قرب عند ملیک مقتدر ہے اب خواب سے اپنے حال کی صحت کر لو اسی لئے خدا نے نیند پر فکر کرنے کو کہا کہ تم اپنا مقام پہچانو اور اپنی اصلاح کرو۔

(۷) نیند بھی اک کتاب ہدایت ہے اور خواب اُس کی عبارت یا نامۂ اعمال ۔ اگر خواب میں چوری کرو۔ زنا کرو۔ کسی پر ظلم کرو. تو سمجھو کہ ان جرموں کے اجرام تم میں موجود ہیں! تو خیال تمھارا آلودہ ہے اور عالم برزخ یا عالم قبر تمھارا اسی درجہ آلودہ اور انشویش ناک ہے اگر زیادہ حصّہ ما سوے اللہ کی آلودگیوں سے ناپاک ہو تو سمجھو کہ ترازوے اعمال میں گناہ کا پلڑا بھاری ہے۔ اور اگر زیادہ حصّہ خدائی رنگ میں ہو اور نیکیوں پلڑا جھک جائے تو سمجھو کہ نجات ہے فمن ثقلت موازینہ فاولئک ھم المفلحون ۔ اس دنیا میں دیکھو تو کسی کے مرنے کا غم۔ عزت و ناموس کے لٹنے کا الم۔ خانہ ویرانیوں کے صدمے اور سیکڑوں دردناک مصیبتیں ایسی آتی ہیں کہ کاٹو تو لہو نہیں۔ موت آئے تو راحت ملے زمین پھٹے اور اُس میں سمائی ہو تو چین آئے۔ پھر ایسی مصیبتیں بھی جو برداشت سے باہر ہوں حواس کے پردہ ڈالتے رہنے سے ایک دن کم ہوتے ہوتے نہیں رہتیں۔ لیکن اگر یہ آنی مصیبتیں ازلی اور مستقیم ہو جائیں۔ اور یہ حواس ہی باقی نہ رہیں جو شعلوں پر خاک ڈال ڈال کر بجھائیں تو ایسی مصیبت کا کون اندازہ کر سکتا ہے اسی کو عذاب قبر سمجھو۔ جب کوئی مرا تو دوسرے عالم میں پیدا ہوا۔ اُس کا تو تم کو یہ غم والم ہوتا ہے کہ وہ عالم کا تفرقہ ملنے نہ دیگا۔ اب جب تم مرے اور دوسرے عالم میں پیدا ہوئے تو دو عالم کا تفرقہ ہو گیا تمہارے حسابوں تو گھر کا گھر مر گیا سب سے دل لگا کر جدا ہوتے ہو کہ پھر ملنے کے نہیں۔ گھر بار مال و خزانہ جن جن چیزوں سے تم نے محبت کی وہ سب تمھارے حسابوں لٹ گئے بادشاہ ملک الموت نے تمہاری ساری سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ اور زن و فرزند سب اُس نے چھین لیے۔ اس مصیبت کا اندازہ کرو۔ اور ایسی مصیبت کہ اُس کا نقش کوئی مٹا بھی نہ سکے۔ یہ تکلیف سانپ اور بچھو کے کاٹنے سے بھی زیادہ دردناک ہے یہ خدا اور رسول کا کلام ہے جو مصیبت کے اندازہ کو اُس نے صحیح لفظوں میں بیان کر دیا اور اُس کا درجہ بتا دیا ہے۔ اور اگر تمھارا دل سب سے ٹوٹ کر خدا کے ساتھ جٹا ہے تو تم اس دنیا سے ایسے

جاؤ گے جیسے کوئی عاشق اپنے معشوق سے ملنے کے لیے دوڑتا ہوا۔ اُس وقت
تم موت کو ایک نعمت سمجھو گے تو اپنے اوپر فکر کرکے اور اپنے حالات کو خواب و خیال
کے آئینہ میں دیکھ کر اپنے عذاب و بخشائش کا اندازہ لگالو۔

اے لوگو! تم عالم اجسام میں ہو تو بالکلیہ اس سے نکل نہیں سکتے۔ ہاں عالم اجسام کی ہر مخلوق
پر فکر کرتے کرتے خیال کی کمند ڈال کر عالم برزخ میں پہونچو۔ اگر فکر تمہاری طرز زندگی بن جائے
اور اس عالم میں تمہارا ٹھہراؤ ہو تو موتوا قبل ان تموتوا (مرو قبل اس کے کہ مرو)
تم پہ کھل جائے گا۔ یہ حال ہوتا ہے کثرت فکر سے اور فکر کثرت ذکر سے جس کا بیان
ان کی سرخیوں میں آئے گا۔ ایسے مرنے والے کی موت عالم اجسام کی ظلمانی حجابوں
سے نجات دلانے والی ہوگی اور وہ برزخی عالم میں رہکر بمقام قرب پرواز کرے گا
اور جسمانی قیدی بنکر جس گلزار کو اس نے راہ چلتے دیکھا تھا اور جس کی خنک ہواؤں سے
تازہ دماغ ہوا تھا وہاں امن و سکون کے بالاخانوں پر بیٹھا عشرت منائے گا۔

اگر تم نے اسی زندگی میں عالم برزخ کی سیر کی اور صلاحیت پیدا کرلی ہے تو ہمیں تمہیں
بزرگان دین سے ان کی برزخی صورتوں میں زیارتیں ہونگی۔ اور جتنا کچھ بھی تمہارا آئینہ
مجلا ہوگا۔ اس عالم کے اور کاروبار کی طرح فیوض و برکات سے بھی تمہیں بہرہ وری ہوگی۔
اس اجداث یا قبر کو کھودو تو کچھ بھی نہیں۔ نہ جسم ہے نہ ہڈیاں ہی۔ نہ عذاب ہے نہ ثواب ہی۔
پھر اس اجداث کی یہ قدر و منزلت اک طفلانہ حرکت ہے لغو اور بیہودہ۔ روح تو برزخی
جسم میں عالم برزخ میں راحت یا تکلیف میں مبتلا ہے جیسا کہ قرآن کی آیت اوپر دیکھی ہے۔
اس میں کلام نہیں کہ یہ اجداث (قبر) عبرت کا مقام ہے۔ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے
دیکھنے سے عبرت تحریر و تقریر سے بھی زیادہ ہوتی ہے دوسرے قبر کو دیکھ کر دھیان
اور نسبت اہل قبر کی طرف اک ذرا تیز اور رسا ہو جاتی ہے اور اس عالم میں پہونچنے اور
اہل قبر کی زیارت کرنے کے لیے اک ذرا سا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ سلام علیکم قبر پر کہنا بھی
نسبت کے قوی کرنے کے لیے ہے ورنہ کوئی سنتا ہے نہ کوئی جواب دیتا ہے۔
بزرگوں کو بھی برزخی ملاقات سے چاہے دھیان صحیح اور رسا بنانے سے ہو۔ مراقبہ میں
ہو خواب میں ہو بات ایک ہی۔ واضح ہونا چاہیے کہ بزرگان دین کی قبریں بلحاظ حصول
نسبت قوی و بلحاظ زیارت و فیوض ممتاز و مستثنیٰ حیثیت رکھتی ہیں۔ اس لیے بیان سے

میری خوش قسمتی کہ تم مابعد الموت کے حالات سے آگاہ ہو۔ اور اپنی نجات کے حاصل کرنے میں لگو اور سمجھو تو تعلق ماسوا جہنم ہے۔ راہ نجات میں مزار پرستی تمہیں کچھ کام نہ دے گی۔ نہ کوئی بزرگ بھی تمہارا بوجھ سہارے گا۔ وہی اوقات وہی افعال اور وہی خیالات تمہارے کام آئیں گے جو تم نے خدا کے ساتھ صرف کیا۔ اور خدا کے لیے اور خدا کی محبت میں بزرگان بتعا للرسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے ہادی اور رہنما ہیں وہ بھی تا بقید حیات مزار پرستی تمہارے کام نہ آنے کی پرستش خدا کے سوا کسی کی بھی جائز نہیں پیغمبر تک کی نہیں۔ ماسوا کی پرستش سے جو قوتیں اور قدرتیں حاصل ہوتی ہیں وہ شیطانی کرشمے ہیں اور جو لطف و مستی حاصل ہوتی ہے وہ شیطانی جھپیٹ ہے۔ اس سے وہی خدا جو ملتا ہے۔ وہ محدود بہ احاطہ اوراک ہے اور وہ خدا نہیں شیطانی بت ہے۔ خدا ملے گا۔ خدا ہی ڈھونڈھنے اسی سے دل لگانے۔ اور اسی پر قربان ہونے سے یاد رکھو اور کبھی نہ بھولو الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولٓئک لھم الامن وھم مھتدون جو ایمان لایا اور اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ ملبس نہ کیا تو انھیں کے لیے امن ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔ ایمان کو ظلم کے ساتھ ملبس کرنے کو سوچو اور سمجھو۔

افسوس

مسلمانو! آؤ۔ ذرا قرآن مجید کے رو سے ہم جانچیں کہ آیا ہم واقعی مسلمان ہیں اسلامی وعدوں کے مستحق یا خارج از اسلام ہو گئے ہیں۔ عتاب و دوری کے مستحق نبی آخر الزماں کی امت میں داخل ہیں۔ یا ایسے غیر اُمت کے او نکے گروہ ہیں۔

اگر ہم نبی آخر الزماں کی امت میں داخل ہیں تو کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تم بہتر بی امت ہو جو لوگوں کے لیے کھڑے کیے گئے ہو (آل عمران ۱۱) کا خطاب ہم سے کیوں چھن گیا ہے اور وانتم الاعلون ان کنتم مومنین تم ہی غالب ہو اگر تم مومن ہو (آل عمران ۱۴) کا جھنڈا ہم سے کیوں لے لیا گیا ہے (الا ان حزب اللہ ھم الغالبون سن رکھو خدا ہی کا لشکر فلاح پانے والا ہے (مجادلہ ۳) کے مصداق ہم کیوں نہیں رہے اگر ہم واقعی مسلمان ہیں تو لن یجعل اللہ للکفرین علی المومنین سبیلا

خدا ہرگز کافروں کو مومنوں پر راہ اور غلبہ نہ دے گا (النساء ع۲۰) کیوں زبانِ حال سے ہمارے ایمان کی تصدیق نہیں کرتا۔ اگر ہم واقعی مومن ہیں تو وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضی لہم ولیبدلنہم من بعد خوفہم امنا۔ ایمان لانے والو اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ تم میں جو ایمان لائے اور عمل صالح کرے تو اُن کو ملک میں وہ ضرور خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اگلوں کو بنایا اور اُن کے لیے دین کو جما دے گا جس کو اُنکے لئے پسند کیا ہے۔ اور اُن کو خوف کے بدلے امن عنایت کرے گا (نور ع۷) خدا کا وعدہ تو جھوٹا نہیں۔ پھر اگر ہم میں ایمان ہے تو ہم سے یہ ایفا کیوں نہیں کیا جاتا۔ خلافت ہم سے چھنی۔ اور نکبت یہاں تک پہونچی کہ مسلمان بھی اور مذہبوں کو اختیار کرنے لگے۔ مسلمانوں کی زندگی بجائے غلبہ و حکومت محکومی میں اور بجائے امن و اطمینان طرح طرح کے خوف میں گذرنے لگی ہے۔ یہ اس لیے کہ ان کا ایمان ہی ان سے رخصت ہوا۔ جو ہے بھی وہ منہ بولا ایمان ہے اگر ایمان ہوتا تو ان وعدوں کے علاوہ خدا ضرور ہماری مدد بھی کرتا۔ وکان حقا علینا نصر المومنین ایمان والوں کی مدد کرنی ہم پر حق ہے (روم ع۵) اگر ہم میں ایمان ہے تو خدا نے اپنی مدد ہم سے کیوں اٹھالی کہ دین کے اعتبار سے ہمارے اطوار کفار عرب سے ملتے ہیں۔ اور دنیا کے اعتبار سے ہمارے حالات تباہ شدہ قوم سے ملتے ہیں اور ساری دنیا کے مسلمانوں کا حال یکساں ہوگیا ہے۔

قرآن مجید کی آیتیں غلط نہیں۔ اس کا متکلم خدا جھوٹا نہیں۔ ضرور ہم نے اسلام کو بدلا۔ ایمان میں فتور ڈالا۔ جب یہ عنایتیں ہم سے چھین لی گئیں۔ ایسے حال میں مسلمان کس منہ سے بخشایش کے امیدوار ہیں۔ اُن کو چاہیے کہ اپنے اعمال کا جایزہ لیں ولتنظر نفس ما قدمت لغد۔ اُٹھو ابھی اپنا محاسبہ کر لو۔ آج کا محاسبہ کل کے محاسبہ سے بہتر ہے۔ کیونکہ توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہوا ہے۔

یہ دیکھو کہ خدا اور اُس کے اسماء یعنی صفات پر تمہارا حقیقی ایمان ہے یا وہ اک زبانی جمع خرچ ہے۔ تم خدا کے مسلمان ہو یا قومیت کے۔ تمہارا ایمان صحابہ کا سا ہے۔ یا منافقوں کا سا۔ صحابہ کے ایمان کا رنگ تھا۔ ان صلواتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ میری نماز میری عبادتیں بلکہ میری حیات وموت تک

پروردگارِ عالم کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں (انعام ع۲) اصحاب کے ایمان پر
تصدیقِ قلبی کی گواہی تھی۔ اور زبانی قول کی مہر اور منافقوں کا ایمان تھا۔ ومن الناس
من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الاٰخر وما ھم بمؤمنین بعض لوگ کہتے تو ہیں کہ ہم
خدا اور قیامت پر ایمان لائے۔ حالانکہ وہ ایمان نہ لائے (بقر ع۲) اگر تم خدا کو ایک
اُسی کو مستحقِ عبادت سمجھتے ہو۔ اُسی کو حاضر و ناظر اور قریب بلکہ رگِ گردن سے بھی قریب
جانتے ہو تو تمہاری اس دیدہ دلیری کے صدقے کہ خدا کے سامنے فسق پرستی۔ بت پرستی۔
ہوا پرستی۔ اور یہ نافرمانیاں دل غافل۔ اعضا سرکش۔ دھیان اِدھر خیال۔ اُدھر اعمال اُلٹے۔
کبھی اس کا ڈر کبھی اُس کا ڈر۔ تخشونھم فاللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مؤمنین۔
تم لوگوں سے ڈرتے ہو اور یہ استحقاق خدا کو ہے کہ تم اُس سے ہی ڈرو۔ اگر تم کو ایمان ہے
(توبہ ع۲) اگر کلمۂ ایمان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ والقرآن
کلام اللہ پر تمہارا ایمان تصدیقِ قلبی اور تصدیقِ عملی کے ساتھ ہوتا تو تمہارا [illegible] تمہارا
مقصود ہر حرکات و سکنات میں ہر کام اور ہر مشغولیوں میں خدا ہی ہوتا۔ اور جب اس سے
تمہیں وسیلہ بھی ملتا۔ راہبر بھی اور مقصود بھی اس سے تمہیں مرشد بھی ملتا۔ شیخ بھی اور محبوب بھی
اس سے تمہاری دنیا کی مشکلیں بھی آسان ہوتیں۔ دین کی بھی اور قرب خداوندی کی بھی
(اولئک ھم المؤمنون حقا واقعی یہی ایمان والے ہیں (انفال ع۱) تمہارا لقب
ہوتا اور (اولئک ھم المفلحون یہی لوگ فائز المرام ہیں (بقرہ ع۱) تمہارا خطاب ہوتا
لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون نہ اُن کو خوف ہو گا نہ وہ غمگین ہوں گے (یونس ع۷)
تمہاری شان ہوتی اور فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر مجلس صدق میں قدرت والے
بادشاہ کے قریب (قمر ع۳) کی بارگاہ میں تمہارا تخت بچھا ہوتا اور فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ
تو ہم ان کو جلائیں گے۔ پاک زندگی (نحل ع۳) کا چتر تمہارے سروں پر سایہ کیے ہوتا
مگر افسوس کہ اسلام بے جان ہو گیا اور ایمان کھو گیا۔ قرآن غیر مستعمل ہو گیا۔ اور اس کے
عمل اس کے مسلم کے پاس پہونچے۔
خدا نے کافروں کی صفت بیان فرمائی ہے الذین اتخذوا دینھم لھوا ولعبا وغرتھم
الحیوۃ الدنیا کافر وہ ہیں جنھوں نے دین کو لہو لعب بنا لیا ہے کیونکہ انہیں زندگانی
دنیا نے مغرور کر دیا ہے کیا مسلمانوں کا تجربہ اس حد کو نہیں پہونچا۔ تو خدا فرماتا ہے۔ ساصرف عن

عن ایٰتی الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق وان یروا کل اٰیۃ لا یؤمنوا بھا
وان یروا سبیل الرشد لا یتخذوہ سبیلا وان یروا سبیل الغی یتخذوہ سبیلا
ذالک بانھم کذبوا بایٰتنا وکانوا عنھا غٰفلین۔ ہم اپنی آیتوں کے سمجھنے سے اُن کو
باز رکھیں گے جو دنیا میں ناحق تکبر کرتے ہیں کہ اگر خدا کی کل نشانیاں بھی دیکھیں جب بھی
ایمان نہ لائیں۔ اگر راہ رشد بھی دیکھیں جب بھی وہ نہ اختیار کریں۔ اور گمراہی کی راہ دیکھ پائیں تو
اُسے اختیار کریں۔ یہ کجروی اُن میں اس سے پیدا ہوئی کہ انھوں نے ہماری آیتوں کو
جھٹلایا۔ اور اُن سے بے پروائی کی (اعراف ع۱۷) یہی حال مسلمانوں کا ہو گیا فلما
نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شیء حتی اذا فرحوا بما اوتوا اخذنٰھم
بغتۃ فاذا ھم مبلسون ٥ تو جب انھوں نے خدا کی نصیحتوں کو بھلا دیا تو ہم نے ہر طرح
کے دروازے اُن پر کھول دیے۔ جب وہ ان عطیات پر فرحاں وشاداں ہوئے۔
(یعنی وہ منعم کو چھوڑ کر نعمت میں مشغول اور لذت طلب ہوئے) تو یکایک ہم نے اُن کو
دھر پکڑا تو وہ بے آس ہو کر رہ گئے (انعام ع۵) قوموں کی تاریخ اٹھا کر دیکھو۔ ساری
قومیں یوں ہی بنیں اور یوں ہی بگڑیں۔ ہم مسلمان بھی اسی راہ چلے یوں ہی بنے اور یوں ہی
بگڑے جس طرح ہر آدمی کے لیے موت ہے اسی طرح ولکل امۃ اجل ہر قوم کے لیے
بھی موت ہے۔ بچپن، شباب۔ اور بڑھاپا اس کے لیے بھی ہے۔ جب یہ دین کو لہو لعب
سمجھنے لگتی اور متکبر ہو جاتی ہے۔ اور بھلائی کی راہ چھوڑ کر برائی کی راہ اختیار کرنے لگتی ہے
تو انسانی صفات کھو جاتے اور بیرونی ترقی اُسے آرام طلب عیش طلب۔ اور عشرت طلب
بنا دیتی ہے۔ یہاں تک کہ اُس قوم کی موت ہی آجاتی ہے۔

وہ وقت یاد کرو۔ جب ہم نے خدا سے دل لگایا تو اُس کے ہدایات کی تعمیل اپنی مُراد
سمجھے جس سے اس کی محبت جوش زن ہوئی اس نے بے غرض بنا دیا۔ اس بے غرضی
نے رشتۂ اخوت جوڑا ہمدردی پیدا کی۔ یہ پاک محبت موجب ہوئی اُن سارے صفات
کاملہ کی جو ترقی کا موجب ہیں۔ اسی نے حقوق کی ادائگی کا سبب ہو کر مالا مال کیا۔ رشتۂ اخوت
جوڑ کر توانا کیا۔ اسی کی بدولت قوم کی نفع رسانی اور اس میں جاں بازی کو ہم نے محبوب کی
مراد سمجھا۔ گھر میں قناعت کی میدان میں ہمت کی۔ ہمت سے توکل کیا توکل میں صبر کیا۔
صبر کے نتیجہ پر شکر کیا۔ صحیفۂ فطرت کو مدرسہ بنایا جس سے خدائی تعلیم پاکر نکلے!

سارے صفات کی فوج سے کر اُٹھے. دنیا کو برائیوں سے پاک کیا. اور چمکے دنیا میں ایسے کہ اندھوں نے بھی دیکھا اور ہوئے دنیا میں جو کچھ ہوئے۔

آج خدا کی محبت کی جگہ. دولت نام ونشان تعلیوں. غرور. خودغرضی اُمید بیجا اور لایعنی خطابات کی طلب ومحبت قایم ہوئی ہے. یا مولویوں اور صوفیوں میں. بگروہ تشخص اپنی پرستش کرانی بات کی پچ اور اپنا طریقہ اور اپنے بزرگوں کے طریقہ کے سوا اسکے اور اُس کے علو مرتبت ثابت کرنے کی پڑگئی ہے جس سے نعمائے الٰہیہ چھین لیے گئے اور صفات اسلامی سلب ہو گئے. پھر دیکھ لو ہیں دنیا میں جو کچھ ہیں۔

مُسلمانو! ایمان کی کسوٹی کہو. کیا تم وہ مسلمان رہے. جو تھے. کیا تمہارا اصل کتاب اللہ ہے. جو تھا. تو کیا تم بھی عاد وثمود کی طرح فنا ہوا چاہتے ہو. کیا تم بھی یہود کی طرح مغضوب ہوا چاہتے ہو. کیا تم بھی خسر الدنیا والاخرہ کے مصداق ہوا چاہتے ہو. کیا تم مسلمان ہو کر جہنم آباد کیا چاہتے ہو. اگر نہیں تو اس پر غور وفکر کرو کہ تمہیں چاہیے کیا. یہ نہ سمجھو کہ تم مجبور محض ہو تم کو کچھ اختیار دیا ہی نہیں گیا! اور اس لیے تم کو کچھ کرنا نہیں. ہم بتا دینگے کہ تمہیں کیا چاہیے کیا مگر پہلے جبر واختیار کے مسئلہ پر غور وفکر کرو اور اپنی تقلید وآزادی کو سمجھ لو. تا کہ واعملوا الصالحات کی تعمیل کر سکو۔

جبر واختیار اور تقلید وآزادی

ان دونوں مسئلوں کی اصل قریب ایک ہے اس لیے بنظر اختصار میں دونوں کو ساتھ ساتھ بیان کرنا چاہتا ہوں اس مسئلہ کو اولاً از روئے فطرت دیکھو۔

فطرت انسان کو بالبداہت مجبور بھی بتا رہی ہے اور مختار بھی. مقلد بھی بتا رہی ہے اور آزاد بھی اسیطرح کلام الٰہی بھی انسان کو کہیں مجبور بتاتا ہے اور کہیں مختار کہیں مقلد بتاتا ہے اور کہیں آزاد تو حقیقت میں انسان مجبور بھی ہے. اور مختار بھی. مقلد بھی ہے اور آزاد بھی۔

بداہت جو سارے دلائل منطقیہ سے قوی تر ہے. وہ صاف بتا رہی ہے کہ انسان جماد کی طرح معدنیات کا معدن نباتات کی طرح ثمردار وسایہ دار حیوانوں کی طرح درند چرند اور پرند کی طرح پرواز نہیں ہو سکتا نہ اڑ سکتا نہ آبی مخلوق کی طرح پانی میں رہ سکتا اپنی قوت واختیار فطری سے باہر ایک قدم نہیں بڑھا سکتا اور سراسر مجبور ہے مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ اپنے حدود اختیار فطری

اندر وہ بالکل ذی اختیار ہے جس حواس اور جس قوت کو چاہے وہ کام میں لائے۔ آنکھ اور کان سے دیکھ سن سکتا ہے مگر آنکھ سے سُننا اور کان سے دیکھنا چاہے تو یہ ناممکن اس لیے یہ صاف کھلی ہوئی بات ہے کہ انسان ایک حصے سے باہر مجبور اور ایک حد کے اندر مختار ہے یہی ہدایت قانون فطرت ہے۔ اور اسی قانون فطرت کے مطابق ہدایتیں بھی نازل ہوئی ہیں۔ جو خلاف فطرت کی نازل کی ہوئی ہیں۔

جس عالم پر پائش کے جس مخلوق پر غور کرو تو اسے صفات محدودہ کی معجون مرکب پاؤ گے۔ اسیطرح حضرت انسان بھی صفات محدودہ کی ترکیب دی ہوئی مخلوق ہے صفات بسیط تو خدا کے لیے ہے اور صفات محدود مخلوق کے لیے۔ اب دنیا کو دیکھو تو یہ بدیہی نظر آئیگا کہ انسان کو اختیار کی ایک صفت اوروں سے زائد ملی ہے جو کسی کو نہ ملی۔ انسان کا سب اختیار، اور انسان پر کسی کا نہیں یہی خلافت الٰہی ہے جسے پاکر انسان خلیفۃ اللہ ہوا مگر جسطرح اس کے سارے صفات محدود ہیں اور اپنی حد سے باہر مجبور اسی طرح صفت اختیار بھی محدود ہے اور اپنی حد سے باہر مجبور۔ اس صفت اختیار کے ملنے سے ہم مختار ہوئے محدود حد تک ملنے سے ہم مجبور ہوئے۔

خداوند عالم نے اپنے بسیط و کامل اختیار و قدرت سے ہم کو کسی قدر محدود اور مجبور اختیار دیا ہے اگر وہ بھی دیتا تو مطلق اختیار ہوتا۔ ہم ملائکہ ہی ہوتے اس لیے اسی کو یہ کہنا زیبا ہے کہ سب کچھ اُسی کے چاہے ہوا اور سب کچھ اسی کے چاہے ہوتا ہے۔ سب کچھ اسی کے کیئے ہوا اور سب کچھ اسی کے کیئے اور اسی کے اختیار سے ہوتا ہے کیونکہ یہ محدود اختیار بھی تو اُسی کا ہے۔ کوئی بوتا ہے۔ کوئی کاٹتا ہے۔ کوئی حاصل کرکے لاتا ہے پھر کوئی پکاتا ہے جب کوئی کھاتا ہے۔ یہ ساری قوتیں جو کام میں آئیں۔ اور یہ سارے اختیارات جو کام میں لائے سب اسی کے قوتیں بھی اُسی کی۔ اختیارات بھی اُسی کے۔ اس لیے یہ دعویٰ اُسی کو زیبا ہے کہ روزی ہم دیتے ہیں اور علیٰ ہذا سارے ہی عطیات۔

اب اگر تم اپنی قوتوں کو کام میں نہ لاؤ۔ اور اپنے اختیارات کو جو خدا نے دیئے ہیں معطل اور بیکار کر دو۔ تو بازپرس کے دن بازپرس ہوگا کہ تم کو محدود حد تک کی قوتیں ہم نے دی تھیں۔ اور اُن کو محدود حد تک کام میں لانے کا اختیار بھی دیا تھا۔ پھر تم نے اس خدمت کو کتنا کچھ اور کیسا کچھ انجام دیا ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم۔

الحق۔ وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ جو اللہ چاہتا ہے وہی تم چاہتے ہو۔ یفعل اللہ ما یشاء خدا جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے یا۔ ان اللہ یحکم ما یرید بے شک خدا جو چاہتا ہے وہ حکم دیتا ہے اور علیٰ ہذا ایسی کل آیتیں سراسر حق ہیں۔ قدرت اُس کی، قوت اُس کی۔ اختیار اُس کا۔ یہ سارا کچھ اسی کا دیا اور پھر اسی کا۔

اسیطرح کل امرءٍ بما کسب رھین ہر کوئی اپنے اعمال کے ساتھ مرہون ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہٗ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہٗ۔ جو ذرہ برابر بھی اچھا یا بُرا کریگا تو اُس کا نتیجہ وہ پالے گا۔ انا ھدینٰہ السبیل اما شاکرا و اما کفورا۔ ہم نے بھلی بری راہ تم کو بتا دی اب تم کو اختیار ہے۔ جدھر جاؤ ایسی آیتیں بھی قرآن مجید میں بہتیری ہیں تو ایسی کل آیتیں جن سے ہمارا اختیار ہونا پایا جاوے۔ سراسر حق ہیں۔ از روے حقیقت بھی از روئے فطرت بھی اور از روئے بداہت بھی۔

اسی مضمون کو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے لا جبر ولا تفویض ولکن امر بین الامرین نہ بالکلیہ جبر ہے نہ بالکلیہ اختیار۔ بلکہ معاملہ بین بین ہے یعنی کچھ جبر بھی کچھ اختیار بھی۔ ہاں جبر کا پلڑا کچھ جھک جاتا ہے کہ فطرتاً ہم مجبور ہیں کہ اپنے بھی۔ وہ اختیار کو کام میں لائیں مگر جس حد تک اختیار ملا ہے اس اختیار میں ہم مجبور نہیں اگر اختیار میں بھی جبر ہو تو اچھے برے کی تمیز باطل ہو جائے گی۔ اور جزا و سزا کسی دینا کی سبھی ظلم ہو جائے گی اسی طرح عقل بے مصرف ہو جائے گی اور ہدایات ربانی لغو و بیکار ہو جائینگے اور یہ دنیا دہوکے ٹٹی ہو جائیگی

اب یہ اختیار فطرتاً مقلد بھی ہے اور آزاد بھی۔ بچہ پیدا ہوا تو چیونٹی سے بدتر اور پھر سے کمزور بھوک لگی تو وہ کھانا گیا جانے منہ میں جو چیز آئی فطرت نے چوسنا سکھایا یوں تو پرورش شروع ہوئی جب کچھ عقل و تمیز آئی تو تقلید شروع ہوئی بیٹھنا اوٹھنا چلنا پھرنا۔ زبان علم و تہذیب شایستگی دانائی اور مذہب جو سیکھنے سے سیکھا وہ تقلید سے جب سکھانے کی منزلت کو پہونچا تو محدود حدتک آزاد ہوا۔ ورنہ اس دنیا میں آزادی کہاں عقل بھی با ہمہ دانائی اپنے دائرہ کی ہوا کی مقلد ہے اور جس ہوا میں پلی اُسی کی حمایت میں کھڑی ہو جاتی ہے مذہب بھی باہمہ تقدس پیغمبروں کی لائی ہوئی اور برتی ہوئی کتاب اللہ ہی کی مقلد ہے خدا نے بھی اطاعت و اتباع کا حکم دے کر تقلید ہی سکھائی ہے شتر بے مہار نہیں بنا دیا۔ اس لئے خدا کا دیا ہوا محدود اختیار بھی مقلد ہی ہے اور اس تقلید میں مجبور۔ مگر یہ تقلید جب عقل کامل اور

تمیز صحیح سے بعنایت خداوندی آمیزش کر لیتی ہے اور وہم و خیال جب نفسانی خواہشوں سے پاک ہو جاتے اور مادۂ فنائیت پیدا کر لیتے ہیں تو تقلید کو توڑ آزاد ہو جاتی ہے۔ جب ایک خدا کی محبت آئی تو اس کی رضا کے سوا ماسوا کی تقلید ٹوٹ گئی۔ اور وہ آزاد ہو گیا۔ الغرض نفسانی بے سمجھی کی تقلید اندھی تقلید ہے۔ اور روحانی سمجھ کے ساتھ تقلید آزادی ہے لیکن قبل از وقت آزادی ٹھوکریں کھاتا ہے۔ اس لیے جس طرح انسان محدود حد تک مختار اور اس حد کے باہر مجبور ہے۔ اسی طرح انسان محدود حد تک مقلد اور اس حد سے باہر آزاد ہے۔ تلک حدود اللہ ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ یہ حدود اللہ ہیں جس شخص نے ان سے تجاوز کیا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ جو لوگ اپنے کو مجبور محض مان کر ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جاتے ہیں اور اس رہبانیت کو توکل کا خطاب دیکر مذہب کی پناہ میں آنا چاہتے ہیں۔ اور جو لوگ عقل و حواس کو کھو کر بدحواسی کے گرویدہ ہیں اور دیوانہ بن کر پابندیوں کے حصار سے نکل جانا چاہتے ہیں۔ وہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کرتے اور کفران نعمت کے مجرم ہیں۔ یہ لوگ منزل مقصود کی پرخطر راہ کو پاپیادہ طے کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح کہ گھوڑے کی باگ ڈور ہاتھ میں اور گھوڑا کوتل میں بجائے اس کے کہ سواری سے سہولت ہوتی اور گھوڑے کا بوجھ سر پر بعض چاہتے ہیں کہ گھوڑے ہی کو مار ڈالو۔ اور اس قتل کا نام وہ نفس کشی رکھ کر اس کو سراہتے بھی ہیں۔ یہ تو ویسا ہی ہوا کہ جو افسر ریل کے محصول سے بچی رکھی ہوں وہ ریل کو چھوڑ کر پاپیادہ ریلوے سروس کی تحقیقات اور خدمتوں کے لیے حوصلہ کر لیا کہ انجن زور سے ہٹی دیتا اور الٹ بھی جاتا ہے۔ خدا نے طرح طرح کی نعمتیں۔ قوتیں اور قدرتیں دیکر اور ان کو عمل میں لانے کا اختیار دیکر خدارسی کی راہ کے لیے موڑ دیا ہے اس سے گل رزق کو صاف کرتے رہو اور بیکار نہ کرو کہ منزل پر پہونچ ہی نہ سکو۔

اب اپنی حد بندی پہچاننے کے بعد سمجھو کہ تمہیں چاہیئے کیا۔

تمہیں چاہیئے کیا

اگر تم اپنا حال بدلنا چاہتے ہو تو تمہیں چاہیے کہ اپنی چال بدلو۔ تمہاری چال کی لگام خواہش نفسانی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ تمہیں جہنم میں لے جائیگی اس سے لے لو اور خدا کے ہاتھ میں دو۔ واللہ یدعوا الی دار السلام وہ تمہیں دار السلام کی طرف بلاتا ہے دار السلام میں

تمہیں بچائے گا اس لیے خدا ہی سے محبت کرو اور ماسوا کے نقوش کو نظر انداز کرو
واعتصموا بحبل اللہ۔ خدا کی رسی کو مضبوط پکڑو (آل عمران ۱۱) خدا کی رسی عابد و معبود
کا پاک رشتہ محبت ہے تو دیکھو ماسوا کو دوست بنانا۔ ام اتخذوا من دونہ اولیا
(شوریٰ ۱) کیا انہوں نے ماسوا کو دوست بنایا ایسی دوستی بے بنیاد ہے مثل الذین
اتخذوا من دون اللہ اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتا وان اوھن البیوت
لبیت العنکبوت لو کانوا یعلمون ان کی مثال جنہوں نے ماسوے اللہ کو دوست
بنایا اس مکڑی سی کی ہے جس نے ایک گھر تو بنا لیا ہے لیکن کچھ شک نہیں کہ سب سے بودا
اور ذلیل گھر مکڑی ہی کا ہے اگر لوگ سمجھیں (عنکبوت ۲) اگر خدا ہی سے محبت کرو گے
تو یہ محبت تمہاری مرشد ہوگی اور محبوب تک پہونچا ہی کر چھوڑے گی۔

یہ محبت حاصل ہوتی ہے ایمان کامل سے اور ایمان کامل حاصل ہوتا ہے اطاعت قرآن ہی
سے زادتھم ایمانا قرآن ہی کی شان میں ہے اور اطاعت قرآن جو روحانیت ہو وہ حاصل
ہوتی ہے۔ اس کے ہدایت کے بموجب دوام فکر سے جس کو پاس حواس کہتا ہوں اور
پاس حواس حاصل ہوتا ہے دوام ذکر سے جس کو پاس انفاس کہا جاتا ہے ان سب کی ہدایت
قرآن مجید نے کی ہے اور ان سب کا بیان اپنے مقام میں آئے گا تو ہمت کرو
قرآن مجید کی کما حقہ تعمیل کی۔

اے بھائیو عبدوا اللہ مخلصا لہ الدین خدا کی عبادت خدا کے لیے دین کو خالص کر کے
کیا کرو (زمر ۱) جس میں ماسوا کی آمیزش نہ ہو الا للہ الدین الخالص آگاہ ہو کہ
دین خالص خدا ہی کے لیے ہے (زمر ۱) تو نمازیں پڑھا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ ترک صلواۃ
کر کے ایک طرح سے مشرکوں میں ہو جاؤ اقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین (روم ۳)
زکواۃ دیتے رہو ایسا نہ ہو کہ زکواۃ نہ دے کر مشرکوں اور آخرت کے کافروں میں ہو جاؤ۔
تو مشرکوں کے لیے جہنم ہے۔ فویل للمشرکین الذین لا یؤتون الزکوٰۃ وھم بالاخرۃ ھم
کافرون (فصلت ۱) علی ہذا قرآن مجید کے سارے اوامر کی تعمیل اور سارے نواہی
سے پرہیز تمہاری وسعت کے اندر ہے۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا خدا تکلیف
مالا یطاق دیتا ہی نہیں (بقرہ ۸ آخر آیت) ساری تکلیف شرعی تمہاری وسعت کے اندر
ہے۔ تو آرام طلبی نہ کرو۔ فاعبدہ واصطبر لعبادتہ (مریم ۴) خدا کی عبادت کیا کرو۔

اور اُس کی عبادت میں جو تکلیف پہونچے۔ اس کو برداشت کیا کرو۔ مگر عبادت وہ ہو جس میں
خشوع و خضوع ہو حضوری کی کیفیت ہو۔ صرف عبادت ظاہری اور دکھاوے کی بے معنی
اور بے مفہوم کی نہیں جیسا کہ بعض کہتے ہیں ومن الناس من یعبد اللہ علی حرف بعض
لوگ خدا کی عبادت کرتے ہیں تو کنارے سے (حج ع۲) یعنی اوپر اوپر اللہ تبارک
تو ایسی اوپری عبادت مطلوب نہیں۔

قرآن مجید کے اوامر و نواہی کی بصدق و اخلاص تعمیل عبادت ہے۔ نماز روزہ ہو تو حج و زکوٰۃ
ہو تو ظلم و قتل سے بچنا ہو تو چوری اور زنا سے بچنا ہو تو۔ یتیمی غیبت دل آزاری نفاق جھوٹ
اور حق تلفیوں سے بچنا ہو تو خدا کے اوامر کی تعمیل اور نواہی سے پرہیز باعث ہیں اسمانی برکتوں
کی ولو ان اہل القریٰ اٰمنوا واتقوا لفتحنا علیہم برکٰت من السماء والارض ولکن کذبوا
فاخذنٰہم بما کانوا یکسبون۔ اگر قریہ والے ایمان لاتے اور پرہیزگار بنتے تو ہم ان پر
آسمان و زمین کی برکتیں ضرور کھول دیتے مگر انھوں نے جھٹلایا تو ان کے کرتوت کے سبب
ہم نے اُن کو دھر لیا۔ (اعراف ع۱۲) اگر تم بھی ایمان کے ساتھ پرہیزگار بنتے تو تم پر بھی
برکتیں نازل ہوتیں مگر تم کہاں بنے۔ دیکھ لو۔ خدا نے فرمایا تھا فاتقوا اللہ واصلحوا ذات
بینکم اللہ سے ڈرو اور آپس میں اصلاح کرتے ہو (انفال ع۱) آپس میں اصلاح کے بدلے
تم تو آپس میں جھگڑے لا تنازعوا فتفشلوا وتذہب ریحکم واصبروا۔ آپس میں جھگڑو نہیں
ورنہ منتشر ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اس میں تکلیف بھی پہونچے تو صبر کرتے رہنا
(انفال ع۶) اتفاق قومی کی تعلیم تھی کیا اس سے یہی تھی کہ شیعہ و سنی خلافت میں
جھگڑیں اور پولیٹکل جھگڑوں کو مذہب بنائیں کہ انتخاب کو تو تیرہ سو برس ہوئے اور دو وہیں
کے جھگڑے آج خون خرابہ تک نوبت پہونچائیں اور بے نتیجہ۔ یہ تو احداث مذہب کو
رسول مذہب سمجھ کر آپس میں جوتی پیزار کریں جب سے فتنے اٹھیں۔ یا مقلد غیر مقلد آمین بالجہر
رفع یدین۔ قرات فاتحہ خلف امام وغیرہ وغیرہ کو اختلاف مذہب سمجھ کر فساد پھیلائیں اور ایک
دوسرے کو مسجد میں خدا کی عبادت اور خدا کی یاد سے روکیں! ومن اظلم ممن منع
مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ کی کھلی کھلی نافرمانی کریں تو آج مقدمہ کوئی جیتے کوئی
کوئی ہو خدا کی مسجد کسی فرقہ کی ہو جائے مگر کل یہ سب اپنے مکافات سے بچ نہیں
جیسا کہ خدا نے فرمایا تھا۔ یہاں تو ان سب کی ہوا اکھڑ چکی۔ اور وہاں یہ اٹھیں فریادی ہوں گی

اور خدا سے اپنا خون بہا طلب کریں گی۔
مسلمان جیسا کہ یہود سمجھے کہ ہم تو خدا کے پیارے ہی ٹھہرے۔ یا عیسائی سمجھتے ہیں کہ ہم تو خدا کے اکلوتے بیٹے ہی کی امت ہیں تکمیل مذہب سے فارغ۔ یا اُن کے تین دن جہنم میں رہنے سے (خدا پناہ دے) ہمارے گناہ۔ گناہ ہی نہیں رہتے۔ تم یہ سمجھنا کہ ہم آخر الزماں کی امت ہیں جہنم میں جانے ہی کے نہیں۔ یہ واقعہ کربلا کے سبب عیسائیوں کی طرح ہمارے گناہ بھی گناہ نہیں رہتے جیسے حضرت عیسٰی علیہم السلام سب کے گناہوں کے بدلے سطلوب ہوئے حضرت امام بھی سب کے گناہوں کے بدلے شہید ہوئے کیونکہ خدا نے فرمایا ہے ثم جعلناکم خلٰئف فی الارض من بعدھم لننظر کیف تعملون ہم نے اگلوں کے بعد تم کو زمین میں خلیفہ بنایا تاکہ دیکھیں کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو (یونس ع ۲) تمام امتحان میں ڈالے گئے ہو۔ اگلوں کی طرح۔ مگر انھوں نے کامیابی حاصل کی اور فائز المرام ہوئے اور تم اس امتحان میں ناکام رہے کسی سبجکٹ میں بھی نمبر نہ لائے۔ ہر طرح عدول حکمی اور نافرمانیوں کے مرتکب ہوئے۔ قانون خداوندی کی غفلت و بے پرواہیوں سے تو یہ بے وقری کی یہ سبب ہے مسلمانوں کے افلاس کا ادبار کا۔ خانہ جنگیوں اور خانہ ویرانیوں کا افسوس صد افسوس۔ اب بھی چیتو۔ اور خدا کے حضور میں توبہ کرو۔ قرآن مجید کو پڑھو۔ پڑھاؤ۔ بغل میں دباؤ۔ سروں پر رکھو۔ پہلے اپنے کو تبلیغ کرو۔ پھر خلق اللہ کو پہونچاؤ۔ اور اُس کی ہدایت کے بموجب تقشف و تزکیہ کر کے اپنے کو آئینہ بناؤ کہ تجلی جمال جہاں آرا دیکھ سکو۔

موضوع و غرض تصنیف کتاب

کیوں افسوس نہ ہو۔ دل و جگر ٹکڑے ٹکڑے کیوں نہ ہو جائیں۔ مسلمان جن کے بھلے حال کو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ترستے رہے۔ وہ اس حال کو پہونچ گئے جس حال کو نبی خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کے دشمن مخالفین اسلام پہونچے ہوئے تھے نفس و ہوا کا گھٹا ٹوٹ بادل ایسا اُٹھا کہ اسلام کا آفتاب چھپ گیا۔ غیظ و غضب کی بجلیاں کوندنے لگیں۔ خود غرضیوں اور شہوت پرستیوں کی کڑک نے سب کے دل ہلا دیئے آپس کی نا اتفاقیوں کی تاریکی چھا گئی۔ فلاکت و ادبار کے اولوں نے انسانی اور اسلامی صفات کے پھولوں کو پھلوں کو مسمار کر دیا۔ عوام تو کالانعام ہو گئے اور خواص ان سے بھی گئے گذرے

رنگ یہ چھا رہا ہے کہ کہیں یہ قوم مغضوب کے گروہ میں نہ مل جائے جن کا وجود بار ہے تو عیش
و بے حیائی اور ذلت و رسوائی کی تلخی چکھنے کے لیے۔

جو شاخ سوکھ جائے اُسے توڑ دو تاکہ درخت نہ سوکھے جو عضو سڑ جائے اسے کاٹ دو تاکہ سارا
جسم نہ سڑ جائے فطرت کا قانون کم کو جذب اور کمتر کو سلب کر دیتا ہے۔ مسلمان اس حال کو پہنچ
رہے ہیں کہ عنقریب وہ سوکھی شاخ کی طرح کاٹے جائیں گے اور مصائب کے اندھیرے میں چھپ جائیں گے
یا دوسری قوت میں سلب ہو جائیں گے جس کو مسخ ہونا کہتے ہیں اگر اب بھی ہوش نہ کریں گے۔

مسلمان اس حال کو کیوں پہنچے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کا تعلق خدا سے ہٹ گیا ہے
ان کی نسبت خدا کے بھیجے ہوئے قرآن سے ٹوٹ گئی ہے یہ بزمِ ماسوا کے شریک اور ماسوا
کی محبت کے متوالے ہو گئے ہیں انھوں نے اپنا تعلق مرنے والے انسان سے جوڑا
اور ان کی نسبت رطب و یابس انسانی تصنیفوں سے ہو گئی ہے میں نے شریعۃ الحق لکھی
اسی غرض سے کہ وہ خدائی شریعت کو جانیں شریعت عین حقیقت ہے مگر شریعت پر دیانت
کے ساتھ عمل کرنا بغیر تصفیہ و تزکیہ کے ہو نہیں سکتا۔ اس لیے اس منہاج الحق میں جو
قرآن مجید کو بیان کرتا ہے یعنی تصوف قرآنی بس یہی اس کتاب کا موضوع ہے تاکہ شیعہ اہل حدیث
سنی اہل قرآن اور اسلام کے جتنے فرقے بھی ہوں۔ اولاً ان بیجا ناموں کو مٹا دیں جیسا کہ
شریعۃ الحق میں میں نے قرآن کی آیتوں سے اس کو بتایا ہے اور اپنے کو صرف مسلمان کہیں
جیسا کہ سب پیغمبروں نے اور خود ہمارے رسولؐ نے بھی اپنے کو کہا مسلمان ہونے کے
اپنے کو خالص مسلمان بنائیں جس کی تعلیم خدا نے کی ہے جو اس کتاب میں بتائی جاتی ہے کہ
خدا پر ایمان لانے والوں کے لیے چارہ نہیں ہے کہ وہ صریح آیتیں پا کر بھی قرآنی تصوف
سے انکار کریں یہی غرض اس کی تصنیف سے ہے۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ
توکلت والیہ انیب۔

آغاز کتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصوفِ قرآنی

یا ایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملٰقیہ ۔ اے انسان تجھ کو اپنے خدا تک پہنچنے میں کوشش کرنی چاہیے۔ پوری کوشش پھر تو اس سے جا ملے گا (انشقاق) اس آیت نے غیر تسندوں کو غیرت دلائی۔ اور ہمت والوں کو ہمت۔ مگر خدا تو کوئی جسمانی بت نہیں جس کی راہ جسمانی ہو وہ تو روح سے بھی الطف ہے۔ اس لیے اس کی راہ روحانی ہی ہو سکتی ہے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ خدا کوشش کرنے کو بھی فرمائے اور اس کی راہ بھی نہ بتائے۔ قرآن مجید اسی لیے تو نازل ہوا کہ انسان عزکی وسطوت ہو کر خدا رسیدہ ہو اور دیکھو
اب میں قرآن مجید سے دکھانا چاہتا ہوں کہ روحانی راہ خداوند عالم نے کیا تعلیم فرمائی ہے
(انہ لقول فصل ۔ بے شک قرآن ہی قول فیصل ہے (الطارق)
الم ۔ ذٰلک الکتٰب لا ریب فیہ ھدًی للمتقین یہ قرآن وہ ہے کہ اس میں شک کو دخل ہی نہیں۔ یہ متقیوں کو ہدایت کرنے والا ہے (بقرع ۱) لا ریب فیہ اور لا ریب فیہ من رب العٰلمین دونوں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ دونوں وطرز کلام ہیں۔ تو دونوں کے دو معنی بھی ہیں۔ لا ریب فیہ کے معنی ہیں۔ کہ اس میں ریب اور شک کو دخل ہی نہیں۔ جو میں نے ترجمہ کیا ہے یعنی یہ سراسر حق ہی ہے اور لا ریب فیہ من رب العٰلمین کے معنی ہیں۔ کہ قرآن کے خدا کی طرف سے ہونے میں شک ہی نہیں۔ بہر کیف۔
غور و فکر کی جگہ یہ ہے کہ قرآن مجید جو متقیوں کے لیے ہادی ہے تو وہ کونسی ہدایت ہے جو بعد التقا ملتی ہے۔ اسی ہدایت کا نام تصوف پڑ گیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ہدایت بھی اسی کتاب قرآن مجید سے ہی ملتی ہے اور اس کا ہادی بھی قرآن ہی ہے۔ اس لیے تصوف حقیقی کی تعلیم تمہیں قرآن مجید ہی میں ملے گی تو اب سے اس کو زہد خشک نہیں بلکہ زہد تر سمجھو یہ ہدایت جو بعد التقا ملتی ہے یہ ہدایت صراط مستقیم کی ہے جو سیدھی خدا تک گئی ہے جس کا

پتہ سورۂ فاتحہ سے ملتا ہے۔ سورۂ فاتحہ پڑھ جائیے۔ اور اسلام کے بعد۔ ایمان کے بعد۔ اسکی
حمد کے بعد۔ اخلاص مندانہ عبودیت اور استعانت کے بعد۔ خداوند عالم اس ہدایت طلبی کی ہدایت
فرماتا ہے (اھدنا الصراط المستقیم) اے خدا ہم کو صراط مستقیم کی ہدایت کر پھر وہ کونسی ہدایت
ہے جو سلوک کے مدارج طے کرنے کے بعد ملتی ہے اور جس کی درخواست ہر نماز میں اور ہر نماز کی
ہر رکعت میں کی جاتی ہے۔ صراط مستقیم غور کرنے کی چیز ہے یہی صراط مستقیم ہے جس کا دوسرا
نام دوسری صدی میں تصوف پڑ گیا تو صراط مستقیم کو خود خدا فرماتا ہے (انک لتھدی الی
صراط مستقیم صراط اللہ الذی لہ ما فی السموات وما فی الارض) اے رسول
بے شک تم صراط مستقیم کی ہدایت کرتے ہو صراط مستقیم ہے کیا؟ یہ صراط اللہ ہے۔ خدا کی
راہ ہے ایسا خدا کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا (شوری ع۵) صراط مستقیم کو
خدا نے فرمایا کہ یہ صراط اللہ ہے اے لوگو ایمان لاؤ کہ خدا کی راہ آنحضرت نے قرآن دیکر
تعلیم فرمائی ہے۔ اگر یہی صراط اللہ تصوف ہے جیسا کہ قرآن مجید اور تاریخ تصوف میں میں نے
بیان کیا ہے۔ تو یہی حقیقی اسلام ہے قرآن کے اندر ہے اور اگر تصوف خدا کی راہ نہیں تو یہ کسی طرح
کام کی چیز نہیں۔ اسی صراط اللہ کا نام قرآن میں صراط العزیز الحمید بھی ہے۔

صراط اللہ اور دین اللہ دین قیم ایک چیز ہے جیسا کہ خدا نے فرمایا (قل اننی
ھدانی ربی الی صراط مستقیم دینا قیما ملۃ ابراھیم حنیفا) کہہ دو کہ بے شک
خدا نے صراط مستقیم کی طرف میری ہدایت کی ہے جو ٹھیک دین ہے یعنی ملت ابراہیم جو یکسو
ہو رہے تھے (انعام ع۲۰) صراط اللہ کا رہرو (صوفی) یکسو ہوتا ہے۔ (اقم وجھک
للدین حنیفا) قائم رکھو اپنی توجہ کو دین کے لیے یکسو ہو کر (یونس ع۱۱) (للدین
فرمایا یعنی یکسو ہو کر دین سے غافل نہ ہو جاؤ احکام شرعیہ سے کسی حال میں چھٹکارا نہیں
اسی صراط اللہ کی صفت ہے دین خالص بھی (الا للہ الدین الخالص) آگاہ رہو دین
خالص خدا ہی کے لیے (زمر ع۱) اسی صراط اللہ کا نام طریق احسان بھی ہے
(ومن احسن دینا ممن اسلم وجھہ للہ وھو محسن) اس سے کس کا دین بہتر جس نے
تسلیم توجہ خدا کو کیا۔ اور وہ احسان کی راہ چلنے والا ہو صراط اللہ کا رہرو (صوفی) اپنے
نفس کو بیچ دیتا ہے۔ تاکہ خدا کی رضا اس کے عوض میں لے (ومن الناس من یشری
نفسہ ابتغاء مرضات اللہ) (بقرہ ع۲۴) وہ خدا کو مضبوط پکڑ لیتا ہے۔ تو اسے

صراط اللہ (تصوف) کی راہ دکھائی جاتی ہے ومن یعتصم باللہ فقد ھدیٰ الی
صراط مستقیم (اٰل عمران ۹ع) صراط اللہ پر چلنے سے اُسے عین الیقین یعنی ایمان ثانی
نصیب ہوتا ہے جس کو خدا نے فرمایا۔ یاایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا باللہ ورسولہ (نساءع۲)
جب صراط اللہ کے رہرو اس صفت پر پہونچتے ہیں کہ خدا نے انھیں دوست رکھا۔ اور
انھوں نے خدا کو یحبھم ویحبونہ تو یہی اولیا اللہ ہیں۔ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ
جو خدا کو دوست رکھتے ہیں۔ تو خدا نے فرمایا الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھم
یحزنون (یونس ع۷) بے شک اولیاء اللہ کو نہ خوف ہوتا ہے نہ وہ محزون ہوتے ہیں
کیونکہ یہ تو دارالسلام میں ہیں۔ جو مقام خدا کے قرب میں ہے لھم دارالسلام عند ربھم
(انعام ع۱۵) اے لوگو! خدا تمھیں اسی دارالسلام کی دعوت دیتا ہے واللہ یدعو
الیٰ دارالسلام (یونس ع۳) مگر یہ ہر کے نصیب کا حصّہ نہیں۔ کیونکہ اسی کے بعد آتا ہے
یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم تصوف کی راہ ہر کو نہیں۔ بلکہ جس کو جو چاہتا ہے
اُس کو دکھاتا ہے۔

صراط اللہ کا رہرو (صوفی) دارالسلام میں داخل ہوتا ہے جو مقام قرب ہے۔ خدا نہیں بن جاتا
حاشا نہیں ہوجاتا اللہ اللہ ہے بندہ بندہ۔ وہ ہے۔ وجود انکے لئے ہے یہ نہیں یہ عدم وجود
اس کے لیے ہے اس کی ظاہر ہستی دیکھنے ہی کی ہستی ہے کہ ہے اور نہیں ہے۔

آجکل کے مسلمانوں میں جو آئیں بیان ہوئیں ان کا اور ایسی کل آیتوں کا ترجمہ ہی کر دینا
سمجھا جاتا ہے کہ سمجھ میں بھی آگئیں اور عمل میں بھی آگئیں کیونکہ ان کے نزدیک قرآن میں
چند مجمل احکام کے سوا اور ہے کیا۔

قرآن میں احکام وہدایات ہیں جو صریح ہیں ان کو میں احکام کہوں گا اور جو غیر صریح اشارۃً
کنایۃً۔ اور حکایۃً ان کو میں ہدایات کہوں گا۔ احکام وہدایات ظاہری کی تعمیل شریعت ہے
باطنی اور روحانیت کے ساتھ تعمیل طریقت ہے شریعت وطریقت کے ملنے سے
جو انکشاف ہوتا ہے وہ حقیقت ہے۔ شریعت وطریقت کرنی ہے اور حقیقت لطف ونتیجہ
شدنی ودیدنی۔ اسلام ان سب کا مجموعہ ہے مثلاً نماز پڑھو تلاوت قرآن کرو۔ شریعت ہے
معانی ومفہوم خدا کی یاد۔ دھیان بحضور قلب خشوع وخضوع اخلاص یکسوئی کے ساتھ
ادا کرو تو طریقت ہے اس سے جو تم پر وارد ہوگا۔ وہ حقیقت ہے۔ اسلام ان سب کا

مجموعہ ہے سمجھنے سمجھانے کے لیے مختلف نام رکھے گئے مضایقہ نہ تھا. مگر تفرقہ پڑ گیا
غرض اسی روحانیت اسلام کا نام تصوف پڑ گیا ہے میں دکھا دوں گا کہ ریاضات تصوف
جو رسوم سے پاک ہے اسلامی بالاصل ہیں.
شریعت تو شریعۃ الحق میں دیکھو. روحانی راہ کا جزو اعظم اخلاق ہے اس لیے میں پہلے
اخلاق کو بیان کرونگا پھر مجاہدات و ریاضات کو بیان کروں گا۔

اخلاق کا طرز بیان

اخلاق کے متعلق کتابیں لکھی گئی ہیں مگر اس کے اجزا منتشر کرکے بیان کئے گئے ہیں
جس سے اس کی کما حقہ تفصیل اک طلسم کشائی سے کم نہیں رہی! اس سے دماغ منتشر
اور مطلب فوت ہو جاتا ہے میں نے اس طرز بیان سے اختلاف کیا ہے! اور اخلاق
کو اصول و ارکان و دوائر کے علمی لباس میں بسند قرآنی آراستہ کیا ہے تاکہ دماغ مجتمع ہوا
اور اصول اخلاق کم سے کم نصب العین ہو جائے! اور صفات اخلاقی سہل التحصیل ہو جائیں۔
اس میں شک نہیں کہ اخلاق اک تصوف کا اک جزو اہم ہے جن لوگوں نے تصوف ہی کو
اخلاق کہا۔ انھوں نے بھی مطلق غلطی نہیں کی۔ تو اگر میں اخلاق کے اجزا کو تفصیل وار
موجودہ روش سے بیان کردوں تو کتاب ضخیم ہو جائے گی جس کی فہرست بھی طالب حق
کو یاد نہ رہ سکے گی! اور ان کی تفصیل کی توقع تو کجا! ماسوا اس کے مجھ کو بہتیری جگہ علما خیال
سے اختلاف کرنا پڑے گا! اور اختلاف قصے قضیے کی بنا ہے اس میں مطلب فوت
ہو جاتا! اور بحث قائم رہ جاتی ہے۔ پھر اس میں طبع آزمائیاں ہونے لگتی ہیں اور مطلب
کھو جاتا ہے
مثلاً۔ توکل میں کہوں گا کہ توکل کے یہ معنی نہیں کہ ہاتھ پاؤں توڑ کے بیٹھ رہو۔ یہ روش
حضرت رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ اور خدا کی دی ہوئی نعمتوں کی
ناشکری! بلکہ توکل کے معنی ہیں۔ کہ جو کچھ کرو وہ خدا کے بھروسے پر کرو۔ توکل کسب و اکتساب
کو روکتا نہیں۔ بلکہ کسب و اکتساب ہی کے ساتھ تو توکل ہے اگر توکل کے معنی ہاتھ پاؤں
توڑ کر خلوت نشینی کے ہوتے تو سارے صحابہ خلوت نشیں ہو جاتے اور دین اسلام چند
کوٹھریوں میں مدفون ہو جاتا فاذا عزمت فتوکل علی اللہ جب عزم و ارادہ کرو تو خدا پر

بھروسا کرو (آل عمران ۱۵۹) توکل بعد عزم وارادہ کے ہے۔ یہ نہیں کہ جب کام کا
عزم کرلو تو کام چھوڑ کر بیٹھ رہو تو توکل ہوگا۔
اسی طرح مثلاً قناعت کرو میں کہوں گا کہ قناعت کے یہ معنی نہیں کہ زیادہ حاصل نہ کرو۔ یا
زیادہ خدا دے تو اس سے انکار کرو۔ بلکہ قناعت کے معنی ہیں کہ جو کچھ خدا نے تمہیں دیا
ہے اس پر راضی رہو۔ تمہارا دل واویلا اور فریاد نہ کرے۔ رضا عام ہے ہر طرح کی مصیبتوں اور
آفتوں میں عالم کے ہر ایک واقعات میں راضی برضا ہونا رضا ہے اس کی شاخیں ہیں مال و زر
میں رضا قناعت ہے۔ اور مصیبتوں میں رضا صبر۔ یہ قناعت تمہیں مزید اکتساب میں معین ہوگی
کیونکہ قناعت موجب ہوگی جمعیت خاطر کی۔ اور ہر کام کا دینی ہو یا دنیاوی راس المال جمعیت
خاطر ہی ہے جو بے قناعت کے حاصل ہو نہیں سکتی۔
صبر کرو میں کہوں گا کہ صبر یہ نہیں ہے کہ تکلیف محسوس کرنے کا حس باطل ہو جائے یہ تو خلاف
فطرت اور شقاوت ہے صبر یہ ہے کہ تکلیف کی باتوں میں تکلیف محسوس ہو مگر اس کو سکون
دل کے ساتھ برداشت کرو جیسے انبیا نے تکلیف محسوس تو کی لیکن سکون کے ساتھ برداشت
کر لیا جیسا کہ خدا نے فرمایا ولقد نعلم انہ لیحزنک الذی یقولون۔ لوگ جو کہتے ہیں اس
سے حزن وملال تم کو پہنچتا ہے ہم جانتے ہیں یعنی آپ کو بھی حسب اقتضائے فطرت بدکلامیوں
کی تکلیف پہنچتی تھی تو فطرت کی تکمیل کرو فطرت کو مٹاؤ نہ۔ تکلیف محسوس کرنے کے بعد
برداشت کر لینا۔ اور راضی ہونا سخت مشکل کام ہے۔ فطری قوتوں سے کام کر لینا ہے
اسی لیے اس کے بلند درجے بڑے ہیں۔ ورنہ انسان کے لیے پتھر ہو جانا کونسی صفت ہے
ان جھگڑوں میں پڑنا مجھے اس وقت جائز ہوتا جب میں طالب کو اصطلاح کی زنجیروں
میں جکڑنا چاہتا۔ اور بجائے طلب حق کے اس کو طالب مقامات بنانا پسند کرتا کہ وہ توکل پر قدم
راست کرے۔ قناعت پر قدم راست کرے اور اسی رفتار میں وہ لنگڑا اور اسی ادھیڑ بن
وہ ادھیڑا رہ جائے اور ایسا ادھیڑپنے تو خدا کی دی ہوئی نعمتیں اس سے ضائع ہوں اور خدا کے
بے شمار فرمانوں اور بے شمار حقوق کی اس سے حق تلفی اور نافرمانیاں سرزد ہوں۔ طالب مقامات
کے لیے تو وہ طرز بیان ہے جو مروج ہے اور طالب حق طالب مقامات نہیں وہ تو اسکی
رضا کا طالب ہے اس لیے لازم ہوا کہ میں خدا کی رضا سے آگاہ کردوں جو عین اصول
اخلاق ہے اور اس کے ارکان کو بیان کر دوں جو ان سارے مقامات کو حاوی ہے تاکہ

نظر مقصود سے بے راہ ہو اور اخلاق کی کل باتیں بہ پابندی اصول اور بطور عبادت ابتغاءً المرضات اللہ کے اصول پر انجام پائیں۔ اور کہیں پر سے عدول حکمی یا تجاوز عن الحد ہونے کا دہشہ نہ آئے۔

اصول اخلاق یا رضائے مولیٰ

خدا کی مرضی خدا کے افعال سے سمجھو۔ اس نے تم کو پیدا کیا۔ تم میں طرح طرح کی قوتیں رکھیں دنیا بنائی تو اسے بھی طرح طرح کی نعمتوں سے آراستہ کیا۔ دونوں میں فطرتی تعلقات قایم کر دیئے اس سے خدا کی مرضی تم پر کھلی ہوگی۔

خدا نے دنیا کا باغ لگایا ہے کہ پھولا پھلا رہے ہرا بھرا رہے اس باغ کے سارے پودے اپنے انتہا تک اٹھیں اور اپنی پوری شگفتگی پر شگفتہ ہوں۔ اسی طرح تم کو بنایا طرح طرح کی قوتیں تم کو دیں تاکہ متضاد قوتیں انسانی سرزمین میں پرورش پا کر اپنے اپنے پورے کمال و عروج پر پہونچیں اور قدرت کا ملہ آشکارا ہو کہ اک خاکی مخلوق خلیفہ الٰہی ہے تاج کا شایاں ہو کر ملک و ملکوتیوں پر حکمرانی کرے۔

تو اے روح۔ عالم کو دیکھ اور اس کے اسرار کو سمجھ اپنے میں غوطے لگا اور اپنی نہایہ سے تو اس باغ کا باغبان بنائی گئی ہے۔ باغبانی کر۔ دنیا کو دیکھ دنیا وی مخلوق کو۔ ان کے تعلقات کو ان کے حقوق کو اور اپنے کو دیکھ اپنی قوتوں کو۔ اپنے اوزار کو اور اپنے فرایض اور ان کے طریقہ انجام کو اگر تو نے ٹھیک دیکھا ٹھیک سمجھا اور اپنے فرایض کی ٹھیک طور پر تعمیل کی تو یہی انسانیت اور کمال انسانیت ہے۔ خدا نے تجھے انسانی جامہ دیا ہے تو انسان بن۔ انسان کی کمال ترقی دولت و ثروت میں ترقی کرنا نہیں ہے۔ دولت و ثروت کی ترقی تو دولت و ثروت کی ترقی ہے انسان کی ترقی انسانیت میں ترقی کرنا ہے جہاں اندرونی ملکہ انسانی صفا حاصل ہو۔ دل و دماغ کے زنگ کو صاف کر کے پودے اٹھیں۔ عشق و محبت پیدا ہو۔ تجھ میں پروانہ آئے۔ صراط اللہ نور و حانی پرواز ہے۔ خدا کا دست پرور دہ پرند ہو۔ آسمانوں سے گذرے اور بلبل بن کر ایوان وصل کے گلزار میں جس کا نام بہشت بریں رکھا گیا ہے چہچہے کر یہی اسکی مرضی ہے اور یہی باز پرس کے دن کی کامیابی۔

انھیں باتوں پر فکر کرنے نے بنیاد ڈالی اخلاق کی اور یہی رضائے مولیٰ کی علامتیں

ہدایت کی اصول اخلاق کی تو حقیقی قوتیں اور نعمتیں ظاہری یا باطنی خدا نے دی ہیں۔ اُن کو انھیں کاموں میں لگانا جن کاموں کے لیے وہ ملی ہیں اور انھیں حدود کے اندر جو حدود ان کے مقرر کئے گئے ہیں یہی خدا کی رضا اور یہی اصول اخلاق ہے۔ اس کو علمی پیرایہ میں اصولی طور پر سمجھنا چاہو تو یوں سمجھو کہ نعمائے الہیہ کا استعمال صحیح رضائے مولا اور اصول اخلاق ہے۔ اس کو قرآنی اصطلاح میں سمجھنا چاہو تو اتقا یعنی تجاوز عن الحد سے بچنا اصول اخلاق ہے بات ایک ہے۔ جب تجاوز عن الحد سے آدمی بچا تو نعمائے الہیہ کا استعمال صحیح ہو گیا۔ اتقا کے معنی چوری اور زنا ہی سے بچنا نہیں ہے۔ بلکہ ہر قوت اور نعمت کو نہ استعمال کرنے یا بیجا استعمال کرنے سے بچنے کا نام ہے۔ غرض یہ یاد رکھو کہ اتقا یا نعمائے الہیہ کا استعمال صحیح اصول اخلاق ہے۔

یہ کوئی میرا انسانی خیال نہیں ہیں کیا اور نہ آلودہ گناہ کا خیال کیا۔ بلکہ خدا نے ہم کو اصول اخلاق کی یہی تعلیم دی ہے اس نے فرمایا ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم (التکاثر) جو نعمتیں خدا نے تمھیں دی ہیں اُن کی نسبت تم سے باز پرس ہو گی کہ تم نے ان نعمائے الہیہ کا استعمال کس طرح کیا۔ اگر صحیح کیا تو فائز المرام ہو گے۔ اگر غلط کیا تو اپنے کئے کو بھگتو گے ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ جو کچھ تمھارے دل میں ہے ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ خدا اس کا حساب لے گا (بقرہ ع۴۰)

جو نعمتیں خدا نے دی ہیں اور جن جن کاموں کے لیے دی ہیں اُن کی عقل و تمیز دے کر اور پیغمبر اور کتاب بھیج کر ہم کو پوری طرح ہدایت کر دی ہے۔ مذہب نے یہی تو کیا ہے کہ ظاہری اور باطنی قوتوں اور نعمتوں کے طریقہ استعمال اور اُن کی حد بندیوں سے آگاہ کیا اور ہوشیار کیا ہے۔

خدا نے اصول اخلاق کی طرح طرح سے ہدایت فرمائی ہے وھو الذی جعلکم خلئف فی الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجت لیبلوکم فی ما اتکم خدا ہی نے تم کو دنیا میں اپنا خلیفہ بنایا۔ اور ایک دوسرے کا درجہ ایک دوسرے سے بلند کیا۔ تاکہ جو کچھ خدا نے تمھیں دے رکھا ہے اس میں تمھاری آزمائش کرے (انعام ع۲۰) خدا نے ہم کو اپنا خلیفہ بنایا اور نعمتیں دیں تاکہ اصول اخلاق کی تعمیل کی آزمائش کرے کہ ہم نے نعمائے الہیہ کا استعمال کس طرح کیا لیبلوکم فیما اتیکم اصول اخلاق ہی کو بتا رہا ہے۔ اس امتحان میں اگر ہمارے کارنامے ٹھیک اترے تو

نجات ہے وان لیس للانسان الا ما سعٰی وان سعیه سوف یری (النجم ۳۹)
انسان کے لیے تو وہی جو اُس نے سعی و کوشش کی عنقریب اُس کی کوششوں کی دیکھ بھال ہوگی یعنی تم پر جواب دہی قوتوں اور نعمتوں کی نسبت ہوگی جو تم کو ملی ہیں اور کوششوں کی نسبت جو ان کو کام میں لانے کے لیے تم کروگے مثلاً اگر تم کو آنکھیں نہیں ملیں۔ کان نہیں ملے۔ عقل و تمیز نہیں ملی۔ ہوش و حواس نہیں ملے۔ دولت و ثروت نہیں ملی تو ان نعمتوں کی نسبت باز پرس بھی نہیں۔ اگر ملیں اور تم نے بیجا صرف کیا تو یہی تو ظلم اور تجاوز عن الحد ہے ومن یتعد حدود اللّٰه فقد ظلم نفسه جس نے حد سے تجاوز کیا اُس نے اپنے اوپر ظلم کیا (طلاق ۱) ظلم بے جگہ کرنے ہی کو کہتے ہیں۔ تو ظالم کو خدا پسند نہیں کرتا۔ (اذکروا نعمة اللّٰه اور اشکروا نعمة اللّٰه خدا فرمان ہے۔ خدا کی نعمتوں کو یاد کرو۔ اور خدا کی نعمتوں کا شکر کرو۔ تو یاد کرنا یہ نہیں ہے کہ زبان سے اس کی نعمتوں کو گنو۔ کہ تمہارے بیان کی قدر کی جائے کیونکہ تم گن نہیں سکتے۔ یا اُس کا شکر کرنا یہ نہیں ہے جیسے آجکل لوگ شکریہ ادا کرتے ہیں بلکہ اُس کی نعمتوں کا یاد کرنا یہ ہے کہ اس کی نعمتوں پر توجہ کرو۔ کہ نعمت کیوں ملی ہے۔ اس کا مصرف کیا ہے اور کس حد تک ہے اور شکریہ ہے کہ اُن کو انھیں کاموں میں لاؤ جن کاموں کے لیے وہ ملی ہیں اور انھیں حدود کے اندر مثلاً بعض قوت کی حد بندی کو بھی مجھے بتا دینا چاہیے مثلاً خدا نے آنکھ دی تو اس لئے دی کہ اس سے مظاہر قدرت دیکھو کتابوں سے فیض یاب ہوسکو۔ اور ضروریات فطری انجام دے سکو۔ اور علوم و فنون۔ ایجادات و اختراعات سے خلق اللّٰہ کی خدمت کر سکو۔ اور خدا رسی کے ذرائع حاصل کر سکو اس لیے نہیں دی کہ کسی کو بری آنکھوں دیکھو۔ اور نگاہ کو۔ اور نگاہ کی راہ سے دلوں کو ناپاک کرو۔ اسی طرح اُس نے جوش دیا ہمت دی اس لیے کہ تم ہر طرح کی ترقی اور خدا رسی کی راہ میں تیز رفتار بنو۔ یہ نہیں کہ جوش کو غصہ بنادو اور ہمت کو حرص و ہوس۔ علیٰ ہذا ایسے کل اور امر و نواہی کی ہدایت جو مذہب سے ملتی ہے عقل کی صحت رفتار کی کسوٹی ہے جتنی نعمتیں اور قوتیں تم کو ملی ہیں یہ سمجھو کہ یہ خدائی امانت ہے۔ تو اس میں خیانت نہ کرو یا ایها الذین امنوا لا تخونوا اللّٰه والرسول وتخونوا امنتکم وانتم تعلمون اے ایمان والو خدا اور رسول اور اپنے آپس کی امانت میں خیانت نہ کرو۔ تم تو سمجھ دار ہو (انفال ۲۷) خدا کی امانت تو نعمائے الہیہ ہیں۔ اور رسول کی امانت قرآن مجید

جو وہ دے گئے ہیں۔ اور رسول کی امانت کو ہر کوئی جانتا ہے۔ تو ان امانتوں میں خیانت نہ کرو۔ خدا کی امانت کی خیانت یہ ہے کہ نعمائے الٰہیہ کو بے جگہ صرف کرو اور امانت رسول کی خیانت یہ ہے کہ قرآن مجید کی خلاف ورزی کرو۔ اے لوگو ایسی خیانتوں سے بچو۔ اور اصول اخلاق (اتقا) کی نگہداشت کرو۔

اس اصول کو یاد رکھنا چاہیے اور خدائی نعمتوں کو خیال کرنا چاہیے کہ کون کونسی قوتیں ملی ہیں اور کن کن اغراض کے لیے ہر کام میں یہ اصول مدنظر رکھنا چاہیے کہ یہ اصول نصب العین ہو جائے اور ابتغاء مرضات اللہ خدا کی رضا جوئی روش زندگی ہو جائے۔ ریاضت و مجاہدہ یہ ہے کہ کسی قوت کو بے جگہ نہ ہونے دو ان اکرمکم عند اللہ اتقکم خدا کے نزدیک پرہیزگار بزرگ تر ہے تفصیلاً قرآن مجید کی آیتیں تو آیندہ دی جائیں گی جہاں اس کی تعلیم کی گئی ہے۔ مگر یہاں پر ایک بات اور خیال کرنے کی ہے کہ ایک قوت کو کام میں لانے کے لیے اور قوتیں درکار ہوتی ہیں۔ خدا نے ان قوتوں اور ان صفتوں کا بھی عجیب سلسلہ قایم کر دیا ہے جو ظاہرا سمجھ میں نہیں آتا۔ اُس خدا نے جس نے ستاروں میں سلسلہ اور تعلقات قایم کئے ہیں۔ جو انسانی سمجھ سے پرے ہے۔ اُس خدا نے جس نے وہی سلسلہ قرآن کی آیتوں میں قایم کیا ہے دونوں سلسلہ ایک ہیں اور خدائی سلسلہ ہے۔ جو انسانی سلسلہ سے مختلف ہے۔ اسی خدا نے انسانی قوتوں اور انسانی صفات میں بھی اک خاص سلسلہ قایم کر دیا ہے تو جہاں تک اس سلسلہ کی یافت ہو سکے۔ ایسا نہ کرو کہ وہ سلسلہ ٹوٹنے پائے۔ ورنہ یہ عروۃ الوثقی ٹوٹ جائے گا! اور تم زمین پر آتے رہو گے۔

مثلاً خدا نے خواہش کی قوت دی۔ قوت فہم اس کی محرک ہوئی تو یہ ہوس ہوئی۔ ہوس تیز رفتار ہو کر طلب ہوئی۔ طلب رسا ہو اس لیے اُس نے قوت محنت دی۔ طلب و محبت کی معتدل آمیزش سے طلب مودت ہو جاتی ہے۔ مودت تھکے نہیں اس لیے اُس نے ہمت دی۔ ہمت ہمت نہ ہارے اس لیے مودت میں اک حرارت پنہاں رکھی۔ یہ حرارت جب بھڑکتی ہے تو مودت محبت ہو جاتی ہے ان صفات کی حفاظت اور استقامت سے محبت رسا ہو کر خلت ہو جاتی ہے۔ مگر محبت ذرا جلد باز رہے۔ اس لیے اُس نے صبر دیا۔ صبر سکون بخش ہے۔ اس لئے اس نے مادۂ شکر دیا۔ شکر امیدوار بنا کر باعث تو ہوتا ہے۔ از دیاد نعمت کا مگر شکر خنک رفتار ہے اس لیے ہمت توکل کے ساتھ ملی۔ اس حال میں پہونچکر خلعت عبودیت

ہو جاتی ہے۔ اور انسان رضا کے مقام میں پہونچکر خدا کی سچی جاگتی کل بن جاتا ہے
جس سے اعمال حسنہ ڈھلنے لگتے ہیں یہ سلسلہ اک عجیب خدائی سلسلہ ہے وما
یتذکر الا اولوا الالباب یہ سلسلہ صفات تو اک علم علحدہ ہونا چاہیئے۔ اس کی وسعت
مزید تفصیل کی اجازت نہیں دیتی۔ قصے بھی ہمارے غور کرنے کے لئے خدا نے بیان
کئے ہیں فاقصص القصص لعلہم یتفکرون قصوں میں بھی نہایت دلکش پیرایہ میں ہدایت
نصیحت بھی کی گئی ہے خدا نے فرمایا وابتغ فیما اتاک اللہ الدار الاخرۃ ولا
تنس نصیبک من الدنیا واحسن کما احسن اللہ الیک ولا تبغ الفساد
فی الارض ان اللہ لا یحب المفسدین (قصص ع۸) جو کچھ خدا نے تم کو
دیا ہے (یہ بہت عام ہے۔ قوتوں کو بھی شامل ہے اور مال وخزانہ کو بھی۔ آخر مال وزر
بھی تو ایک قوت ہی ہے) اُس سے دین کے فوائد ڈھونڈھو اور دنیا کے فوائد کو
نظر انداز نہ کرو (نہ دین کو بھولو نہ دنیا کو نہ تم دین سے نکل سکتے ہو نہ دنیا سے) تو جیسے
اس نے تم پر احسان کیا (نعمتیں دی ہیں تم بھی احسان کی راہ چلو) اور دنیا میں فساد
نہ پھیلاؤ (کہ ان قوتوں کو بیجا صرف کرنے) خدا فسادی کو پسند نہیں کرتا۔ ہماری قوتیں ہمیں
کس کام کو ملی ہیں اور کن کن خدمتوں میں ان سے کام لینا چاہیئے اور کس حد تک ان سے
ہیں خدا نے تعلیم فرما دیا ہے ربنا الذی اعطی کل شئ خلقہ ثم ہدی ہے خدا ہی نے
ہر شئے کو اس کی فطرت پر پیدا کیا ہے اور اس کی فطرت کے مطابق اس کے فرائض
کی ہدایت کر دی ہے

جب میں نے اصول اخلاق کو بیان کیا کہ یہ نعمائے الٰہیہ کا استعمال صحیح ہے تو مجھے کسی قدر
نعمائے الٰہیہ کو بھی بیان کر دینا چاہیئے۔

نعمائے الٰہیہ

ہم جہاں تک غور وفکر کرتے اور ڈھونڈتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر ذرہ وجود قیام نظام
وجود کا ایک جزو ہے اس لیے سارے موجودات کے تعلقات ایک دوسرے کے
ساتھ بظاہر یا پوشیدہ براہ راست یا کچھ سلسلے طے کر کے وابستہ ہیں۔ ہر جزو وجود و ہر موجود
کے لیے ایک نعمت ہے کیا آسمان و کیا زمین اور جو کچھ بھی ان دونوں میں ہے ہم اگر

ہوں یا نہوں۔ مگر وہ ہمارے لیے نعمت ہے۔ انہی لیے ان پر بواسطہ یا بلاواسطہ ہماری دسترس بھی دی گئی ہے۔ یا ہم کو ان سے فوائد بھی پہونچ رہے ہیں ھو الذی خلق لکم ما فی السموات وما فی الارض مگر کون ہے جو ان بے نہایت نعمتوں کی فہرست کر سکے وان تعد و نعمۃ اللہ لا تحصوھا

لیکن میں اس وقت ان نعمائے الہیہ کی طرف توجہ کرنی چاہتا ہوں جن پر ہم کو دسترس دی گئی ہے اور جن کے بننے بگڑنے سے براہ راست ہم بنتے بگڑتے ہیں یعنی میں اس دوگھونٹ اس جھرنے سے پینا چاہتا ہوں جو روحانیات اور ملکوت عالم میں بہایا گیا ہے جس کا پانی خوشگوار شیریں اور آب حیات ہے۔ وہ صفات کے جھرنے ہیں جو اخلاق کی سرزمین میں بہتے ہیں۔

اے تجزی ناہستی جسے ہر کوئی ہم کہتا ہے جسکی صورت و سیرت جسم و روح سے مشترک ہے۔ اور جو ان دونوں سے بالاتر ہے اگر اس دنیا میں سفر کرنا ہے تو آ کہ انسانیت کے زرخیز و رشک خلد ممالک میں بادشاہ بن کر خلیفۃ اللہی کا تاج سر پر رکھے تو جسم کے جنگی جہاز کو سامان جنگ سے آراستہ کر۔ روحانی برقی قوت کو حرکت دے کر جہاز پوری رفتار سے رواں ہو۔ دیکھ وہ نفس و شیطان کا جہاز مقابلہ میں پھریرا اوڑاتے چلا آ رہا ہے۔ ہوشیار رہ حق ہوش و حواس کے سرچ لائٹ سے دیکھ صفات کے شکر کو آراستگی کا حکم دے عقل و خیال کے توپچیوں کو ہدایت کر۔ کہ ہمت مردانہ کے ساتھ طلب و محبت کی مشین گن کا نشانہ ٹھیک کریں۔ اور ذکر و فکر کے گولوں کی ضربوں سے دشمن کا جہاز ڈوبو دیں اور برائیوں کی آبادی کو خاک سیاہ کر دیں۔ صفات کے افواج کو دشمن کے ساحلوں پر اتار دے۔ اور اطمینان و سکون ابدی کے خزانوں پر جو دشمنوں سے گھرا ہوا ہے قبضہ کر۔ دیکھ دشمن کا جہاز تیزی پر ہے اور اس کی انبوہ فوج چست و چالاک بھی ہے۔ مگر تو پرواہ نکر۔ تیرے صدق کی آبدوز کشتی اور تیرے اخلاص کا تارپیڈو اسے آن کی آن میں تباہ کر دے گا۔

اخلاق کے متعلق جو صفات یا قوتیں ہمیں عنایت ہوئی ہیں وہ منتشر نظر آتی ہیں۔ اس لیے ان منتشر موتیوں کو علمی لڑیوں میں گوندھنا چاہتا ہوں کہ انتشار دور ہو اور سلسلۂ اصلاح کے قایم کرنے میں سہولت پیدا ہو۔

میں نے ان موتیوں کی چار لڑیاں بنائی ہیں یعنی اصول اخلاق کے چار رکن ہیں جن سے

بہتیرے صفات نکلتے یا جن میں بہتیرے صفات ہلاک ہیں۔

(۱) قوت خیال و ادراک (۲) قوت شہوت و خواہش (۳) قوت غضب و جلال (۴) قوت احتیاط و اتقا۔ باقی صفات انھیں سمتوں کے افراط و تفریط یا ان کے [illegible] ترکیب و آمیزش معتدل اور غیر معتدل ہونے سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان قوتوں کی اصلاح نفس ہے قد افلح من زکٰها وقد خاب من دسّٰها مراد کو پہنچا جس نے تزکیہ نفس کیا اور گھاٹے میں رہا جس نے اس کو دبا دیا (الشمس) اسی لیے اصلاح نفس کو خدا نے فرض لازم کیا ہے یا ایہا الذین آمنوا علیکم انفسکم اے ایمان والو اپنے نفس کی اصلاح اپنے اوپر لازم کر لو۔

(۱) قوت خیال و ادراک کو لو۔ خدا نے جب یہ قوت اور نعمت تمھیں دی ہے تو اُس کا جائزہ بھی وہ ضرور لیگا کہ یہ رو براہ رہی یا بدراہ ہوئی۔ یہ اک عجیب نعمت ہے بجلی سے تیز روح سے لطیف۔ ساری قوتوں سے قوی تر اور وسیع تر ایسی کہ سارا وجود ہی خیال نظر آتا ہے سارے افعال و حرکات کی کنجی۔ یہ خیال ہے۔ تو اس قوت کو خدا کی تعلیم کے مطابق راہ پر لگاؤ۔ افراط و تفریط سے بچاؤ اور نافرمانیوں میں بے راہ ہونے نہ دو۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ قوت مطلق العنان کر دی گئی ہے۔ بلکہ قوت خیال و ادراک کی روک تھام کیلئے قوت انضباط و قوت اتقا بھی خدا نے دی ہے۔

اگر قوت خیال و ادراک کی رفتار صراط مستقیم پر ہوگی تو اس کو اولاً اپنی ہستی کا علم ہوگا کہ میں ہوں پھر اپنے بنانے والے کا پھر اس کی قدرت کا یعنی قانون قدرت کا۔ پھر اس کے قیام و شئے نظم و انتظام یعنی قانون فطرت کا۔ اس سے ضرورت محسوس ہوگی۔ رسالت اور سنت الٰہیہ کی۔ یہ کتاب الٰہی پر عمل موجب ہوگا انسانیت کے کمال ترقی کا اس سے ہوش آجائے گا تحفظ نفس کا جس میں داخل ہے تحفظ ایمان۔ تحفظ جسم و جان۔ تحفظ آبرو۔ تحفظ آزادی رائے و اطوار یعنی ساری قوتوں کا تحفظ جیسے تحفظ نفس کہو و ما یتعلق بالنفس۔ پھر اس تصحیح خیال سے حاصل ہوگی جودت۔ رائے صائب۔ جمعیت خاطر۔ بلند ہمتی۔ حکمت و فراست۔ اور عصمت۔ یہ کڑیاں صفات محمودگی ہیں اور اگر یہ قوت ادھر ادھر افراط و تفریط کے گڑھے میں گر پڑی تو پل صراط کے دونوں ہی جانب جہنم ہے۔

اگر قوت خیال افراط کی چال کر بدراہ ہوئی تو غرور، خود دانی، انانیت، رہبانیت، دہریت

ولا مذہبیت تک پہونچکر صفات انسانی کی بیخ کن۔ زمرۂ حیوانات میں داخل کرنے والی اور انسانیت کی منہ بولی دعی ہوگی۔
اور اگر یہ قوت تفریط کی راہ چلکر بدراہ ہوئی تو ابلہی۔ حماقت۔ تنزل۔ بدباطنی۔ غفلت و گمراہی۔ شکوک و بے اطمینانی تک پہونچکر صفات انسانی کی بیخ کن زمرۂ حیوانات میں داخل کرنے والی۔ اور اولئک کالانعام بل ہم اضل کی مصداق ہوگی۔ یہ گڑہا ہیں صفات سوم کی پل صراط کے دونوں ہی جانب جہنم ہے۔ مبارک وہ جو صراط مستقیم کے اس پل صراط پر پار اتر جائے۔
(۲) قوت شہوت و خواہش کو لو۔ خدا نے جب یہ قوت اور نعمت تمھیں دی ہے۔ تو اس کا جائزہ بھی وہ لے گا کہ یہ قوت کیا کچھ حاصل کر کے لائی ہے یا خیالی دوڑ میں بدراہ ہوگرائی ہے اگر اس کی رفتار صراط مستقیم پر ہوگی تو اس سے اوصفات پیدا ہونگے مثلاً ایفائے عہد امانت و دیانت محبت۔ رحم۔ ایثار و کرم۔ جود و سخا۔ صبر و قناعت۔ حیا و بربادی۔ توکل و رضا۔
اس وقت کو بھی اعتدال اور صراط مستقیم پر قایم رکھنے کے لئے ضرورت ہے۔ قوت انضباط و قوت اتقائی۔
اگر یہ قوت و خواہش افراط کی راہ پر چل کر بدراہ ہوئی تو اس سے اوصفات پیدا ہونگے مثلاً حب دنیا۔ بخل۔ خیانت۔ حرص و طمع۔ حسد و بہتان۔ فخر و اسراف۔ کبر و غرور۔
اور اگر یہ تفریط کی راہ چلکر بدراہ ہوئی تو اس سے اوصفات پیدا ہوں گے مثلاً سستی۔ نامردی پست ہمتی۔ شکوہ و شکایات۔ جزع و فزع وغیرہ پل صراط کے دونوں ہی جانب جہنم ہے مبارک وہ جو صراط مستقیم کے اس پل صراط پر اتر جائے۔
(۳) قوت غضب و جلال کو لو۔ خدا نے جب یہ قوت اور نعمت تمھیں دی ہے تو اس کا جائزہ بھی وہ ضرور لے گا کہ یہ قوت کیا کچھ حاصل کر کے لائی ہے یا بدراہ ہوکر آئی ہے۔
اس قوت کو بھی صراط مستقیم پر قایم رکھنے کیلئے قوت انضباط قوت اتقائی ضرورت ہے۔
اگر یہ قوت غضبی صراط مستقیم پر ہوگی۔ تو اس سے اوصفات پیدا ہوں گے مثلاً حفظ اللسان عجز و انکسار تواضع و ملنساری رفق و نرمی۔ عفو و درگذر حلم و تحمل۔ صدق و راستی صبر و شکر۔ علو ہمت۔ ثبات و استقلال۔ استقامت اور شجاعت وغیرہ اور اگر یہ قوت غضبی افراط کی راہ چل کر بدراہ ہوئی تو اس سے اوصفات پیدا ہوں گے مثلاً تمسخر آوازے کسنا۔

ترک ملاقات بصلہ رحمی کو توڑ دینا۔ مارپیٹ۔ گالی گلوچ۔ سخت دلی و درشت مزاجی کینہ۔
عداوت بغض تہور۔ قتل وظلم وغیرہ۔
اور اگر یہ قوت تفریط کی راہ چل کر بدراہ ہوئی تو اس سے اوصفات پیدا ہوں گے۔ مثلاً
بزدلی۔ سخن چینی۔ دروئی چغلخوری۔ غیبت اور نفاق وغیرہ۔
صراط مستقیم پل صراط ہے اسکے دونوں جانب افراط و تفریط کا جہنم ہے مردمیدان وہ ہے
جو اس پل صراط کو پار اتر جائے۔
(۴) اخلاق کے چوتھے رکن قوت انضباط و اتقا کو۔ یہ تینوں ارکان اخلاق جو اوپر
بیان ہوے۔ ان سب کو جادۂ اعتدال پر رکھنے کے لیے قوت اتقا کی ضرورت ہے۔
وہ ساری قوتیں بے قوت اتقا کے صراط مستقیم پر رہ سکتی ہی نہیں۔ اسی لیے اس قوت
کی بڑھی منزلت ہے خود خدا نے فرمایا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم جو متقی تر وہ عند اللہ
بزرگ تر۔ قوت اتقا کا فرض ہے کہ وہ ساری قوتوں کو افراط و تفریط کی راہ سے بچائے
کیونکہ یہی افراط و تفریط ظلم ہے۔ جو خدا کو پسند نہیں۔
اگر یہ قوتیں قوت اتقا کی حرکت سے نہ ڈگیں۔ تو یہ نعماے الہیہ کا صحیح استعمال ہوگا۔ ایسی
صورت میں یہ قوتیں مع اپنی فروغ قوتوں کے اخلاقی دوائر کو جن کا بیان آگے کے ساتھ
آتا ہے۔ بہ احسن وجوہ طے کریں گی۔ اور انسان کو اس کے فرایض سے سبکدوش کرکے
کامل انسان بنائیں گی۔ جو مرکب القوے انسان کی پیدایش کی غرض و غایت ہے۔ وہ نہ حفظ
نفس کا قلعہ ٹوٹ جائے گا۔ اور نامرادی کی فوج لوٹ لے گی۔ اور نفس و شیطان مصائب
والام سے بھرے جہنم کی جیل میں قید کریں گے۔
خدا نے فرمایا ہے انا ھدینٰہ السبیل اما شاکرا و اما کفورا اے لوگو!
خدا نے جنت و جہنم کی راہ بتادی۔ اور جس طرح تم کو قوتوں اور نعمتوں سے مالا مال کیا اسطرح
اس نے خفیف سا اختیار بھی دیدیا کہ جدہر چاہو جاؤ تمھیں اختیار ہے پھر اگر جہنم کی
راہ لو تو تم آپ گئے۔ آپ مصیبتیں جھیلیں۔ خدا کو ظالم کیوں کہو اپنا کیا اپنے آگے۔

تقسیم اصول اخلاق

اصول اخلاق کے دو جلی دائرے ہیں ما للہ کا حق اور ما سواے اللہ کا حق اور جزکرو

دائرہ خود نفس انسانی ہے۔

(۱) اللہ کا حق ایسا وسیع دائرہ ہے جو سارے دوائر کو محیط ہے۔ اور اس سے منسلک دو دائرے باریک ہیں۔ ایمان و عمل کمان کی طرح۔

(۲) ماسوی اللہ کا حق بھی ایک جلی دائرہ ہے جس سے منسلک دو باریک دائرے ہیں۔ حقوق انسان اور حقوق ماسوائے انسان۔

جس کا نصب العین یہ دائرہ محیط رہے گا۔ اس کی نظر موحدانہ توحید کی ہوگی۔ اور وہ ان سارے دوائر کو اپنے احاطہ میں پائے گا۔ اور اپنے ہیں۔ اور جس کا نصب العین دائرہ محاط ہوگا اس کی نظر مشرکانہ ہوگی۔ تو دوائر کی جھلکیاں اسے سہی ڈالیں گی کیونکہ محاط سارے دوائر کا دائرہ محیط ہی ہے۔

دائرہ کے لیے مرکز ضروری ہے اس لیے پہلے میں مرکز کو بیان کروں گا۔ پھر دوائر کو بیان کروں گا میں نے بیان کیا ہے کہ مرکز دوائر خود نفس انسانی ہے۔ نفس انسانی ہی ہے جو متعلقات کس سے اور حقوق کس پر۔

مرکز اخلاق

مرکز اخلاق نفس انسانی ہے۔ پہلا خیال تو یہ کہ ہم ہیں اس لیے پہلا حق اپنا آپ اپنے اوپر ہے۔ وہ حق یہی اصول اخلاق کا برتنا ہے۔ جو نعمتیں خدا نے ہم کو دی ہیں۔ ان کا صحیح استعمال کرنا۔ اور جن خدمات و فرائض کے لیے وہ ہمیں ملی ہیں۔ انھیں میں لگانا انسانیت اتم اور یہی کامل انسان بننا ہے۔ اور یہی اپنا حق آپ اپنے اوپر ہے۔ لتسئلن یومئذ عن النعیم ساری نعمتوں کی نسبت بازپرس ہوگی کہ انھیں تم کس طرح کام میں لائے۔ یہ اصول اخلاق اس نے بتایا ہے۔ تو یہی بتا دیا ہے یا ایھا الذین امنو علیکم انفسکم یہی مرکز اخلاق ہے۔ ایمان والو! اپنے نفس کی اصلاح اپنے اوپر لازم کرلو (مائدہ ۱۴ ع ۱۴) ہمارے نفس کی اصلاح اسی میں ہے کہ ہماری ساری قوتیں ظاہری ہوں یا باطنی سب اپنی اپنی جگہ صرف ہوں کوئی قوت بے جگہ ہوئی تو فساد ہوا ان قوتوں کا اپنی جگہ پر صرف ہونا ہی حدود اللہ ہے من یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ جس نے حدود اللہ سے تجاوز کیا۔ اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا (طلاق ع ۱)

اے لوگو! خدا کے باغ کے پھولے پھلے درخت ہو۔ انسان ہو تو انسانیت سیکھو
یہ نہ سمجھو کہ ساری نعمتوں کو اپنی جگہ پر صرف کرنا محالات سے ہے۔ ہمارے رسول
معصوم صلی اللہ علیہ وسلم اسی لئے تو بھیجے گئے کہ آپ نمونہ بنیں اور ہدایات ربانی کو
برت کر دکھائیں کہ یہ ہدایتیں انسان ہی کے لئے تو ہیں۔ دیکھ لو سارے متضاد صفات
بیک وقت اپنے اپنے درجہ کمال پر آپ کی ذات سے ظاہر ہوئے جتنی ہدایتیں قرآن پاک
میں ہیں۔ انکی عملی صورت آپ کے افعال مقدس تھے۔ دونوں انتہا دونوں کمال کبھی دشمن خدا
ورسول نے بھی یہ زبان سے نہ نکالا کہ آپ قرآن میں کچھ فرماتے ہیں اور کرتے کچھ ہیں جو قول و فعل
میدان کارزار اسکی جگہ ہے کہ جوش و غضب اپنے کمال و درجہ پر ہو۔ اس وقت بھی
آپ کے رحم و عفو کا درجہ اس سے گھٹا ہوا نہ تھا۔ دشمن خون کا پیاسا تائب ہوا مسلمان
ہوا مستحق کرامت ہوا گلے سے لگا لیا گیا۔ جود و سخا نے خزانے لٹائے اس پہ بھی کفایت
شعاری کا خزانہ سربھری رہا ایسے ہی سارے صفات جو قوتیں جس مصرف کے لئے
ملی وہ بے جگہ نہ ہوئی بدراہ نہ ہوئی اور کسی دوسری قوت سے دبا نہ دی گئی۔ وہ متضاد
قوتوں کے جھرنے اسطرح جاری ہوئے جیسے مرج البحرین یلتقیان بینہما برزخ
لا یبغیان (الرحمن) خدا نے دو سمندر چلاوے کہ دونوں آپس میں ملتے ہیں اور
بیچ میں اک پردہ ہے کہ ایک دوسرے کو ملنے نہیں دیتا یہ ہے کمال انسانیت اور
یہ ہے شان عبودیت جو آپ سے ظاہر ہوئی۔

اسی کو خدا نے فرمایا واقصد فی مشیک (لقمن ع۲) اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار
کرو کہ ساری قوتیں کمال اعتدال پر رہیں۔

اپنی حفاظت کے لئے خدا نے فطرتاً دو قوتیں رکھ دیں۔ قوت انتقام بھی اور قوت معاف بھی
جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا فمن عفی واصلح فاجرہ علی اللہ برائی کا بدلہ تو اسی درجہ تک
برائی ہے۔ ہاں جو معاف کردے اور صلح کرے تو اس کے اجر کا ذمہ وار خدا ہے
(شوری ع۴) یہ انتقام کوئی کم درجہ کی بات نہیں۔ بلکہ یہ تو قوت انتقام کی خوراک
دی گئی ہے کیونکہ مسلمانوں کی تعریف میں خدا نے فرمایا والذین اذا اصابہم البغی ہم
ینتصرون مسلمان وہ ہیں کہ جب ان پر زیادتی ہوتی ہے تو وہ بدلا لیتے ہیں بہت سی
جگہ معاف کرنا ظلم اور بدلا ہی لینا موجب اصلاح ہے۔ خدائی قانون دوسرا کمال

پیش کرنا نہیں ہے۔ کیونکہ یہ خلاف فطرت ہے جیسے ظالم کو پیار کرنا کہ خدا بھی تو ظالم کو پیار نہیں کرتا
غرض انتقام اور عفو دونوں قوتوں کو اپنی اپنی جگہ پر کام میں لانا میانہ روی ہے۔ یہ تو ظاہری حفاظت ہوئی
باطنی حفاظت کی نسبت جو حقیقی اصلاح ہے خدا نے فرمایا یا ایہا الذین آمنوا قوا انفسکم و
اہلیکم نارا۔ ایمان والو۔ اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ (تحریم ع۱)
یعنی گھر والوں کے لیے نمونہ بنو۔ تم بنے تو تمہارا گھر بنا۔ تم بگڑے تو گھر بگڑا۔ اپنی اصلاح کرو
جہنم سے بچو۔ اور یہی گھر والوں کو بھی جہنم سے بچانا ہے۔

جنگ کے وقت بھی جاہلانہ بہادری اخلاق کے خلاف ہے۔ مارنے مرنے کو بھی جاؤ تو اس وقت
بھی اپنی حفاظت اور بچاؤ سے غفلت نہ کرو یا ایہا الذین آمنوا خذوا حذرکم مومنو اپنی حفاظت
کا سامان کر لیا کرو (النساء ع۱۰) بمقابلہ دشمن اپنی حفاظت ضرور ہے۔ دشمن ظاہر ہو تو پوشیدہ
ہو تو اسی اصول پر شیر کے غار سے سانپ کی بانبی سے یا جہاں عارضہ فصلی یا طاعون کے
زہریلے کیڑے پھیل جائیں وہاں رہنے یا وہاں جانے سے احتراز لازم ہے۔ اسی وجہ سے
بھی کہ یہ بیماریاں عذاب ہیں اور جہاں خدا نے عذاب بھیجا ہے وہاں سے پیغمبروں کو نکل
جانے کا حکم دیا ہے اور ان کے ساتھ مومنوں کو بھی حضرت نوح علیہ السلام سے کشتی بنوائی
حضرت لوط علیہ السلام کو شبا شب شہر چھوڑ دینے کا حکم دیا کہ پیچھے پھر کے دیکھو تک نہیں۔ یہ
قصوں میں ہماری تعلیم ہے کہ اپنی حفاظت کرو۔ جیسا کہ اس آیت میں حکم دیا ہے ولا تلقوا بایدیکم
الی التہلکۃ اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ ایسی بلاؤں کی جگہ میں بغیر قوت مقاومت
کے رہنا یا جانا شیر کے منہ میں جانا اور اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ یہ انسانی فرض ہے کہ
انسان عطیات الٰہی کو یعنی ان قوتوں کو جو اس کو ملی ہیں کام میں لائے۔ اور ضایع و برباد
نہ کرے۔ اسی لیے رہبانیت ممنوع ہوئی۔ خلوتوں میں بند ہو جانا یا شتر بے مہار مارے مارے
پھرنا آسان ہے مگر متضاد قوتوں کی پرورش کرنی اور ان کو بے جگہ نہ ہونے دینا یہی انسانیت ہے
جس کا انجام حیوانی فطرت سے ناممکن ہے بجائے اس کے کہ نفس کو مارو نفس کا تزکیہ کرو
اور بجائے اس کے کہ اک اک صفت پر قدم راست کرو کہ صفات بہتیری ہیں اور زندگی تھوڑی
تم کو چاہیے کہ رضائے مولیٰ پر قدم راست کرو۔ اور رضائے مولیٰ وہی اصول اخلاق ہے یعنی
عطیات الٰہی کا صحیح استعمال۔ اور یہ حاصل ہوتا ہے دوام حضور سے۔ اور دوام حضور خدا کی پاک اور
خالص محبت سے اور یہ محبت حاصل ہوتی ہے پاس وحواس اور پاس انفاس سے اور پاس حواس

اور پاس انفاس حاصل ہوتے ہیں. ذکر و فکر کے صحیح اترنے سے۔ اور ذکر و فکر کا صحیح انجام پا جانا موقوف ہے طلب و انابت کے پیدا ہونے پر ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء من عبادہ۔ مرکز اخلاق یعنی اپنی اصلاح کی آیتیں جن کو تصفیہ و تزکیہ نفس کہو. قرآن مجید میں بہتیری ہیں. قرآن مجید میں تدبر و تفکر کرو اتنا کچھ جو لکھا گیا۔ یہ بہت کافی ہے۔ المختصر اصول اخلاق کو مد نظر رکھکر اپنی ان چاروں قوتوں کی نگہداشت رکھو جو اوپر بیان ہوئیں کہ یہ افراط و تفریط میں پڑنے پائیں یہی اپنی اصلاح ہے

دوائر اخلاق

سب سے جلی اور دائرہ محیط اللہ کا حق ہے اور اسی کے ساتھ منسلک دو دائرے یا ان عمل کے ہیں. چاہیے تو تھا کہ میں ان تینوں دائروں کو ساتھ ساتھ بیان کروں مگر مزید وضاحت کے خیال سے میں ان تینوں کو الگ الگ سرخیوں میں بیان کرتا ہوں۔

اللہ کا حق

اللہ کا حق انسان پر یہی ہے کہ اسکی رضا کی تعمیل کی جائے اور وہ اصول اخلاق یعنی عطیات الٰہی کا صحیح استعمال ہے اسکی مرضی ہے کہ جتنی قوتیں اور نعمتیں اُس نے دی ہیں. ظاہری ہوں تو باطنی ہوں تو اُن کو انھیں خدمات میں لگانا جن اغراض کے لیے وہ ملی ہیں! اور انھیں حدود کے اندر جو اس نے رسول بھیجکر کتاب بھیجکر اور عقل دیکر باندھ دیے ہیں. یہ خدا کا حق انسان پر ہے۔ رسول و کتاب بھیجکر جو کچھ اُس نے مکلف کیا تو اس نے تکلیف مالایطاق نہیں دی لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا وہ تکلیف مالایطاق دیتا ہی نہیں (الطلاق ع ۱) اُس نے لوٹے کو نہیں کہا کہ پڑہیں دیے نہ اندہوں کو دیکھنے نہ بہروں کو سننے کو کہا کہ آنکھ کان نہیں دیے اور جس کو دیا ہے. وہ جواب طلب بھی ہے۔ ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا آنکھ کان اور دل سب سے پوچھا جائے گا (بنی اسرائیل ع ۴) خدا نے انسان کو قوتیں دیں. کمانے کمانے کی بھی نفع حاصل کرنے اور نفع پہونچانے کی بھی عبادات کے لیے بھی معاملات کے لیے بھی فاذکروا نعمۃ اللہ اور واشکروا نعمۃ اللہ اسکی نعمتوں کو یاد کرو. کہ ان کو تفصیل میں پہچانو اور اُن کا شکر کرو کہ وہ انھیں مقاصد میں صرف ہو جکے لیے وہ ملی ہیں جو کوئی کسی نعمت سے محروم رہا اُس پر اس کی تعمیل نہ رہی. دیکھو اس نے عقل دی تو عقل کے

فرائض ٹھہرائے عقل سے لی تو دیوانہ کو غیر مکلف بھی بنادیا جس کو ہوش نہیں اُس پر کوئی حکم نہیں۔ اور جس کو سب کچھ دے اُس پر سب کچھ ہے۔
اللہ کا حق تو کہنے کو ہوا مگر ساری قوتوں سے تم اپنا ہی کام لیتے اور اپنا ہی بگاڑتے بناتے ہو ان احسنتم احسنتم لانفسکم وان اساتم فلھا اگر بھلائی کی تو بھی اپنی اور بُرائی کی تو بھی اپنی (بنی اسرائیل ع۱)

ایمان

اس میں داخل ہے ایمان باللہ[۱] ایمان بالرسل[۲]۔ ایمان بالکتب[۳]۔ ایمان بالملٰئکۃ[۴] ایمان بالیوم الاخرۃ[۵] قوت خیال وادراک کی صحیح رفتار ہی سے قوت ایمانیہ پیدا ہوتی ہے ایمان بھی گویا اک فطرتی قوت ہے جس سے کوئی انسان خالی نہیں علما نے علم سے عقلا نے عقل سے حکما نے فہم وفراست سے جہلا نے اپنی مجبوریوں سے ضرور کسی نہ کسی کو معبود مانا اور اس کے آگے گردن جھکائی ہے جنگلیوں کو دیکھو انکی فطرت بھی مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے عجز ومجبوریوں کو محسوس کرے اور اک وجود اعلیٰ کے آگے جس پر اُس کی سمجھ قناعت کرے گردن جھکائے فطرت مختلف راہوں لوگوں کو لائی اور کسی نہ کسی شکل وصورت میں پرستش کراکے رہی۔ تو کسی نے آفتاب وستاروں کو پوجا کسی نے انسان کو جس میں کوئی قوت یا حیرت انگیز چیز پائی اُسی کو پوجنے لگے جھنڈے کے شیر کو ہوا نے حرکت دی سمجھے کہ یہ شیر کا حملہ ہے سمجھ پہلی ہی منزل میں تھکی تو لگے سلاطین اولیاؤں اور پیغمبروں کو پوجنے جیوانوں پوجنے۔ درخت یا پہاڑوں کو پوجنے۔ غرض یہ اک فطرتی قوت انسان کو عنایت ہوئی ہے انسانی غرض یہ ہے کہ وہ قوت ایمانیہ کو بے جگہ ہوتے سے روکے اور اپنی جگہ پر صرف کرے بے جگہ ہونا خلق وماسوا پر ایمان لانا ہے اور جگہ پر صرف ہونا خالق وخدا پر ایمان لانا، یہی قوت ایمانیہ کا اپنی جگہ پر صرف ہونا اور خدا پر ایمان لانا ساری نیکیوں کی جڑ ہے اور یہ بدیہی ہے مثلاً اگر کسی کے کان میری باتیں سُن رہے ہوں اور آنکھ تماشہ بینی میں مصروف ہو۔ اور دل کسی کے محبت کا گرفتار ہو اور دماغ کوئی مسئلہ ریاضی کا حل کر رہا ہو تو بتاؤ اس تشتت احوال میں اُس کا کونسا کام صحیح اور بامُراد ہوگا اور وہ کیوں مخبوط الحال نہ سمجھا جائے گا۔ ہر کام کے لیے سوا جہت صحیح ضروری ولازمی ہے اور اسی کا نام نیت ہے۔ اس لیئے

حواس ظاہری اور باطنی اور اپنے اعمال کی نیتوں کو یکسو کرو۔ اس یکسوئی کا صحیح ہونا ایمان
باللہ ہے اور یہی ساری کامیابیوں کی جڑ ہے اس جہان میں بھی۔ اُس جہان میں بھی۔
جسطرح خدا کی صفت قدرت کو مظاہر کے ہر جزو میں دخل و تصرف ہے اُسی طرح قوت
ایمانیہ کو انسان کے ہر عمل میں دخل تصرف ہے۔

انسان کو یہ کون بتائے کہ قوت ایمانیہ بلکہ ساری قوتیں کس طرح راہ پر لگائی جائیں کہ بامراد
ہوں تو خدا کی مہربانی دیکھو کہ اُس نے اپنی کتاب بھیجی اور اپنے برگزیدہ رسول بھیجے تاکہ
کتاب اللہ سے لوگ واقف ہو جائیں کہ قوتیں کسطرح کام میں لگائی جائیں کہ کامیاب
ہوں۔ کتاب نے تعلیم دیدی مگر تعلیم بے ترتیب باثمر نہیں ہوگی۔ رسول اسی لیے آئے کہ
وہ برت کر دکھا دیں اور تربیت کریں تعلیم و تربیت سے منہ موڑنے والا جہالت کے گڑھے میں گرتے
گیا کرے۔ اس لیے خدا پر ایمان کے ساتھ ساتھ رسول پر جو خدا کی کتابیں لائے اور کتاب پر جو رسول
لائے اور فرشتے پر جو کتاب لایا ایمان لانا ضرور ہوا۔ مگر دار الجزا ہی نہ ہو تو اعمال نیک کون
کرے گا کس نتیجہ کی اُمید پر اس لیئے یوم آخرت پر بھی ایمان لانا ضرور ہوا۔ اگر کتاب اللہ پر
ایمان نہ ہو تو عقل ناتمام کے پاس کونسی چیز ہوگی جو یہ بتائے کہ قوت ایمانیہ اور تمہارے لیے
اپنی اپنی جگہ پر کام میں آئے یا بے جگہ ہو کر رہے اسی طرح آخرت پر ایمان نہ ہو تو عقل بے راہ
ہو جائے گی۔ صفات حسنہ رذایم سے بدل جائینگے۔ تمدن کا قانون درہم برہم ہو جائیگا
اور انسانی زندگی اک بے باک حیوانی زندگی ہو جائے گی۔ اس لیئے خدا و رسول و کتب ملائکہ
اور یوم آخرت پر ایمان لائے بغیر کوئی وجہ نہیں کہ انسان اپنی کل قوتوں کو اپنی اپنی جگہ پر اپنی
اپنی حد پر صرف کرے اور نفس و خواہشات پر غلبہ حاصل کرکے خدا کی نعمتوں سے فیضیاب ہو۔
یوں قرآن مجید میں آیتیں تو بہتیری ہیں جن میں خدا اور رسول و کتب ملائکہ و یوم آخرت
پانچوں پر ایمان لانا ضرور اور مامور ہے کیونکہ ان سب پر ایمان لانا ایمان باللہ ہی گویا
داخل ہے۔ مگر یہاں پر وہ آیتیں دیدینی کافی ہیں

۱؎ لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن
باللہ والیوم الاخر والملئکۃ والکتاب والنبیین الخ (بقرہ ۲۲)

۲؎ یا ایھا الذین آمنوا آمنوا باللہ ورسولہ والکتاب الذی نزل علی رسولہ
والکتاب الذی انزل من قبل ومن یکفر باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر

فقد ضل ضلٰلاً بعیدا ۔ حضرت رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہر عقیدہ
اور ہر خیالات کے لوگ تھے۔ کافر تھے مشرک تھے تثلیث کے ماننے والے اہل کتاب
تھے۔ دہریئے تھے بعض خدا کے سوا سب کے منکر بعض سب نبیوں کے اور بعض بعض رسولوں
کے منکر تھے بعض کتابوں کے منکر بعض یوم آخرت کے منکر۔

خداوندعالم نے دہریے کہ مقابلہ میں جو کسی کو نہ مانتے تھے حکم دیا کہ اللہ رسولوں کتابوں ملائکوں
اور قیامت پر ایمان لاؤ۔ جیسا کہ مثالاً دو آیتیں اوپر دی گئیں۔

اہل کتاب تثلیث کے ماننے والے خدا کے مشرک تھے ان کو فرمایا یا اھل الکتاب
تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ (ال عمران ع) اے اہل کتاب
آؤ اس کلمہ کی طرف جس میں ہم تم متفق ہیں کہ خدا کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں گے۔

جو اور سب پر ایمان رکھتے تھے مگر ما سوا کی عبودیت کرنے لگے تھے یا کسی طرح صرف خدا کے
منکر تھے۔ اُن کو فرمایا ان الذین قالو ربنا اللہ ثم استقاموا فلا خوف علیہم ولا ھم
یحزنون (احقاف ع۲) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ اور وہ اس پر آخر
دم تک جمے رہے تو اُن کو نہ خوف ہوگا۔ نہ وہ محزون ہوں گے! اور بات بھی یہی ہے کہ اس دنیا
میں بغیر توحید تسلیم کئے ہوئے خوف و غم سے نجات نہیں۔ وہ تو خدا ہی ہے۔ جس سے جتنے
سے خوف و غم سے نجات ہوتی ہے۔

یہ منکرین خدا کو توحید تبلیغ کی گئی ہے اسکے یہ معنی نہیں کہ صرف خدا ہی کو ماننا کافی ہوگیا اور موجب نجات۔
جو خدا اور رسول دونوں کے منکر تھے۔ وہ مخاطب ہوئے کہ خدا اور رسول دونوں پر ایمان لاؤ۔ اٰمنوا
باللہ و رسولہ سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے۔ اسکے یہ معنی نہیں کہ اُن پانچوں میں خدا اور رسول ہی پر
ایمان لانا کافی ہوگیا۔ اور موجب نجات۔

جو منکر رسالت تھے اُنکے مقابلہ میں ایمان بالرسول خصوصیت کے ساتھ بھی کہدیا۔ یا ایھا
الذین اٰمنوا اتقوا اللہ واٰمنوا برسولہ ایمان کے دعوے کرنے والو خدا سے ڈرو اور رسول پر
ایمان لاؤ۔ (حدید ع۴)

دہریوں یا تثلیثیوں کو خدا نے جو توحید کی دعوت دی تو اس سے کچھ لوگ یہ خیال کرنے لگے
صرف خدا ہی پر ایمان لانا ضروری اور باعث نجات ہے اور رسالت کی غایت بھی یہی ہے
رسول توحید کو منوانے آئے تھے نہ اپنے کو منوانے۔ مجھے اس خیال والوں کی تردید کرنی ہے

اور یہ دکھانا ہے کہ ایمان کے پانچوں ارکان جو اوپر بیان ہوئے یعنی خدا۔ رسول۔ کتاب
ملائکہ اور روز آخرت ایمان لانے کے لئے سب کو یکجائی بھی خدا نے فرمایا ہے۔ اور الگ الگ بھی
الگ الگ بیان کرنے کی یہی وجہ ہے جو بیان ہوئی کہ جو جس کا منکر وہ اُس کا مخاطب ورنہ جہاں صرف
ایمان بالملئکۃ یا ایمان بالآخرت کو فرمایا تو کیا اسکے یہ معنی ہوں گے کہ توحید و رسالت کی ضرورت
نہیں۔ ان پانچوں میں سے کسی ایک پر ایمان لانا کافی ہے۔ رسول تو اپنے کو منوانے نہیں آئے
مگر خدا تو رسول کو منوا رہا ہے۔ کیونکہ اسلئے وہ اپنے کو کیونکر منوائے اس لیے ایمان بالرسالت
کو کسطرح خدا فرما رہا ہے کہ کسی ایک رسول کا منکر حقیقی کافر ہے ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ
ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نومن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان
یتخذوا بین ذالک سبیلا اولئک ھم الکفرون حقا۔ جو خدا اور اسکے رسولوں کا انکار
کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں۔ اور وہ کفر و ایمان کے بین بین ایک راہ
نکالنی چاہتے ہیں تو یقیناً ایسے ہی لوگ کافر ہیں (مائدہ ع) قانون خداوندی تو ایک
اسلام ہے۔ اس لیے کسی ایک رسول کا منکر قانون الٰہی کا منکر ہوگا۔ اور وہ باغی و سرکش سمجھا جائیگا
یہ خدائی حق ہے کہ خدا اور اُس کے سارے رسولوں پر بلا تفرقہ ایمان لاؤ اور قوت ایمانیہ کو صحیح راہ پر چلاؤ
اسیطرح ایمان بالکتب سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے مثلاً ایک آیت کافی ہوگی۔ خدا نے قرآن کی
نسبت فرمایا اٰمنوا بما انزلت مصدقا لما معکم ولا تکونوا اول کافر بہ قرآن پر ایمان لاؤ جو کتب
ماسبق کا مصدق ہے اور سب سے پہلے تمہیں اسکے کافر نہ ہو (بقرہ ع) صرف قرآن کے منکر کو خدا نے کافر فرمایا
آخرت پر ایمان نہ ہو تو کتاب اللہ پر عمل ہی نہ ہو۔ یہ تو ایمان کی کڑیاں ہیں۔ ساری برائیوں کی جڑ تو آخرت
پر ایمان نہیں لانا ہے ان الذین لا یومنون بالآخرۃ مثل السوء بری بری باتیں تو انہیں
کے مناسب حال ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے (نحل ع) ان الذین لا یومنون
بالآخرۃ عن الصراط لناکبون۔ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے
ہیں (مومنون ع) صراط مستقیم تو اسلام ہی کو کہتے ہیں اور اسلام سے ہٹنے کے معنی کفر کے
ہوئے یا ضلالت کے فماذا بعد الحق الا الضلال۔ خدا نے فرمایا من الناس من یقول
اٰمنا باللہ وبالیوم الآخر وما ھم بمومنین بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم خدا۔ اور روز آخرت پر ایمان لائے
مگر وہ مومن نہیں۔ خدا کے ساتھ آخرت پر ایمان لانا بھی کافی نہیں۔ غرض پانچوں پر ایمان لانا ضرور
ہے اور یہی قرآن میں مامور ہے۔ ورنہ یومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض۔

عمل

اس میں داخل ہیں اعمال ظاہری اور باطنی دونوں ہی جسم تو جائے سکونت ہے اور روح اصل مقیم۔ اس لیے اصل باطنی اعمال ہیں۔ اور ظاہری اسی درجہ پر جس درجہ روح کا تعلق جسم کے ساتھ ہے خدا نے جسطرح ایمان کی تاکید فرمائی۔ اسی کے ساتھ ساتھ عمل صالح کی بھی اور عمل غیر صالح کا تناع اس سے سمجھو کہ جو قوتیں ہم کو ملی ہیں وہ اعمال صالحہ کیلئے ہیں اعمال غیر صالحہ کیلئے نہیں۔ امنو وعملوا الصلحت سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے۔ سارے رسولوں کو خدا نے حکم دیا یا ایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور عمل صالح کرتے رہو (مومنون ع۴) رسول تھے پوری تعمیل کی۔ اسی لیے رسولوں کو تعریف خدا نے صالحین سے کی ہے۔ اور سب کو صلحا میں شمار کیا ہے یہ ازلی حکم ہے جو ٹلنے کا نہیں۔

اعمال صالحہ وہ اعمال ہیں جو مطابق رضائے مولیٰ کئے جائیں اور یہی تو اصول اخلاق ہے۔ نعمائے الٰہیہ کا صحیح استعمال یہی ہے جو مطابق ہدایات ربانی ہو۔ اسی کا شرعی نام عمل صالح ہے اسلام نے یہی تو کیا ہے کہ ساری قوتوں اور نعمتوں کے طریقہ استعمال کو بتا دیا اور اُن کے حدود سے آگاہ کر دیا ہے۔

اعمال صالح کے یہ معنی نہیں کہ بظاہر اچھے نظر آئیں بلکہ اعمال صالحہ وہ اچھے کام ہیں جو خالصًا لوجہ اللہ کئے جائیں۔ اور یہی دینی اعمال ہیں ورنہ وہ اچھے کام بھی جو بغیر اللہ کئے جائیں نماز روزہ ہی کیوں نہ ہو وہ اعمال صالحہ نہیں۔ اصل چیز نیت ہے۔ انعام یا مواخذہ نیت پر ہے من یرد ثواب الدنیا نؤتہ منہا ومن یرد ثواب الاخرۃ نؤتہ منہا جیسا تخم ویسا پھل جیسی نیت ویسی برکت ایمان ایک روحانی دعویٰ ہے۔ اور دعویٰ بے دلیل باطل۔ اس لیے دلیل درکار ہے۔ دعویٰ ایمان کی دلیل۔ اعمال صالحہ کے سوا اور کوئی ہو نہیں سکتی۔ اگر دلیل صحیح پیش ہوئی تو دعوے سچا۔ ورنہ منافقوں کا سا دعوے ہوگا محض جھوٹا ومن الناس من یقول امنا باللہ وبالیوم الاخر وما ھم بمومنین (بقرہ ع۲) میں داخل مُنہ بولا ایمان دعویٰ بے دلیل ہے قابل اعتبار نہیں۔ پہلے دائرہ محیط اللہ کا حق۔ اور اسکے دونوں دائرے ایمان عمل کو بیان کیا اب حق ماسوا اللہ کو بیان کرتا ہے۔

ماسوی اللہ کا حق

دوسرا دائرہ جلی ماسوی اللہ کا حق ہے اور اس کے ساتھ منسلک دو دائرے پہلا حقوق انسانی اور

حقوق ماسوائے انسان کے ہیں ان کو بھی الگ الگ بیان کروں گا۔

جتنی قوتیں اور نعمتیں خدا نے ہم کو دیں اُن کے کچھ تعلقات تو مبنی و مبین اللہ ہیں اور کچھ تعلقات مبنی و مبین غیر اللہ ہیں۔ اللہ اور غیر اللہ سے میری مراد تنزیہہ و ظہور سے ہے تعلقات مبنی و مبین اللہ کو میں نے بیان کیا۔ اب تعلقات مبنی و مبین غیر اللہ بیان کرتا ہوں جس طرح تنزیہہ کا حق ہے ظہور کا بھی حق ہے گو چہ تنزیہہ ظہور کو محیط ہے مجھے کیفیات حقیقت بیان کرنا منظور نہیں چونکہ پردۂ شریعت کے جیسے طریقت و حقیقت سے خلاف ہے۔ شریعت کو بیان کیفیات سے احتراز ہے۔ چنانچہ میں نے صرف ماسوے اللہ کی تشریح کر دی کہ اس اصطلاح سے میری غرض کیا ہے۔

المختصر جس عالم میں خدا نے ہم کو پیدا کیا تو ہمارے تعلقات بھی اسکے ساتھ وابستہ کر دیئے اور ماں کی مناسبت سے قوتیں بھی دیں پس جتنے تعلقات جسکے ساتھ ہمارے ہوں اتنے اُسکے حقوق ہم پر ہیں اور جب قوتیں ان خدمات کیلئے ملی ہیں۔ تو خدا کی مرضی صاف کھل گئی کہ وہ حقوق ادا کئے جائیں۔

جتنی قوتیں اور نعمتیں خدا نے ہم کو عنایت کیں اُن میں سے بعض کو کام میں لانے کے لیے ہم دوسروں کے محتاج نہیں ہیں جنگل اور کوٹھریوں میں بند ہو کر بھی ہم اُن قوتوں کو کام میں لا سکتے ہیں اُن کو کام میں لانا اللہ کا حق ہے جس کا بیان ہو چکا اور بعض قوتوں اور نعمتوں کو کام میں لانے کے لیے ہم دوسروں کے محتاج ہیں اگرچہ وہ بھی اللہ ہی کا حق ہے کیونکہ حق اللہ کا دائرہ سب کو محیط ہے مگر چونکہ انکی ادائیگی میں ہم دوسروں کے محتاج ہیں اس لیے اس کو ماسوے اللہ کا حق میں کہتا ہوں مثلاً حقوق انسان اور حقوق ماسوائے انسان ان حقوق کی ادائیگی میں ہم کو انکی طرف توجہ کرنا ہے۔

حقوق انسان

اصول اخلاق اور اس کے چاروں ارکان کو اچھی طرح دھیان میں رکھو اس کے ساتھ حقوق پر توجہ کرو جو پھر اسی خدا کی طرف سے ہیں جس نے تمھیں قوتیں اور نعمتیں دی ہیں۔ حقوق انسان میں داخل ہیں۔ اولاً والدین۔ پھر اقربا یعنی اولاد۔ زن و شو۔ بھائی بہن۔ پھر قرابت والے ہمسائے۔ غیر قرابت والے ہمسائے۔ ہمنشین۔ یتامی۔ مساکین۔ مسافر۔ مملوک۔ سائل۔ تنگدست جو سوال نہ کریں۔ مصیبت زدے۔ حقوق قوم۔ حقوق عامہ عباد۔

خدا نے جس کو جتنا قریب تم سے کیا ہے اُسکا اُسی درجہ تم پر حق ہے الاقرب فالاقرب۔ اقربا میں اولاد۔ زن وشو۔ اور بھائی بہن کو اس لیے میں نے داخل کیا ہے کہ خدا نے ترکہ اقرباؤں کو دلایا ہے وہ یہی ہیں جن کو خدا نے قطعًا وارث بنایا ہے۔ اقربوں کا ترجمہ میں نے اقربا کیا۔ اور دوسرے قرابتمند کو خدا نے اولو القربی فرمایا اسلیئے اسکا ترجمہ میں نے قرابتمند کیا۔ سرخی تو اتنی بڑی اب اگر ہر ایک حقدار کے حق مفصل بیان کروں۔ کہ کیوں اُن کے حقوق قایم کیے گئے اور ہر کے بعد وکیا کیا ہیں تو اسکی گنجایش اس کتاب میں تو نہیں۔ اس لیے صرف اختصار کے ساتھ کچھ کچھ بیان کروں گا کیونکہ کتاب ضخیم ہوتی جا رہی ہے۔ اور ابھی ریاضات ومجاہدات باقی رہی ہیں۔

حقوق والدین۔ خدا فرماتا ہے وقضی ربك ان لا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا اما یبلغن عندك الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما واخفض لھما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا ربکم اعلم بما فی نفوسکم ان تکونوا صلحین فانه کان للاوابین غفورا (بنی اسرائیل) خدا نے قطعی حکم کیا کہ خدا کے سوا کسی کی پرستش نکرو۔ اور والدین کے ساتھ بہ احسان ونیکی پیش آؤ اگر والدین میں سے کوئی تمھارے سامنے بوڑھے ہوجائیں اُن کے آگے اُف تک نکرو۔ اُن کو جھڑکو تک نہیں اور اُن کے آگے باتیں ایسی کرو جو اُن کی بزرگی کے شایاں ہوں۔ اُن کے آگے پیار سے عاجزی کا بازو جھکائے رہو اور اُن کے لیئے دعا کرتے رہو کہ اے خدا ان دونوں پر مہربانی اور رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے ہمارے بچپنے میں ہماری پرورش کی۔ خدا تمھارے دلوں کا دانا ہے حال ہے اگر تم سعادتمند ہوئے تو جو خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں (یعنی حکم خداوندی کی تعمیل کرتے ہیں) خدا ان کو بخشدیتا ہے اس زمانہ میں ان احکام کا جو خون خرابہ ہو رہا ہے وہ روز روشن کی طرح روشن ہے دوسری جگہہ خدا نے فرمایا ان اشکرلی ولوالدیك میرا اور والدین کا شکر کیا کرو حقیقت کو سمجھو نہ مجاز کو۔ اللہ اللہ یہ احسان اور شکر ایسے عظیم الشان الفاظ ہیں کہ کوئسی بھلائیاں اور خوبیاں ان دو لفظوں میں نہ آگئیں۔ والدین کے ساتھ نیکیوں اور بھلائیوں کے ساتھ پیش آنا احسان ہے۔ اور اپنی ساری قوتوں سے انکی خدمت کرنی شکر۔ اس میں تکلیف پہونچے تو برداشت کرو اُف تک نکرو۔ مختصر یہ کہ خدا کے بعد والدین کا حق پہچانو یعنی یہ نگہداشت اصول اخلاق

انہی چاروں ارکان کو انکی خدمت میں لگاؤ معہ اُن کے صفات فروعی کے۔ تو والدین
کے شکر کے لیے بہتیری قوتیں درکار ہوں گی مثلاً اطاعت۔ فرماں برداری قوت خدمت
آرام دہی۔ ہمدردی۔ دلسوزی۔ قوت برداشت خوش کرنا اُن کے سامنے خوش رہنا ضبط و
بردباری۔ انکسار صبر و ایثار۔ غمخواری۔ قوت مالی۔ قوت دماغی۔ قوت جسمانی وغیرہ وغیرہ۔ یعنی
نعمائے الٰہیہ کا صحیح استعمال جب والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن سکو گے ربنا ھب لنا
من ازواجنا وذریتنا قرۃ اعین اے خدا ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد کی طرف سے ہم کو
ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما (فرقان ع۶)

حقوق اقربا۔ ہم نے بیان کیا ہے کہ اس میں داخل ہیں۔ نزدیک کے قرابتمند یعنی اولاد زن و شو
اور بھائی بہن۔ اور علی ہذا فروع و اصول۔ خدا نے فرمایا قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ
فی القربیٰ اے پیغمبر کہہ دو کہ میں تم سے تبلیغ رسالت کا کوئی مزد نہیں مانگتا۔ مگر محبت اقربا دیکھو
محبت اقربا میں کس شدت سے ڈالا کہ یہ تمدن کی بنیاد ہے یہی صلہ رحم ہے۔ اسی کی تاکید طرح طرح
سے خدا نے کی ہے۔ اور اس کا توڑنے والا مردود و ملعون ہے فھل عسیتم ان تولیتم ان
تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم کچھ بعید نہیں کہ اگر تم صاحب حکومت بن جاؤ تو
لگو دنیا میں فساد کرنے اور قطع قرابت کرنے (محمد ع۳) جو کہا گیا تھا وہ ہو کر رہا۔ جو صاحب
حکومت بنے انھوں نے پہلے صلہ رحم کو ذبح کر لیا تو چین سے سلطنت کرنے لگے۔ ایسے
لوگوں کی شان میں اس نے فرمایا اولئک الذین لعنہم اللہ فاصمہم واعمیٰ ابصارھم
یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے پھر اُن کو بہرا بنا دیا ہے اور اندھا بنا دیا ہے (محمد ع۳)
قطع صلہ رحمی کا تو یہ انتناع کہ وہ ملعون ہوا مگر اسکے نافرمان ہوئے بھی تو مسلمان ہی۔ بیٹے
بیٹیوں کو ماں باپ کو۔ بھائی بھائی کو۔ اور زن و شو کو۔ یا تو رجسٹری تمسک پر اقرار کرتے۔ یا تھانے
میں اطلاع لکھواتے۔ یا وکلا کے اوفس میں عرضی دعوی درست کراتے۔ یا مختاروں کے
یہاں جھوٹ گواہ تعلیم کرتے یا جج کے اجلاس پر پاؤ گے یا اور مختلف عنوانوں سے ایک
دوسرے کی فکر میں لگے ہوئے صلہ رحم ٹوٹ گیا۔ خون قرابت سفید ہو گیا، والدین اور بیٹے
بھائی اور بھائی۔ شوہر اور بیوی اور عدالت اور کچہری۔ مقدمات اور جھوٹ۔ ایک دوسرے
اس درجہ بدخواہ۔ زمین کیوں نہیں پھٹ جاتی۔ آسمان کیوں نہیں ٹوٹ پڑتا ایسے حال میں
مسلمان جس حال کو نہ پہنچیں وہ تھوڑا ہے۔ اے لوگو! جس کشتی پر سوار ہو اس کشتی کی خیر منا لو

کشتی ڈولی تو دریا اور دریا کے نگر تمہاری حکومت تمہاری دولت و ثروت اور تمہاری حکام رسی اور بے وقعت خلعت و خطاب سے نہ ڈرینگے۔ تمہاری تعلیوں کے فسانے دریا برد ہو جائینگے اور تمہارا نشان صفحہ ہستی سے مٹ جائیگا ہوش کرو۔ خدا نے فرمایا الذین یصلون ما امر اللّٰہ بہ ان یوصل ذی عقل وہ ہیں جو صلۂ رحم کو جوڑتے ہیں جن کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے (رعد ع ۳) جو صلۂ رحم توڑتے ہیں جن کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے۔ اور دنیا میں فساد پھیلاتے ہیں تو یہی ہیں جن پر خدا کی پھٹکار ہے اور ان کے لیے برا گھر ہے ویقطعون ما امر اللّٰہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک لھم اللعنۃ ولھم سوء الدار (رعد ع ۳) قطع رحم دنیا میں فساد پھیلاتا ہے اور قطع رحم کرنے والے ملعون ہیں۔ کہاں ہیں ذری ذری باتوں پر بات اور خواہشات نفسانی کے چھیٹے میں آکر بابا لاک اور ہوشیار بنکر اقربا سے مقدمہ بازی کرنے والے اور حقوق قرابت کو فروگذاشت کرنے والے اور جھوٹے مقدمہ بنا کر اپنے بھائی کو جیل بھیجنے کی کوشش کرنے والے آئیں سوچیں اور اپنے بہن کے گھر کو جو جیل سے زیادہ بدتر ہے خیال کریں جو خدا کے ملعونوں کا گھر ہے واتقوا اللّٰہ الذی تساءلون بہ والارحام۔ خدا سے ڈرو جس کا باہم واسطہ دیا کرتے ہو اور صلۂ رحم کا خیال رکھو (نساء ع ۱) اقربا کے ساتھ مالی قوت صرف کرنے پر زیادہ توجہ دلائی گئی ہے کیونکہ جس کے ساتھ انسان اپنا پسینا گرا کر جمع کیا ہوا مال خرچ کرے گا اسکے ساتھ لازماً ہر طرح کی ہمدردی پر متوجہ ہوگا اس لیے خدا نے فرمایا یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمی والمساکین وابن السبیل وما تفعلوا من خیر فان اللّٰہ بہ علیم۔ تم سے لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں تو انھیں تم بتا دو کہ والدین۔ اقربا یتیم مسکین مسافر کیلیے خرچ کرو اور جو کچھ تم ان کے ساتھ بھلائی کروگے (بظاہر یا پوشیدہ) تو خدا اسکا خوب داناے حال ہے (بقرہ ع ۲۶)

تو اقربا کے حق میں نعماے الٰہیہ کو کام میں لانے سے دریغ نہ کرو اور اصول اخلاق کو نہ بھولو کیونکہ اس میں تمہارا ہی بھلا ہے

والدین۔ اقربا۔ قرابتمند یتیموں محتاجوں۔ قرابت والے پڑوسیوں۔ غیر قرابت والے پڑوسیوں ہمنشینوں مسافروں۔ اور مملوکوں کے حقوق کی نسبت خدا فرماتا ہے واعبدوا اللّٰہ ولا تشرکوا بہ شیئا وبالوالدین احسانا وبذی القربی والیتمی والمساکین والجار ذی القربی

والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم ان اللہ لا یحب من کان مختالاً فخوراً الذین یبخلون ویامرون الناس بالبخل ویکتمون ما اٰتٰھم اللہ من فضلہ واعتدنا للکٰفرین عذاباً مھیناً ؁

اے لوگو! خدا کی عبادت کرتے رہو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھراؤ۔ اور والدین اور صاحب قرابت اور یتیم و مسکین۔ قرابت والے پڑوسی اور غیر قرابت والے پڑوسی اور ہمنشین اور مسافر اور مملوک سب کے ساتھ بہ احسان و سلوک پیش آؤ۔ بے شک اللہ اترانے والوں اور بڑائی مارنے والوں کو جو آپ بھی بخل کریں اور دوسروں کو بھی بخل کی ہدایت کریں اور افضال الٰہیہ جو اُن کو ملے ہیں اُن کو چھپائیں پسند نہیں کرتا۔ اور کفران نعمت کرنے والوں کے لیے عذاب دردناک مہیا کیا ہے (نساء ع۶) سب کے ساتھ بہ احسان پیش آنا اور بخل نکرنا یعنی بہ سلوک پیش آنا اور افضال و نعمائے الٰہیہ جو اُن کو ملے ہیں اُنکو نہ چھپانا در اُن کو کام میں لانے سے دریغ نکرنا۔ خدا کا فرض کردہ ہے اور اُس کا نافرمان ایک طرح کا کافر ہے۔ کافر نعمت جس کے لیے عذاب دردناک ہے۔

بقرہ کے بائیسویں رکوع میں لیس البر کی آیت ہے اُس میں بھی پانچوں اہل حقوق کی فہرست دی گئی ہے۔ وہ قرآن مجید میں دیکھ لو۔ مجھے اختصار مقصود ہے۔ تو اُس آیت میں دو باتیں زیادہ ہیں۔ ۱؎ ایک تو یہ کہ اُن اہل حقوق میں جو مال خرچ کرو۔ وہ بلا اسعاو صنہ للنفس علی حبہ ہونا چاہیے۔ خدا کی محبت و رضا میں ۲؎ دوسرے اس آیت میں وفی الرقاب ایک اہل حق زیادہ ہے یعنی مصیبت زدوں کو مصیبت سے چھوڑانا۔

خدا نے فرمایا وفی اموالھم حق للسائل والمحروم اُن کے مال میں سائل کا اور ایسے تنگدست کا جو سوال نکرے حق ہے (الذاریات) حقوق یتیم کی نسبت خدا فرماتا ہے ویسئلونک عن الیتمیٰ قل اصلاح لھم خیر وان تخالطوھم فاخوانکم واللہ یعلم المفسد من المصلح یتیم کے بارے میں تم سے لوگ پوچھتے ہیں تو انھیں تم سمجھا دو کہ اصلاح کرنا انکے لیے بہتر ہے۔ اور اگر تم اُن کے ساتھ مل جل کے رہو تو یہ تمہارے بھائی ہیں۔ اور اللہ بگاڑنے والے اور سنوارنے والے کو خوب جانتا ہے (بقرہ ع۲۷) اصلاح بہت وسیع اور بہت عام لفظ ہے یتیموں کی تعلیم و تربیت اُنکے قویٰ کی شگفتگی اُن کے جان و مال اور اُنکے اخلاق و اطوار سب کی نگہداشت لفظ اصلاح میں داخل ہے بلکہ کونسی بھلائی ہے۔ جو

اس لفظ میں داخل نہیں۔ مگر افسوس ہے کہ آجکل قوم نے اصلاح کے معنی حجامت کے سمجھ لئیا اور یتیموں کا مال ہضم کرنا ہوشیاری سمجھی گئی ہے۔ واصلاحت سمجھا دینے کو نظم کرلیا اور سب ہضم۔ مگر یہ ہضم ہونے کا نہیں ان الذین یاکلون اموال الیتمیٰ ظلمًا انما یاکلون فی بطونھم نارا و سیصلون سعیراہ جو لوگ یتیم کا مال ناروا کھاتے ہیں وہ آگ ہی کھاتے ہیں اور وہ جہنم میں جائیں گے اس لئے لا تقربوا مال الیتیمی الا بالتی ھی احسن مال یتیم کے نزدیک نہ جاؤ مگر بہ نیت استحسان۔ المختصر اصول اخلاق کی نگہداشت ہو تو نہیں اگر خداوند عالم ہم کو اس قسم کے قوے اور قدرتیں عطیات اور نعمتیں عنایت ہی نہ کرتا کہ ان حقوق کو ادا کر سکیں تو یہہ حقوق ہمارے ذمہ بھی نہ کرتا۔ اور جب اس نے ہم کو ہر طرح کی قوتوں اور نعمتوں سے مالا مال کر لیا ہے۔ تو اتنے سارے حقوق بھی جن کی ادائگی کے لیے ہم کو یہ نعمتیں ملی ہیں ہمارے ذمہ لگا دیئے ہیں۔

میں نے زن و شو کو آپس میں قرابت میں داخل کر کے اقربا میں داخل کیا ہے۔ چونکہ خدا نے وراثت میں ایسا ہی کیا ہے۔ اور اقربا کے حقوق بیان ہو چکے۔ گرچہ زن و شو میں خونی قرابت نہیں مگر خدائی قرابت ہے۔ خدا کی قایم کردہ جس کو اقتضائے فطری نے جوڑا ہے۔ وہ کسیطرح کسی قرابت سے کمزور نہیں۔ چونکہ اس قرابت کے حقوق کمزور ہوگئے اور افراط و تفریط کے درجہ پر پہونچ گئے ہیں اسلئے خصوصیت کے ساتھ مجھے ان حقوق کی نسبت کچھ بیان کرنا ضرور خدا نے فرمایا ومن آیتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجًا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ و رحمۃ خدا کی نشانیوں میں سے یہی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہارے ہی جنس سے جوڑا پیدا کیا ہے۔ تاکہ تم اس سے تسکین دلی حاصل کرو۔ اور تم دونوں میں محبت و مہربانی ڈال دی (ر روم ۳۰) اقتضائے فطری اور تقاضائے فطری کو بیان کر دیا تو محبت مہربانی اور سکون دلی کے جو حقوق ہیں وہ برتو اور ان قوتوں اور نعمتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ بھلائی اور خوبی سے صرف کرتے رہو۔

اس میں شک نہیں کہ از روئے بدیہیات بھی مردوں کا درجہ عورتوں سے بڑا ہے۔ وللرجال علیھن درجۃ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ مرد سجدہ کئے جاینگا یا پرستش کئے جانیکا مستحق ہو کیونکہ حقوق مساوات ہیں ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف جو حقوق عورتوں پر ہیں ویسے ہی حقوق عورتوں کے ہیں۔ کہیں ایک کو ترجیح ہے تو کہیں دوسرے کو۔ کمانا کمانا اور بیرونی کل انتظام

مردوں کے متعلق۔ اور پرورش اولاد۔ خانہ داری اور اندرونی کل نظم عورتوں سے متعلق۔
یوں تقسیم حقوق میں مساوات قائم کی گئی ہے اسی لیے خدا نے حکم دیا عاشروھن بالمعروف
عورتوں کے ساتھ بحسن سلوک معاشرت کرو اور اصول اخلاق کو ہاتھ سے جانے نہ دو۔
نہ اس کے ارکان کو بے راہ ہونے دو۔

مگر فطرت تو نیرنگ ہے۔ عورتیں خوبصورت بھی ہوتی ہیں اور بدصورت بھی۔ آنکھیں ہیں کہ فطرتاً
خوبصورتی پر مائل۔ پھر بدصورت عورتوں کے ساتھ بحسن سلوک معاشرت کیونکر ہو! اور بیچاری قصور
مخلوق جس کے اختیار سے باہر ہے کہ اپنے کو خوبصورت بنا سکے وہ کیا کرے۔ تو خدا نے
اس کا بھی خیال کیا اور فرمایا فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ
خیرا کثیرا۔ اگر وہ تمھیں بدصورت معلوم ہوں تو بہت ایسا ہوتا ہے کہ تم کو ایک چیز بری معلوم
ہو اور خدا نے اس میں بہتیری بھلائیاں رکھی ہوں (نساء ۲۳) ضرورت ہے کہ اس
آیت کو میں ذرا پھیلا دوں۔

میں نے اکثر دیکھا بھی ہے اور سنا بھی کہ جو لوگ بدچلن ہیں اکثر انکی بیبیاں خوبصورت
ہیں اور جو نیک چلن ہیں اکثر انکی بیبیاں بدصورت۔ آخر اسکی وجہ کیا۔ غور کرنے سے سمجھ میں
بھی آیا جو خدا نے اس آیت میں فرمایا یجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا یعنی حسن سیرت۔ حسن صورت
ناپائدار ہے اور حسن سیرت پائدار۔ بچے ظاہر پر پھسلتے ہیں اور عقلمند باطن پر۔ حسن صورت۔ اور
حسن سیرت دونوں ہوں۔ یہ ناممکن۔ آدمی بہمہ صفت موصوف نہیں ہو سکتا۔ بے عیب ذات خدا ہی
کی۔ دوسرے تقسیم عطیات کی عجیب شان ہے۔ بظاہر تو اتنا تفرقہ کہ اوندھا نظر آئے اور حقیقت میں
تقسیم مساوی۔ مثلاً دولت بڑی نعمت ہے تو بے فکری اور صحت اس سے کم نہیں۔ ایک کو دولتمند
بنایا تو اسے تعلقات اور روگ کا معدن بھی بنایا اس کی احتیاج بھی بڑھا دی۔ دوسرے کو
غریب بنایا تو اسکے تعلقات بھی اسی درجہ کم کر دیے اور صحت و بےفکری سے اُسے مطمئن بھی
کیا۔ غرض جو ہے وہ اپنے اک حال میں مست ہے سب مساوی خوش ہو لیتے ہیں اور
سب مساوی عمر کر لیتے ہیں۔ بس اسی طرح سمجھنا چاہیے حسن صورت دل میں زخم اور زخموں
میں نشتر کا کام کرتا ہے اور حسن سیرت دل کے زخموں کو بے نشتر اچھا کرتا ہے۔ صورت کا
حسن جب ڈھلا تو کھورت پیشوں سے تاک جھانک شروع کی اور حسن سیرت تو بڑھتا ہی جاتا ہے
اس لیے ایسی عورتیں اپنے شوہروں کو یاد رکھتی ہیں اور بھٹکنے نہیں دیتیں۔

حقوق قوم ولقد ارسلنا موسیٰ بآیتنا ان اخرج قومک من الظلمت الی النور وذکرھم
بایام اللہ (ابراھیم ۱) ہم نے موسیٰ کو کتاب دیکر بھیجا۔ اور کہا کہ اپنی قوم کو ظلمت سے
نور کی طرف نکالو اور اُن کو اللہ کے ایام یاد دلاؤ۔ ایام اللہ کن کن عبرتوں سے گذرے
ہیں۔ یہ قومی حق ہے کہ قوم کو ظلمت سے نور کی طرف نکالا اور اُن کو واقعات عالم سے
عبرت دلاتے رہو۔ وعظ و نصیحت اور ہدایت کی قوت اسی لیے دی گئی ہے۔
اپنی ہی قوم سے محبت و مودت برتنا اور غیر قوموں سے محبت و مودت نہ برتنا۔ بلکہ محبت کی
جگہ اُن کے ساتھ نیکی اور عدل و انصاف کا برتاؤ کرنا یہ قومی حق ہے۔ خدا فرماتا ہے یا ایھا الذین
امنوا لا تتخذوا الکفرین اولیاء من دون المومنین۔ اتریدون ان تجعلوا للہ علیکم
سلطانا مبینا۔ مسلمانو مسلمانوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ کیا تم اپنے اوپر خدا کا
صریح الزام لیا چاہتے ہو (نساء ۲۰) خدا نے مسلمانوں سے محبت کرنے اور کافروں سے
محبت نہ کرنے کی ہدایت فرمائی۔ مگر کافروں کے ساتھ عدل و انصاف کو منع نہیں کیا۔ خدا کا یہ مطلب
نہیں کہ کافروں کے ساتھ لڑائی جھگڑے میں اپنا صفات کھو یا کرو اُن کے ساتھ بھی تمہیں
بھلائی اور انصاف کرنا چاہیے وہ فرماتا ہے لا ینھکم اللہ عن الذین لم یقتلوکم فی الدین
ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین ٥ جو لوگ
تم سے دین کے بارے میں نہ لڑے اور تم کو گھروں سے نہ نکالا تو خدا تم کو اس سے منع
نہیں کرتا کہ تم اُنکے ساتھ بھلائی کرو اُن کے حق میں انصاف کرو۔ خدا تو انصاف کرنے والوں کو
پسند کرتا ہے (ممتحنہ ۲) انما ینھکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم
من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولئک ھم الظلمون ٥
ہاں جو تم سے دین کے بارے میں لڑے جنھوں نے تم کو جلا وطن کیا۔ یا جلا وطنی پر مدد کی
تو خدا تم کو منع کرتا ہے کہ تم انھیں دوست رکھو۔ جو انکو دوست رکھے گا وہ ظالم ہے (ممتحنہ ۱)
بظاہر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیتیں اُن کافروں کی نسبت ہیں۔ جنھوں نے مسلمانوں سے
مقابلہ کیا تھا اور مظالم کئے تھے۔ جو ایسا سارے ہی احکام کے مخاطب اُس وقت کے
مسلمان تھے مگر حکم قطعی ہے جو کل تھا وہ آج ہے۔ ان دونوں آیتوں کا مطلب۔ الحق ہے
جو تم سے لڑے یا جنھوں نے تم پر مظالم کئے اُنکے ساتھ تمہاری دوستی ممنوع کی گئی اور جو
نہ لڑے اور نہ مظالم کئے اُن کے ساتھ عدل و انصاف اور بھلائی کرنی ممنوع نہیں مگر اُنکے ساتھ

محبت کرنے کو جائز نہیں کیا کیونکہ محبت جو قومی حق ہے اُس کو بے جگہ صرف کرنا ہوگا۔
لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ و رسولہ ولو کانوا اباءھم
او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ
جو لوگ خدا اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں تم انکو نہ پاؤ گے کہ وہ مخالفین خدا اور رسول کو دوست رکھیں
گو وہ ان کے باپ بیٹے بھائی اور اقران ہی کیوں نہوں یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے
ایمان لکھ دیا ہے اور فیضان غیبی سے انکی تائید کی ہے (مجادلہ ع ۳) کیسی صاف اور صریح
آیت ہے۔ غرض محبت و مودت یہ قومی حق ہے۔ مخالفین خدا اور رسول اسکے حقدار نہیں ہو سکتے۔
اگر تم یہ سمجھو کہ تم اُن سے ملجاؤ گے تو وہ مخالف نہ رہینگے۔ تو سمجھ لو ان یثقفوکم یکونوا لکم اعداء
و یبسطوا الیکم ایدیھم والسنتھم بالسوء و ودوا لو تکفرون ہ اگر کفار تم کو پالیں تو تمہارے دشمن
ہو جائیں اور تم پر برائی کے ساتھ دست درازیاں اور زبان درازیاں کرنے لگیں اور چاہنے لگیں کہ تم کافر ہو جاؤ
(ممتحنہ ع ۱) اگر تم اس خیال سے اُن سے محبت کرو۔ کہ تم انکو راضی کر لوگے تو یاد رکھو۔ ولن
ترضی عنک الیھود ولا النصاری حتی تتبع ملتھم یہود ہوں یا نصارے تم سے ہرگز راضی
نہوں گے جب تک کہ تم انکی ملت میں نہ آجاؤ (بقرہ ع ۱۴) عدل و انصاف میں تو اپنے پرائے
سب مساوی۔ مگر محبت و مودت تو قومی حق ہے اسے بے جگہ نکرو۔ محبت ہر کسی سے ہونا فطرت میں
بھی نہیں۔ محبت کا بازار مختلف جنسوں کا نہیں۔ محبت کے لیے وحدت خیالی اور یکجہتی ضروری ہے
ویسی دشمن کے ساتھ محبت تو جھوٹ ہے۔ اور دشمن کو پیار کرنا فطرت کے خلاف۔ خلاق فطرت نے
دشمن کے پیار کرنے کو کہاں حکم دیا ہے وہ خود بھی تو دشمنان خدا اور رسول کو پیار نہیں کرتا۔ ایسی محبت تو
نفاق ہے۔ اور منافقوں کی شان میں خدا نے فرمایا بشر المنفقین بان لھم عذابا الیما الذین
یتخذون الکفرین اولیاء من دون المومنین منافقوں کو عذاب دردناک کی بشارت دو
منافقین وہ ہیں جو مومنوں کو چھوڑ کافروں کو دوست رکھتے ہیں۔
یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا الکفرین اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذالک
فلیس من اللہ فی شیء الا ان تتقوا منھم تقیۃ ط ایمان والو! مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنا
جو ایسا کریگا وہ اللہ کا کوئی نہیں۔ مگر اس صورت میں کہ تم انکے شر سے بچنا چاہو (ال عمران ع ۳) مطلب یہی ہے
محبت کے برتاؤ سے کیونکہ شر سے بچنے کے لئے محبت کے برتاؤ کی ضرورت ہوتی ہے۔ نہ دلی محبت کی۔ اسکے بعد
خدا نے فرمایا و یحذرکم اللہ نفسہ اللہ اپنی ذات سے تمکو ڈراتا ہے تو اوروں سے نہ ڈرو کہ لگاؤ اپنے

بھی نقصان کے خوف سے قوم کو ذبح کرنے اور اغیار کی الفت کا دم بھرنے۔ ایسا کروگے تو تم کو
خدا سے کوئی واسطہ نہیں اور ایسا کرنا قومی شیرازہ کو بکھیر دیگا۔ اور اغیار کے اطوار وخصائل بھی تم
تم کو بھلے معلوم ہونے لگیں گے اور دلوں میں چور اور رہزنوں کے لئے سیکڑوں رستے پڑجائیں گے
شہنشاہ اکبر نے یہی کانٹا تو بویا۔ اور روحانی اسلام کو نفسانی اسلام کو نفسانی اسلام بنا کر رسوائی
اور بدعتی اسلام بنادیا اس نے اخوت اسلامی کا شیرازہ منتشر کردیا مسلمانوں میں اس وقت سے
تباہی شروع ہوئی۔ خدا نے ترقی اور غلبہ قومی کا اصول بتایا تھا ومن یتول اللہ ورسولہ والذین
امنوا فان حزب اللہ ھم الغلبون ٥ جو خدا ورسول اور مومنوں کو دوست رکھےگا۔ تو وہ اللہ
کی جماعت میں ہوگا۔ اور اللہ ہی کی جماعت غالب ہوگی۔ یہ پھل ہے محبت کو اصول اخلاق پر برتنے
جب محبت بے جگہ صرف ہوئی تو اس کا نتیجہ آج تک مسلمان بھگت رہے ہیں کہ ان کا تمدن بگڑ گیا۔ شادی
وغمی کی تباہ کن رسموں نے تباہ کر چھوڑا۔ سب رسومات آئے اغیار سے اور اسی غلط محبت کی
بدولت جیسے آج بھی یورپ کی تباہ کن معاشرت سے اور تباہی پر تباہی کا سامان ہے
یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا دینکم ھزوا ولعبا من الذین اوتوا الکتب من قبلکم
والکفار اولیاء واتقوا اللہ ان کنتم مومنین ۔ مومنو! جن لوگوں نے تمہارے دین کو
ہنسی کھیل بنالیا ہے اگلے اہل کتاب ہوں یا کفار ان کو دوست نہ بناؤ۔ اور اللہ سے ڈرو۔ اگر تم کو
ایمان ہے (مائدہ ع ۹) بہتیری آیتیں ہیں۔ کہاں تک دی جائیں۔ غرض محبت اک بیش بہا نعمت
ہے۔ اور یہ خدا ورسول اور قوم کا حق ہے اس کو بے جگہ کرو۔ یہ خدا کی رضا اور اخلاق کے خلاف ہوگا۔
من تشبہ بقوم فھو منھم صحیح حدیث نہ سہی۔ اس پر قوم بہت جھگڑا ہی تو جھگڑا کرے۔ مگر
خدا کی اس آیت کا کیا جواب ہے اس نے فرمایا یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود و
النصاری اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم۔ ان اللہ لا
یھدی القوم الظلمین ٥ فتری الذین فی قلوبھم مرض یسارعون فیھم یقولون
نخشی ان تصیبنا دائرۃ فعسی اللہ ان یاتی بالفتح او امر من عندہ فیصبحوا علی
ما اسروا فی انفسھم ندمین ٥ مومنو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ وہ تو
آپس میں ایک دوسرے کے دوست بنے ہوئے ہیں۔ اور جو کوئی تم میں سے ان کو دوست
بنائیگا۔ وہ انہیں میں کا ایک ہے (المرء من احب) بے شک اللہ ظالموں کو راہ راست
نہیں دکھاتا جن دلوں میں مرض نفاق ہے انکو دیکھو گے کہ وہ انکی دوستی میں بڑی جلدی کرتے ہیں

کہتے ہیں کہ ہم کو تو اس بات کا خوف ہے کہ ہم پر کوئی مصیبت نہ آپڑے (کم سے کم تو یہ کہ خطاب نہ ملے) تو قریب ہے کہ اللہ فتح یا کوئی حکم اپنے پاس سے بھیجے تو اس وقت وہ اپنی بدگمانی پر جو اپنے دلوں میں چھپاتے تھے پشیمان ہونگے (مائدہ ع ۸) زمانہ حال اس آیت کا پورا تجربہ ہے۔

تریٰ کثیرا منہم یتولون الذین کفروا لبئس ما قدمت لہم انفسہم ان سخط اللہ علیہم وفی العذاب ہم خلدون ۔ ولو کانوا یومنون باللہ والنبی وما انزل الیہ ما اتخذوہم اولیاء ولکن کثیرا منہم فسقون ۔ اے رسول تم ان میں سے بہتیروں کو دیکھو گے کافروں سے دوستی کرتے ہیں۔ البتہ انھوں نے اپنے لئے برا سامان بھیجا کہ اللہ اُن پر غضب ہو۔ اور وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ اگر وہ خدا و رسول و قرآن پر ایمان رکھتے تو کافروں کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں بہتیرے فاسق ہیں (مائدہ ع ۱۱) ایسے لوگ پہلے بھی دیکھے جاتے تھے اب بھی دیکھے جاتے ہیں۔ پہلے کم تھے اب بہت ہیں۔ آج وہ زمانہ ہے کہ مسلمان نے کتنی آیتوں کا حق فراموش کر دیا۔ وجہ یہی کہ اصول اخلاق سے منہ موڑ لیا اور خدا کی نعمتوں کو بے محل صرف کیا جس کے لئے وہ بنیں نہ تھیں۔

حقوق قومی کی نسبت خدا نے فرمایا تھا فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم خدا سے ڈرتے رہو۔ اور آپس میں صلح کراتے رہو (انفاق ع ۱) یہ اتفاق قومی تعلیم تھی۔ علیٰ ہذا۔ انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم ایمان والے آپس میں بھائی ہیں۔ تو بھائیوں میں صلح کراتے رہو (حجرات ع ۱) اتفاق قومی کی تعلیم تھی کہ آپس میں جھگڑے بھی پڑیں تو صلح کرا دو علیٰ ہذا۔ اطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذہب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین خدا اور رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں۔ آپس کے جھگڑے میں پڑو گے تو ہمت ہار دو گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اگر اس میں تکلیف پہنچے تو صبر کرتے رہو۔ خدا صبر والوں کے ساتھ ہے (انفال ع ۶) ان اصول کی تعمیل مسلمانوں نے یہی کی کہ بجائے صلح کرانے کے کمزور پر ایک رندہ اور رکھدیا۔ اور جھوٹی گواہی سے دلیرانہ دھمکی کی۔ کچہریوں میں اسکے نت نئے تماشے روز جا کر دیکھ لو۔ یہ مسلمان آپس میں خدائی رشتہ سے بھائی ہیں۔ اور یہ بھائیوں کے ساتھ کے سلوک تھا چونکہ خدا کی رضا کے خلاف ہے۔ اصول اخلاق توڑ دیا گیا۔ تو یہ آپس میں جھگڑے بھی ہمت بھی ہار بیٹھے اور انکی ہوا بھی اکھڑ گئی۔ خدا کی مسجد کو جھگڑا کر کوئی فرقہ اپنی مسجد بنانے آئین با جھ

اور رفع یدین کی تکرار پر آج جوتی پیزار کرو۔ خلافت نبوت تیرہ سو برسوں کے بعد کسی کو وہ علم اور تابوت کی نسبت آج خون خرابہ کرو۔ مگر کل خدا کے حضور میں یہ آئیں اپنا خون بہا ضرور ہی کر رہیں گی۔ اور نہ دینے پر حبس دوام کا جیل ضرور جھیلنا پڑے گا۔ اس میں سنی شیعہ اہل حدیث کوئی ہوں۔ اس میں مشائخین و مجتہدین یا علما اہل حدیث کوئی ہوں ان جھگڑوں میں جب مسلمانوں کی ہوا اکھڑ چکی تو مخالف ہوا میں کشتی پار لگے تو کیونکر۔ کہا گیا تھا کہ اتفاق قومی میں تکلیف پہونچے تو صبر کرو۔ نہ کیا۔ تو اب اپنے ادبار پر صبر کرنا پڑا۔

صرف اتفاق قومی کو کہا ہی گیا تھا بلکہ حکم تھا۔ واخفض جناحک للمومنین و مسلمانوں کیلئے اپنے بازؤں کو جھکائے رہو (حجر ع۶) اس کے یہ معنی نہیں کہ مسلمانوں کو دیکھ کر لیٹ جاؤ۔ اس کے معنی یہی تھے کہ جتنی نعمتیں اور قوتیں خدا نے تمھیں دیں جو اس دنیا میں گذران کیلئے بمنزلہ بازو کے ہیں جن کے بل بوتے پر تم اڑتے ہو وہ قومی خدمات میں صرف کرو۔ وہ سارے صفات جو محبت کے اقتضا سے ہیں ان سارے حقوق میں جو برادرانہ اور قومی اقتضا سے ہیں صرف کئے جائیں۔

اب آخر میں میں قوم کے مفہوم کو جو مختلف فیہ ہو رہا ہے۔ صاف کر دینا چاہتا ہوں بعض مسلمانوں نے دھوکے اور غلطی میں پڑ کر قوم کے معنی اک ملک کے باشندوں کے سمجھا ہے اور منطق یہ قایم کی ہے کہ ہندوستان کے باشندے ہندو ہیں اور ہم ہندوستان کے باشندے ہیں۔ تو ہم بھی ہندو ہیں اُن کو ہندو ہونا مبارک گو وہ زبان اور ادب نہ جاننے کے سبب ہندو ہوتے ہیں۔ ہندی یا ہندوستانی ہونا اور ہے اور ہندو ہونا اور ہے اصطلاحاً ہندو بمقابلہ انگلش نہیں ہے۔ بمقابلہ عیسائی ہے جیسے انڈین یعنی ہندوستانی بمقابلہ [illegible] نہیں ہے۔ انڈین کے معنی ہندو کے نہیں ہندوستانی کے ہیں۔ یورپین کے معنی عیسائی کے نہیں بلکہ باشندہ یورپ کے ہیں مسلمان ہندی یا ہندوستانی ہیں۔ مگر ہندو نہیں ہیں۔ ہندو مسلمان اصطلاحاً دو مذہب کے پیرووں کو بولا جاتا ہے۔ خدا نے قوم کی تقسیم مذہب پر کی ہے جتنی قومیں ہوئیں وہ اپنے پیغمبروں کے نام کے ساتھ منسوب ہوتی رہیں۔ اب لوگوں نے قوم کی تقسیم ملک پر کرنا چاہا ہے۔ مگر یہ بولنے ہی کا ہے۔ عملاً ہوتا تو ترکوں کے ساتھ جو سلوک ہوا گیا وہ ہونا تھا اور کوئی ہندوستانی اگر عیسائی ہو جائے تو اُس کو جو حقوق ملجاتے ہیں وہ نہ ملتے اور مذہب بدلنے پر بھی وہ ہندوستانی ہی سمجھا جاتا اور ہتیا رہند

نہ ہوسکتا اسی کے ساتھ بادشاہ کے لیے پروٹسٹنٹ ہونے کی قید اور حلف لینا اُٹھا دیا جاتا
غرض عملاً ہے یہی کہ قومیت کی تقسیم مذہب پر ہے اور یہ ہے وسیع کہ اگر ساری دنیا ایک
مذہب پر آجائے ساری دنیا اک قوم ہو سکتی ہے۔ ملکی تقسیم سے تو تفرقے مٹ ہی نہیں سکتے
اور یہ تقسیم ہمیشہ خون خرابی کا باعث ہو گی عملاً یہی خدائی تقسیم ہے۔ جو نہ کسی کے مٹائے
مٹی ہے نہ مٹے گی اور قوم سے میری مراد بھی یہی ہے۔

حقوق عامہ عباد۔ عامہ عباد یعنی انسان میں سارے ہی انسان انسانی حقوق کے حصہ دار ہیں
اور اپنے پرائے سب اہل۔ وہ بھی جن کے حقوق بیان ہو چکے اور وہ بھی جنکے حقوق بیان نہیں ہوئے
یا ایہا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ وجعلنٰکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم
عند اللہ اتقٰکم اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو کنبوں
اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم اچھی طرح سمجھا لو کہ خدا کے نزدیک جو پرہیزگار تر ہے وہ معزز تر
ہے (حجرات ع۲) سارے انسان ایک مرد و عورت سے پیدا ہوئے سب کی جنسیت
ایک خلقت ایک طرح کی پھر مغائرت کیوں برتو۔ ہم جنسی کا حق بھی کوئی معمولی حق نہیں۔ اگر
حق ہم جنسی تم اپنا دوسروں پر سمجھتے ہو تو دوسروں کا بھی اپنے اوپر سمجھو۔ اس لئے جو اپنے لیے
چاہو وہی دوسروں کے لئے بھی۔ انسانی ہمدردی انسانی اخوت کا انسانی حق ہے جو ہر کسی کا
ہر کسی پر ہے۔

خدا نے فرمایا انا خلقنٰکم سارے انسان کا خلاق خدائے واحد ہے اُس نے سب پر ہی
رحم و کرم کی نظر رکھی انسان کو جماعتوں اور اُمتوں میں تقسیم کیا تو ہر امت کے پاس الگ ایک
رسول بھیجا ولکل امۃ الرسول مگر سب امتوں نے ایک دوسرے کی تصدیق نہ کی بلکہ مخالفت
پیدا کی اس لئے آخر میں سب کے لئے ایک ہی خاتم المرسلین کو بھیجا ایہا الناس قد جاءکم
الرسول بالحق من ربکم (نساء ع۲۳) اور سارے انسان کے پاس برحق احکام اور
برحق ہدایتیں بھی آئیں یا ایہا الناس قد جاءکم برھان من ربکم (نساء ع۲۴)
اور قد جاءکم الحق من ربکم (یونس ع۱۱) اور قد جاءتکم موعظۃ من ربکم (یونس ع۶)
سب کی غرض یہی رہی۔ لتخرج الناس من الظلمٰت الی النور۔ تاکہ لوگوں کو تاریکی
سے روشنی کی طرف لائے (ابراھیم ع۱) غرض انسان کو تاریکی سے نکالنا اور کتاب اللہ
تبلیغ کرنی انسانی فرض ہے اور امتوں نے کتاب اللہ ضایع کی مگر مسلمانوں کے پاس

کتاب اللہ جوں کی توں موجود ہے جس کا ثبوت شرعۃ الحق میں دیکھو اس لیئے ہم
مسلمانوں پر تبلیغ کتاب اللہ فرض ہے اور یہ ہم مسلمانوں پر انسانی حق ہے جو افسوس
ہے کہ ایک مدت سے متروک ہے۔

تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان نیکیوں اور پرہیزگاریوں میں
ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ سرکشی میں ایک دوسرے کی مدد نکرو (مائدہ ع۱) یہ انسان پہ
انسانی حق ہے۔ انسان اگر اس پر عمل ہو تو دنیا سے برائیاں اُٹھ جائیں اور دنیا بہشت ہو جائے۔

لا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم ان تبروا وتتقوا وتصلحوا بین الناس اپنی قسموں کے باعث
خدا کو اس کا مانع نہ بناؤ کہ لوگوں کے ساتھ سلوک کرو، پرہیزگاری برتو اور اصلاح کرو (بقرہ ع۲۸)
یہ سارے انسانی حقوق ہیں۔ ان باتوں کے کرنے کی قسم بھی کھالو تو ایسی قسم کو توڑ دو۔

قولوا للناس حسنا۔ لوگوں سے اچھی باتیں کہا کرو (بقرہ ع۱۰) زبان گو سُننے گالیاں دینے
اور دل دکھانے کو نہیں دیگئی۔ بلکہ قول احسن کے لئے ملی ہے تو اس نعمت کو بے جگہ نکرو۔
یہ انسانی حق ہے۔

لا یسخر قوم من قوم ایک قوم دوسری قوم پر ٹھٹا نہ کرے (حجرات ع۲) اس سے دل کُھتا ہے
اور کوئی قوت دل دکھانے کی غرض سے نہیں دیگئی۔

لا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان نہ ایک دوسرے پر
عیب لگاؤ نہ کسی کو برا لقب دو۔ ایمان کے بعد بدتہذیبی کا نام ہی برا ہے (حجرات ع۲)
ان آیتوں پر غور کرو اور سمجھو کہ از روے اصول اخلاق کن کن قوتوں کی روک تھام کیگئی ہے۔

اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا
بہت گمان کرنے سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہے۔ نہ جاسوسی کرو نہ غیبت کرو (حجرات ع۲)
عباد اللہ کا ہم پر یہ حق ہے کہ ان پر نہ بدگمانی کی جائے نہ انکی جاسوسی کی جائے نہ اُن کی
غیبت کی جائے۔ ہم کو کوئی قوت بھی ان برائیوں کیلئے نہیں ملی یہ نعمائے الٰہیہ کا بے جا
صرف کرنا ہوگا جو ظلم ہے۔

واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل جب لوگوں میں حاکم بنو تو حکم انصاف سے دو
(نساء ع۸) انصاف کی وضاحت دوسری جگہ کردی فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھویٰ
خواہش نفسانی کے پیچھے نہ ہو لو بلکہ جو حق ہو وہ لوگوں میں حکم دیدو (ص ع۲) حاکم سے

انصاف طلبی عباد اللہ کا حق ہے۔ پوپیسی سے حکم دینا انصاف نہیں ہے۔ دیکھو قوت کی بے تکے ہوئے لوگوں کے ساتھ احسان کرنا عباد اللہ کا حق ہے لا تنسوا الفضل بینکم آپس میں احسان کرنا نہ بھولو۔ مگر اس نیت سے احسان کرنا کہ زیادہ معاوضہ اس کا ملے ناجائز ہے ولا تمنن تستکثر (مدثر ع۱) پھر اذیت دیکر اور احسان جتا کر احسان کو باطل نہ کرو لا تبطلوا صدقٰتکم بالمن والاذی (البقرہ ع۳۶)

عباد اللہ کا یہ حق ہے کہ ہم اپنے کو ایسا بنائیں کہ وہ ہم سے نفرت نہ کریں بلکہ اُن کے دل مائل ہوں اس کے لئے ظاہری اور باطنی صفا درکار ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم اے خدا لوگوں کے دلوں کو انکی طرف (یعنی میری اولاد کی طرف) مائل کر دے (ابراہیم ع۶) یہ کوئی تسخیر کی دعا نہ تھی بلکہ یہ تسخیر سے اعلیٰ درجہ کی دعا تھی۔ اس کے معنی یہ تھے کہ ان کو ایسا اور ایسے اطوار کا بنا کہ لوگوں کے قلوب اُدھر مائل ہو جائیں۔ خدا نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان رکھا فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر یہ تو خدا کی طرف سے رحمت تھی کہ تم اُن کو نرم دل ملے۔ اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو لوگ جو تم کو گھیرے ہوئے ہیں تتر بتر ہو جاتے تو اُن کو معاف کر دیا کرو اور اُن کے لیے مغفرت مانگا کرو۔ اور کاموں میں اُن سے مشورہ لیا کرو (آل عمران ع۱۷) نرم دل ہونا۔ معاف دینا۔ مشورہ کرنا۔ یہ انسانی حقوق ہیں اور کل وہ باتیں جو دل کو مائل کریں۔ خوش لباس ہونا۔ خوش کلام ہونا۔ خوش بیان ہونا۔ خوش مزاج ہونا۔ خوش کردار ہونا۔ خوش خلق ہونا یہ سارے انسانی حقوق ہیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حکم سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے۔ اس لئے اچھی باتوں کا حکم کرنا اور بری باتوں سے روکنا یہ انسانی حق ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے جو خدا نے فرمایا لم تقولون ما لا تفعلون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون وہ کیوں کہو جو خود نہ کرو۔ ایسا کہنا جو خود نہ کرو خدا کے نزدیک تو نہایت ناپسندیدہ بات ہے (صف ع۱) اس لیے یہ انسانی حق ہے کہ پہلے اپنی اصلاح کرو۔ اس کے بعد امر معروف اور نہی منکر کی خدمت انجام دو۔

خلاق فطرت نے جب ان سارے احکام کی ادائگی کی قوتیں تم کو دے لی ہیں۔ جب اُن احکام کا

مامور کیا ہے تو اپنی قوتوں پر نگاہ کرو انکی اصلاح کرو اُن کو سیدھی راہ پر چلاؤ۔ انکو بے راہ کر کے ظالم نہ بنو هذا بلغ الناس یہ لوگوں کے لئے تبلیغ ہے اور اُس وقت اتنی تبلیغ بہت کافی ہے۔

حقوق ماسوائے انسان

جس طرح انسان سے تمہارے تعلقات ہیں اسی طرح ماسوائے انسان سے بھی اور جس درجہ کے تعلقات ہیں اسی درجہ اُن کا تم پر حق ہے ماسوائے انسان میں زمین و آسمان اور اُن دونوں کی جاندار مخلوق اور غیر جاندار مخلوق سب شامل ہیں۔ هو الذی خلق لکم ما فی السموات و ما فی الارض وہ خدا ہی ہے جس نے زمین و آسمان کی کل چیزیں تمہارے ہی لئے بنائی تو یہ خدا کی نعمتیں ہیں جو تم کو ملی ہیں جس پر تم کو دسترس دی گئی ہے اُن کو انہیں کاموں میں لاؤ جن کاموں کیلئے وہ تم کو ملی ہیں یہی اُنکا تم پر حق ہے یہی رضائے مولے ہے اور یہی اصول اخلاق ہے! اور جو قوتیں تم کو ملی ہیں اُن کو ان نعمائے الٰہیہ کے ساتھ بے جگہ نہ صرف کرو کہ یہ رضائے مولی اور اصول اخلاق کے خلاف ہوگا۔

زمین منها خلقنکم وفیها نعیدکم ومنها نخرجکم تارۃ اخری مٹی سے ہم نے تم کو پیدا کیا پھر مٹی میں ملا دینگے اور پھر مٹی ہی سے تم کو دوبارہ جی اُٹھائینگے (طٰہٰ ع۳) تم زمین کی مخلوق ہو۔ زمین پر رہتے سہتے اور زمین ہی کی قوت پر گذران کرنے والے ہو ولقد مکنّٰکم فی الارض وجعلنا لکم فیها معایش ہم نے تم کو زمین میں بسایا اور اس میں تمہارے لئے سامان زندگی مہیا کر دیا (اعراف ع۱) ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین۔ اور زمین میں تمہارے لئے ایک مدت تک تمہاری قرارگاہ اور کام چلاؤ سامان ہیں (بقرہ ع۴) تو زمین کا حق تم پر یہ ہے کہ تم اُسے آباد کرو۔ پُر رونق کرو۔ اُس کو گلزار بناؤ۔ اُسی کی پیداوار سے تم زندگی کرتے۔ اُسی کی آب و ہوا سے تم زندہ ہو اور اُس سے ہر طرح کے فائدے اُٹھاتے ہو تو کیا یہ ناشکری نہ ہوگی اگر تم اس کا حق نہ پہچانو اور اس کی فطرتی رونق کو بے رونق۔ اُسکی آبادی کو اُجاڑ اور سنسان بناؤ۔ اُسکی بے ضرر مخلوق پر ظلم و ستم روا رکھو۔ بے ضرر جانوروں کو ناحق مار ڈالو پھلدار اور سایہ دار درختوں کو بے وجہ کاٹ دو۔ زمین کا یہ تم پر پہلا حق ہے۔ کہ تم زمین کی آغوش میں رہکر اُسکی آنکھوں میں اُنگلیاں نہ گڑاؤ۔ اُسکی مخلوق پر ظلم و زیادتی نہ کرو۔ اُسکی آراستگی کو ویران اور اُجاڑ نہ کرو۔ اس کو اپنی برائیوں اور گناہوں سے آلودہ نہ کرو ہاں اُس سے فائدے اُٹھاؤ اُسکا

تم کو فطرتاً حق حاصل ہے جعلکم خلفاء الارض خدا نے تم کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے (نمل ۵)
یہ خدا کا دیا ہوا حق ہے جو بدیہی ہے تو اس حق و اختیار کو بے راہ روی میں نہ صرف کرو
خلیفہ کا یہ کام نہیں کہ سلطنت کو تباہ کرے۔ بلکہ خدا کی خلافت کا اقتضا یہ ہے کہ جو برتاؤ
مخلوق کے ساتھ خدا نے کیا ہے وہ تم کرو اور ہر مخلوق کو اُنھیں آنکھوں دیکھو جن آنکھوں
اُس نے دیکھا ہے۔ تخلقوا باخلاق اللہ۔
اسے تفصیل میں دیکھو۔ خدا نے فرمایا ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا جو کچھ
زمین میں ہے خدا نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے (بقرہ ع ۳) تو تمہارے تعلقات
مخلوق ارضی کے ساتھ طرح طرح کے ہیں۔ بعض چیزیں تمہاری مدار زندگی ہیں جیسے آب و انہ
بعض تمہاری محافظ ہیں جیسے کپڑے مکان اور سواری کی چیزیں۔ بعض تمہاری قوت ہیں۔
تلوار گرز ا سے اور لٹھ وغیرہ۔ بعض جانور تمہاری میونسپلٹی صاف کرتے ہیں۔ جیسے سور چیل
اور گدھ وغیرہ۔ درندے تمہیں کاٹے کھاتے ہیں اور حشرات الارض تمہاری جان سے
کاہک ہیں۔ تو جو تمہارے لئے دشمن اور زہر ہیں۔ وہ تمہارے دشمن کے لئے بھی دشمن
اور تمہارے دوسرے زہروں کے لئے تریاق ہیں۔ شیر کے کل اجزا اور سانپ بچھو کے
زہر کیسے کیسے صعب امراض میں کام آتے ہیں۔ تو یہ احسان فراموشی ہوگی۔ اگر تم اُن نعمتوں کو
اُن کاموں میں لاؤ جن کاموں کے لئے یہ نہیں ملی ہیں۔ یا اپنی دیگر قوتوں کو ان نعمتوں کے
برباد کرنے میں لگاؤ۔ اور ظلم کرو۔ خلیفۃ اللہ بنکے رہو اور اپنی مملکت میں اخلاق الٰہی کا برتاؤ کرو۔
جمادات مٹی اور پتھروں کو سے تم مکان بناتے عمارتیں اُٹھاتے اور سو طرح کے کام لیتے
جواہرات موتی یاقوت۔ زمرد۔ زبرجد۔ ہیرے ان کی تو تم نے پوری ہی قدر کی کہ ان کی
قیمت سیکڑوں عزیز جانوں سے بھی بالاتر ہے۔ یہ تمہاری زینتوں کے لئے خدا نے
بنائے ہیں۔ اسی لئے زینت کو حرام بھی نہیں کیا من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ
کس نے زینت کو حرام کیا جو خدا نے اپنے بندوں کے لئے بنائی۔ سونا چاندی سکوں میں
کام آتے اور لازمۂ حیات ہو گئے ہیں۔ پہاڑ بظاہر تم کو بیکار معلوم ہوتے ہیں۔ مگر والقی
فی الارض رواسی ان تمید بکم وانھرا و سبلا لعلکم تھتدون و علمت۔
زمین پر خدا نے پہاڑ ڈالدئے کہ زمین تم کو لیکر جھک نہ پڑے۔ اور ندیاں نکالیں۔ رستے
بنائے تاکہ تم راہ پاؤ اور بہتیری نشانیاں (نحل ع ۲) پہاڑ بھی بیکار نہیں پتھر کی کتنی چیزیں

تمھاری ضروریات زندگی سے ہیں۔ پھر گرمیوں میں ذرا پہاڑ پر جاؤ تو بہشت ہی معلوم ہوگا۔ پھر پہاڑ سے زلزلے نہیں آتے جھرنے اور ندیوں نالوں نے نہ انسان و حیوان ہی کو سیراب کیا بلکہ زمینوں کو بھی۔ باہمہ ناہمواری اُن میں رستے بنائے جس سے آدمی پہاڑوں کو بھی پھاند جاتا ہے۔ یہ سب خدا نے تمہارے فائدوں ہی کے لئے بنایا ہے تو اُس سے تمتع حاصل کرو مگر حد سے نہ بڑھو۔

نباتات یعنی پھلوں اور زراعتوں کی نسبت خدا نے فرمایا کلوا من ثمرہ اذا اثمر واتوا حقہ یوم حصادہ جب وہ پھل لائیں تو پھلوں کو کھاؤ اور اس کا حق درو ہی کے دن نکال دیا کرو (انعام ع ۱۷) ینبت لکم بہ الزرع والزیتون والنخیل والاعناب ومن کل الثمرات زراعت۔ زیتون کھجوریں۔ انگور۔ اور ہر قسم کے پھل خدا نے تمہارے لئے اوگائے ہیں۔ تو انھیں کھاؤ اور خدا کا شکر کرو نہ یہ کہ ناحق پھلوں کو توڑ کے پھینک دو یا درختوں کو کاٹ کر بیکار بھی ضایع کردو۔ اور ناشکری کرو۔ غرض نعمائے الٰہیہ کو انھیں کاموں میں لاؤ جن کاموں کے لئے وہ ملے ہیں یہی رضائے مولا اور یہی اصول اخلاق ہے۔

حیوانات اسکے متعلق قرآن مجید میں بہتیری آیتیں ہیں۔ ان کے حقوق سے تم فطرتاً آگاہ بھی ہو اور عمل بھی پرند چرند چوپائے تم سب کو پکڑتے پالتے شکار کرتے اور کھاتے ہو۔ پالتے ہو تو اُن کے آب و دانہ اور آرام وہی کا خیال کرتے ہو۔ شکار کرتے ہو تو بچہ دینے کے زمانہ میں اُن کے بچوں پر رحم کھا کر شکار سے باز رہتے ہو یہ سارے اخلاقی برتاؤ ہیں جن کو تم برتتے ہی ہو۔ پھر تفصیل سے کتاب کو طول کیوں دیا جائے۔ ہاں جانوروں کو لڑانا یہ تمہارا ظلم ہوگا۔ یہ ساری مخلوق اور بے زبان مخلوق لڑانے کو پیدا نہیں کی گئی۔

چوپایوں کی نسبت قرآن مجید میں بہتیری آیتیں ہیں بلکہ رکوع کا رکوع جس کا بیان کرنا طوالت طلب ہے مگر خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ اونٹ جو دودھ دیتا ہے گھی دیتا ہے۔ اور ایسی ریتلی زمین پر جہاں اور جانور سواری کے کام نہ آسکیں۔ یہ غریب کم کھانے والا کام دیتا ہے یہی جانور ہے کم کھانے والا۔ اور زیادہ کام دینے والا۔ یا بیل جو کھیت جوتنے کے کام آتا ہے جس کی محنت پر ہندوستانی زراعت کا دارومدار ہے یا بوجھ لادنے یا گاڑیوں کے کام میں یا گائے جو دودھ دیتی ہے ان جانوروں کو باہمہ ان کی مجبوریوں ان کی جسمانی پلید ہو سکنے یہ مخلوق اپنی ناپاکی دور کرنے کی بھی قدرت نہیں رکھتی۔ پرند کے مقابلہ میں بھی نہیں۔ پر جو انکی

پرستش کرو۔ یہ کونسی نا انصافی ہے کہ زراعت کو پھلوں کو کہ یہ بھی نباتاتی جان رکھتے ہیں پرند
اور چرند کو اور یہ چھوٹی چھوٹی مخلوق پانی کے کیڑوں ہوا کے کیڑوں کو کھاؤ اور ہضم کرو۔ اور
اُن کو کھانا بے رحمی اور جان مارنا نہ سمجھو اور اُن چوپایوں کے کھانے کو جو تمہارے کھانے کی
چیز ہے بے رحمی اور جان مارنا سمجھو اور اس جہالت کی سمجھ پر انسان کا خون ناحق کرو ظلم اور ستم سے
مارنا تو کسی کی جان کا ہو ظلم ہے اور حق پر مارنا کسی کی جان کا بھی ہو ظلم نہیں بلکہ کھانے کی چیز جو
خدا نے دی ہے اس کو ذبح کرنا اور کھانا عبادت ہے اور نعمت کی شکر گزاری ہے ان جانوروں
کو کھانا جو کھانے کے ہیں اور ان جانوروں کو نہ کھانا جو نہ کھانے کے ہیں۔ رضائے مولیٰ
اصول اخلاق۔ اور نعماے الہیہ کا صحیح استعمال ہے۔
یہ بھی یاد رکھو ولاضلنھم ولامنینھم ولامرنھم فلیبتکن اذان الانعام ولامرنھم فلیغیرن
خلق اللہ ومن یتخذ الشیطن ولیا من دون اللہ فقد خسر خسرانا مبینا شیطان نے
خدا سے کہا تیرے بندوں کو بالضرور بہکاؤں گا اور دنیا کی امیدیں دلاؤں گا۔ بالضرور اُن کو
سمجھاؤں گا تو وہ جانوروں کے کان کاٹیں گے اُن کو سمجھاؤں گا تو وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت
کو بدلا کریں گے۔ تو جو کوئی خدا کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے گا وہ صریح گھاٹا اٹھائے گا
(نساء ع ۱۸) میں اپنے بچپن میں جب عیسائیوں کے کتوں کو انکی دم کٹی ہوئی اور کان
کٹے ہوئے یا گھوڑوں کو انکی دم کٹی ہوئی دیکھتا تھا تو خیال ہوتا تھا کہ یہ کس جرم کی سزا ہے کہ گھوڑا
مکھیوں کے ظلم سے پریشان ہے اور اس کا خدا کا دیا مورچھل بے قصور چھین لیا گیا ہے یا آج
اس پیری میں مردوں کو داڑھی مونچھ منڈا کر زنانہ صورت بننے اور خلقت کو تغیر کرنے کا شوق
دیکھ کر تعجب ہوتا تھا کہ آخر اس کی بنیاد کیا ہے مگر اس آیت نے تسلی کر دی کہ یہ شیطانی کام
اور شیطان کی مراد۔ تو اسے لوگو! یہ کتوں اور گھوڑوں کی دم کاٹنی جو خدا نے اس بے زبان
اور بے بس مخلوق کو ہاتھ کی جگہ مکھیوں اور پتنگوں سے نجات حاصل کرنے کی غرض سے دی ہے
کوئی نئی تہذیب اور علمی انکشاف نہیں ہے۔ بلکہ یہ پرانی ممنوع خداوندی رسم ہے۔ جب تو خدا نے
منع کیا کہ یہ شیطانی کام ہے اور اُن حیوانوں پر صریح ظلم۔ اسی طرح داڑھی مونچھ منڈانے کا گھاٹا بھی
دیکھ لو۔ وہ یہی کھلا کھلا ہے کہ وہ قومی شناخت سے نکل جاتا ہے۔ تو جس وقت قومی حقوق کی
ادائیگی پر بائل ہو تو وہ عدم شناخت کی وجہ سے اس حق کی ادائیگی سے محروم ہو جائے گی
کیا یہ گھاٹا نہیں۔ اس سے آدمی ہندو یا عیسائی تو نہ ہو جائے گا مگر زنانہ صورت بنا کر تغیر

خلق اللہ میں کیوں : داخل نہ ہوگا۔ ایسے سارے افعال رضائے مولی اور اصول اخلاق کے بھی خلاف
چوپایوں کی طرح پرندوں کا بھی تم پر حق ہے وہ بھی تمہاری ہی طرح کی مخلوق ہے وما
من دابة فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیه الا امم امثالکم سارے چوپائے جو زمین
پر ہیں اور سارے پرند جو اپنے بازوؤں پر اوڑتے ہیں وہ بھی تمہاری ہی طرح کی امتیں
ہیں (انعام ع) ان کا نظم و انتظام۔ اُن کا تمدن۔ انکی گفتگو انکی ہمدردی۔ علی ہذا
بہتیری باتیں اگر تم فکر کرو تو سمجھو گے! اور عجائبات قدرت تم کو دکھائی دینگے تو اُن کو
کھانے کے لئے شکار کرو تو کرو مگر مشق شکار کے لئے تو ان پر ظلم کرو بس اتنا یاد رکھو
نعمائے الٰہیہ کا استعمال غلط اور بے راہ نہ ہو جائے۔ کیونکہ یہ اصول اخلاق اور رضائے مولا
کے خلاف ہوگا۔

آسمان وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض خدا نے آسمان و زمین کی کل چیزوں
کو تمہارے کام میں لگا دیا (جاثیہ ع) یہ ساری چیزیں تمہاری خدمت میں لگی ہیں
تو ایسے بیوقوف تم کیوں بنو کہ انہیں بیچ کر تم انکی خدمت میں لگو۔ مگر جس طرح زمین کی چیزیں
ہمارے کام میں لگی ہیں اس طرح آسمانی چیزیں ہمارے کام میں نہیں لگی ہیں۔ زمین آسمان
کا فرق ہے۔ خود زمین اور اسکی آب و ہوا کو چھوڑ کر باقی چیزوں سے ہم کام لیتے ہیں اور
دنیا کی ساری چیزوں پر ہماری دسترس ہے۔ مگر آسمانی چیزیں ہمارے کام میں بغیر ہماری
دسترسی کے لگی ہوئی ہیں۔ مثلاً جیسا کہ چوپایوں کی نسبت خدا نے فرمایا (فہم لہا
مالکون) تم اُنکے مالک ہو اُن پر اختیار تصرف رکھتے ہو لیکن آسمانی چیزوں کی نسبت
اس نے فرمایا وسخر لکم اللیل والنهار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره
اُس نے رات دن۔ آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کو تمہارے کام میں لگا دیئے جو تمہارے
کام میں خدا کے حکم سے لگے ہوئے ہیں (نحل ع)

آسمانی نعمائے الٰہیہ بھی تھوڑے نہیں۔ یہ بے نہایہ وسعت بے جان نہیں بیکار نہیں۔ خدا
جانے کتنے راز اسکے اندر ہیں ان میں سے بعینہ۔ روشنی آفتاب ماہتاب۔ رفتار سیارے
قیام ثوابت۔ بجلی کی رو۔ اور علی ہذا جو چیزیں کسی قدر احاطہ علم کے اندر ہیں وہ کیا کم ہیں اُنکے
متعلق ہم صرف برقی رو دریافت کر سکے ہیں اور ہوائی جہاز چلانا سیکھا ہے باقی وہ حقیقتیں
ہنوز از سر بستہ ہی ہیں جو ترقی کی آئندہ دور کے لئے ہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ کس قوم کے

علمی اور عملی خزانہ کے راس المال ہوں گے۔
آسمانی جو نعمائے الٰہیہ جو مشاہدات انسانی سے پرے ہیں وہ انسانی دسترس سے باہر ہیں نہ ہمارا اختیار اُن پر نہ ہمارے حقوق اُن پر۔ نہ اُنکا اختیار ہم پر نہ اُنکے حقوق ہم پر وہ ہمیں کچھ فائدہ پہونچاتے ہیں مگر یہ تو خدا کی مہربانی ہے کہ ہم کو اُن سے فوائد پہونچتے ہیں تو خدا نے جس کو رازِ سربستہ کی طرح رکھا ہے اُسے رازِ سربستہ ہی رہنے دو کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معمارا۔
میں نے اصول اخلاق بیان کیا اور اُسکے چاروں ارکان یا چاروں قوتیں بھی جن قوتوں پر اصول اخلاق کی بنیاد قائم ہے پھر یہ اصول اخلاق کن کن کے ساتھ کس کس طرح برتا جائیگا اس کے دوا بیچ بیان کئے ہی ہے۔ توشۂ آخرت۔ اور زراعت آخرت۔ تو یہ زراعت کہاں کی جائے اُسے اب بیان کرنا ہے۔

دُنیا

یہ دنیا کیا ہے جس پر دنیا والے فریفتے بھی ہیں اور اسے ملعون بھی کہا اور اسکا نام مزرعۃ الاخرۃ بھی رکھا۔
یہی دنیا ہے کہ تماشاگاہ قدرت ہے یہی دنیا ہے کہ نمایش گاہ فطرت ہے اسی کے تماشے دیدنی ہیں۔ اسی کے افسانے شنیدنی ہیں اسکی شراب تیز و تند اور خواب آور ہے۔ جنہوں نے پی وہ غفلت کی نیند سو گئے مبارک وہ جو بیدار رہے اور تماشہ بینی میں حقیقت بین رہے۔ انہوں نے دیکھا کہ دنیا کا ہر ایک ذرہ اک کتاب ہے اور ہر ایک کتاب اپنی عبارت جدا معنی جدا مگر مفہوم ایک ہی رکھتی ہے ہر ایک کتاب کا اپنا باب جدا فصل جدا مگر موضوع ایک ہی رکھتی ہے۔ جیسے لیمپ کے شعاعوں پر چمنیاں اور چمنیوں پر غبارے اسلئے یہ مصحف عالم پڑھنے کا اور غور و فکر کرنیکا ہے اس کے عجیب و غریب اسرار کھلتے بھی جاتے ہیں پھر بھی راز ہی ہیں۔
دنیا کی یہ نیرنگیاں ہیں کہ گلستاں کے ساتھ خارستان بھی۔ راحت کے ساتھ مصیبت بھی رنج کے ساتھ خوشی بھی۔ تلخی کے ساتھ شیرینی بھی۔ بھلائی بُرائی توام یعنی یہ متضاد مجمع البحرین عالم ہے۔ اس کے باشندے بھی جیسے صورت میں مختلف سیرت میں مختلف ویسے ہی مذہب اور خیال میں مختلف ہیں۔ تو ایک گروہ یہ کہنے کھڑا ہوا کہ ہم دنیا کے لئے پیدا کئے گئے۔ ہمارا کام ہے دنیا میں عیش و عشرت منانا اور مرجانا ہے اور دوسرا گروہ یہ کہنے کھڑا ہوا کہ دنیا ہمارے لئے پیدا کی گئی ہمارا کام ہے اس مزرعۃ الاخرۃ میں زراعت کرنا۔ اور دوسرے

عالم کے لیئے ذخیرہ کرنا۔ تو پہلا گروہ دنیا کا ہو رہا ہو۔ چند دنوں کی بات تھی۔ ادہر مرا ادہر دنیا دوسرے کی ہو گئی۔ دوسرا گروہ دو جماعتوں میں تقسیم ہوا۔ ایک جماعت نے دنیا کو چھوڑا۔ لیکن دنیا نے اُسے نہ چھوڑا۔ دوسری جماعت نے اس مزرعة الاخرۃ میں زراعت کی محنت کی اور محاصل کاٹ کر با مراد گھر کو لے گیا۔ تو دنیا کی بری ہو گی۔ اور کیوں بُری ہونے لگی۔ غریب زمین نے کیا بگاڑا۔ یہ نیلے آسمان نے کیا کو بے بساط یہ زمین و آسمان کی مخلوق نے کیا پہاڑ توڑے۔ یہ دنیا تو انسان کے لیئے ہے جسکے ساتھ اس کے فوائد اور اسکی حیات وموت وابستہ ہے اس لیئے یہ دنیا بُری نہیں حیات دنیاوی ہی کو بری کہو بھلی کہو۔ اگر حیات دنیاوی تمہارے درستی اخلاق سے دین ہو گئی ہے تو تمہاری دنیا دین ہے۔ اور اگر حیات دنیاوی پر ماسوائے اللہ اور دنیاوی چیزوں نے غلبہ اور سطوت حاصل کر لی ہے کہ اس میں دینی ہدایات بھی ڈھک گئیں تو تمہارا دین بھی دنیا ہے۔ اسی لیئے خدا نے بھی اس دنیا کی مذمت نہیں کی۔ نہ اس کو چھوڑ دینے کو۔ نہ کوئی دنیاوی مخلوق دنیا کو چھوڑ کر باہر جا بھی سکی۔ ہاں حیات دنیاوی کی نسبت اس کی واضح ہدایتیں ہیں۔ مختصر یہ کہ حیات دنیاوی ہی دنیا یا دین ہے اب اس کو جیسی بناؤ۔

خدا فرماتا ہے زین للذین کفروا الحیوٰۃ الدنیا کافروں کو حیات دنیاوی بھلی دکھائی گئی۔ (بقرہ ع ۲۶) دنیاوی زندگانی پر ریجھنا کافروں کی شان ہے۔ مگر فی زماننا مسلمانوں کا بھی یہی حال ہو رہا ہے دولت اور دنیاوی ہی بھڑک کو انھوں نے اپنے کمال ترقی کی معراج سمجھا ہے اور اس میں منہمک ہو کر مذہب اور عزت سب کو خیرباد کہنے کو تیار کھڑے ہو گئے ہیں۔ پھر بھی دنیا انکی نہ ہوئی۔ دنیا کے چلتے دین بھی گیا۔ خسر الدنیا والاخرۃ (حج ع ۲) یہ دنیا کے ہو گئے تو دنیا ان پر حکمراں ہو گئی اگر یہ دنیا اور خواہشات پر حکمراں ہوتے تو یہ دنیا انکی ہوتی اور محکوم ہو کر۔

حیات دنیاوی کا دوسرا نام حب الشہوات ہے۔ زین للناس حب الشہوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث ذلک متاع الحیوٰۃ الدنیا واللہ عندہ حسن المآب۔ حب الشہوات انسان کو بھلی دکھائی گئی یعنی محبت عورتوں بیٹوں سونے چاندی کے خزانوں نشان کئے ہوئے گھوڑوں مویشیوں اور کھیتی کی۔ یہ تو حیات دنیاوی کے فوائد ہیں۔ اور بہتر ٹھکانا

خدا کے قرب میں ہے (آل عمران پ۳) پناہ خدا ہی کے قرب میں ملتی ہے۔ یہ چیزیں پناہ دینے والی نہیں بلکہ ان کی محبت تباہ کن اور پریشان حال کرنے والی ہے۔ نہ اس میں سکون ہے نہ اطمینان جس نے ان سے دل لگایا وہ بے پناہ ہوا۔ دیکھو دنیا اسی میں ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے۔ خدا نے حب النساء والبنین نہیں فرمایا بلکہ حب الشہوات من النساء والبنین فرمایا کہ بیبیاں اور بیٹے دشمن نہ ان کی محبت بری کہ وہ تو جعلہ اللہ ہو وہ مقرر ہے تباہ کن سیر چیزیں بیاں کرتی اقتضائے فطرت خدا ہی نے فرمایا عورتیں اسلئے پیدا کی گئیں لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ تو فطرتاً جو خدا ہی نے ڈالی پھر وہ اسی کو مذموم کیوں قرار دیتا۔ اسی طرح اولاد کی محبت۔ اسی لئے خدا نے فرمایا بیٹوں اور بیبیوں کے ساتھ خواہشات نفسانی کی محبت بھلی دکھائی گئی ہیں وہ محبت نہیں جو فطرتی ہو بلکہ حد سے تجاوز کی ہوئی اور شہوات کے درجہ پر پہنچی ہوئی محبت کو مذموم فرمایا کہ یہ بھلی ہے نہیں مگر بھلی دکھائی گئی ہے کہ اسی پر دنیا مری مٹی ہوئی ہے۔

دنیاوی چیزوں سے دل لگانا تو سراب کے پیچھے دھوکا کھانا ہے وما الحیوٰۃ الدنیا الا متاع الغرور حیات دنیاوی تو غرور کی پونجی ہے (حدید پ۲۷) اور غرور کا موجد شیطان ہے پہلے اسی نے غرور کیا اور غرور کا مجسم ہوا۔ اسی غرور سے ملعون ابدی ہوا۔ اور غرور سے تو تائب ہوئے دنیا نہیں اب تک وہ تائب بھی نہ ہوا۔ دنیا کو دیکھو تو یا غرور کرنے یا غرور کے سواد حاصل کرنے میں پڑی ہے۔ اور دنیا میں بہت زیادہ فساد اسی کا ہے۔ حیات دنیاوی اسی کے ہاتھوں مذبوح ہے۔

خدا نے فرمایا ثم جعلنٰکم خلائف فی الارض من بعدھم لننظر کیف تعملون ان لوگوں کے بعد ہم نے تم کو دنیا میں خلیفہ بنایا تاکہ دیکھیں کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو (یونس پ۱۱) یہ دنیا تو دارالامتحان ہے اس امتحان سے کون بچا پھر ہم کیوں بچتے تو بطور آزمائش اس نے ہم کو اونچا بھی کیا اور نیچا بھی۔ اونچے ہوئے تو دنیاوی عیش و عشرت پر ٹوٹے اور نیچے ہوئے تو سب کچھ کھونے کے ساتھ دین و دینتوں کو بھی کھو بیٹھے۔ خدا نے ہوشیار کر دیا تھا۔ ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم البأساء والضراء وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین اٰمنوا معہ متی نصر اللہ الا ان نصر اللہ قریب کیا تم یہ گمان کئے ہوئے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ ابھی حالتیں جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں تم پیش نہیں آئیں۔ انکو سختیاں پہونچیں تکلیفیں پہنچیں وہ جھڑ جھڑائے بھی گئے یہاں تک کہ رسول اور

اور اُن کے ساتھی مومنین پکار اُٹھے کہ وکب آئیگی تو خدا نے جواب دیا کہ سنو اللہ کی مدد قریب ہے (بقرہ ۲۶) غرض اس دار الامتحان میں عبودیت اور محبت کا امتحان ہے اور کامیاب ہونے کا نمبر اور معیار تم کو بتا دیا گیا ہے کہ تمہارا حال ہو جانا چاہئیے انت ولیی فی الدنیا والاخرۃ دین و دنیا میں تو ہی ہمارا دوست ہے (یوسف ۱۱)

خدا نے فرمایا اعلموا انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد آگاہ ہو کہ حیات دنیاوی کھیل اور تماشا ہے۔ زینت ہے۔ اور ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال و اولاد میں بڑھ ہوئی چاہنا (حدید ۲۷) دنیا والوں کو دیکھو تو انکی زندگانی انھیں باتوں میں منہمک ہے لیکن ۱ منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاخرۃ ۲ من یرد ثواب الدنیا نؤتہ منہا ومن یرد ثواب الاخرۃ نؤتہ منہا ۳ من کان یرید حرث الاخرۃ نزد لہ فی حرثہ ومن کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منہا وما لہ فی الاخرۃ من نصیب بعض تم میں دنیا کے طالب ہیں اور بعض آخرت کے ۱ جو کوئی دنیاوی بھلائی کی نیت کرے تو اُسے ہم وہی دینگے اور جو کوئی آخرت کی بھلائی کی نیت کرے تو اُسے بھی ہم وہی دینگے جو وہ چاہتا ہے ۲ جس کی نیت آخرت کی کھیتی کی ہوگی تو اس کی کھیتی میں ہم بڑھوتی دینگے یعنی آخرت کے ساتھ دنیا بھی اور جس کی نیت دنیا کی کھیتی کی ہو تو اُسے ہم دنیا تو دینگے مگر آخرت میں اُس کا کچھ حصہ نہ ہوگا (۱ ال عمران ۱۶ و ۲ ال عمران ۱۵ و ۳ شوری ۳) یعنی دنیا اصل میں نیت ہے۔ تو چاہیے قرون اولی کی روش اختیار کرو کہ تم کو دین و دنیا دونوں ملیں چاہیے یورپین ترقی کی روش کہ دنیا میں تمہاری کامیابی ہو مگر آخرت میں تمہارا کوئی حصہ نہ ہو چند روزہ کامیابی کو کامیابی کہو یا ناکامی۔ ڈوب کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ طلب ہمت یکسوئی۔ فراغ قلبی۔ استقلال اور حسن اخلاق۔ یہ صفات ہیں کہ کامیابی انھیں پر منحصر ہے مگر اس روشن زمانہ کی رفتار ترقی پر چلو تو طلب کر سکتے ہو۔ ہمت کر سکتے ہو۔ اس میں کلام نہیں۔ مگر پوری ناکامی میں بھی دونوں کھو سکتے ہو۔ کیونکہ یکسوئی اور فراغ قلبی جو اس کی حفاظت کرنیوالی ہے وہ یورپین رفتار ترقی میں نہیں۔ استقلال ہے مگر حسن اخلاق منافقانہ۔ اور بغیر ان صفات کے ترقی۔ ترقی نہیں ہے۔ اک فوق البھڑک کی نمایش ہے دولت و ثروت تو بہت کچھ ہے مگر انسانی صفات میں وہ کورے ایسے حال میں کامیابی جو ہوگی وہ بھی نمایشی ہوگی۔ گرچہ غلغلہ آمیز ہو۔ مگر جھوٹی قطعی چند دنوں کی۔ اسکی تصدیق آنے والی نسلیں کرینگی اگر اسلامی رفتار سے ترقی کرنی چاہو

تمہیں تصفیہ و تزکیہ حاصل ہوگا اور خدائی محبت اور رضائے مولیٰ جو اصول اخلاق ہے۔ تمہارے ہر کام کا مرشح ہوگی جس سے تمہارے روحانی صفات چمک اٹھیں گے۔ اور نہ جھکنے والی طلب نہ ٹوٹنے والی ہمت۔ ایمانی فراخ قلبی اور اخلاص سنداز حسن اخلاق تمہیں ایسا کامیاب بنائیں گے جو ظاہری بھی ہو۔ اور باطنی بھی۔ اور وہ ناگزیر ہوگی بے ارادہ۔ یہ وہ ایک دن آنے والا ہے جو آکر رہے گا۔ اور اگر دنیا کی طلب دنیا کے محکوم بنکر۔ دنیا کے قیدی بنکر کروگے۔ تو تمہاری دنیا بوجھل پریشان کن۔ خانہ جنگیوں کا میدان۔ ناشدنی ہوسوں کا خارزار ہوگی گو چہ ظاہر میں اطمینان و سکون نظر آئے۔ جیسے آج کل کا حال ہے تحسبہم جمیعا و قلوبہم شتی بس ہم تو یہ تمہاری پیٹھ میں ایسا سرطانی زخم ہوگا کہ نہ تم اسے دیکھ سکو نہ اپنے ہاتھوں مرہم پٹی کر سکو۔ نہ اس میں مند ہو۔ نہ وہ پھوٹ سکے۔ یا تو وہ پھیلا چاہیے یا اندر ہی اندر بڑھ کر تم کو لے مرے۔ اور دیکھ لینا سو جو وہ ترقی اسی زہریلے زخم سے مرنے والی ہے

میری یہ غرض نہیں کہ دنیا چھوڑ دو۔ دنیا کی مخلوق ہو دنیا چھوڑ کر کہاں جا سکتے ہو۔ آبادی بسا دو یا جنگل دونوں اسی دنیا میں۔ مگر دنیا ان میں نہیں دنیا تو تم میں ہے پس اس دنیا کو دین بنا سب کچھ کرو جو دنیا والے کرتے ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بڑھ کر مگر اعمال کا قبلہ ایک ہی رہے کہ دنیا تمہارے لئے ہو اور تم خدا کے لئے ○

نمی گویم کہ در گلشن گل و باغ دنیا از تست   بہار از یار و باغ از یار و گل از یار و یار از تست

دل بیار و دست بکار۔ لیکن چاہئے اس کے تمہارا حال تو یہ ہو رہا ہے تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الآخرۃ تم چاہتے ہو مال متاع دنیا ہی اور خدا چاہتا ہے تمہاری آخرت کی بہبودی (انفال پ ۹) تم خدا کے ہو رہو کہ خدا تمہارا ہو جائے تو اس کی دنیا بھی تمہاری۔ اور دنیا کے ہو رہو گے تو دنیا کی بساط کیا۔ جیسے ہو رہے۔ قل متاع الدنیا قلیل والآخرۃ خیر لمن اتقیٰ رسول کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ تو محض قلیل ہے۔ پرہیزگاروں کے لئے تو آخرت بہتر ہے (نساء) آخرت کو گھر سمجھو اور دنیا کو تجارت کی منڈی۔ تجارت کرنے آئے ہو تو اس منڈی میں تم بھی اپنی دوکان لگاؤ۔ مگر دوکان اس لئے کرو کہ گھر بھرے اس لئے نہیں کہ گھر تمہاری غفلتوں سے اجڑ جائے اور دوکان پر رونق ہو جو تمہاری قیام گاہ نہیں قرار گاہ نہیں۔ اگر تم ایسا ہی کرو تو کیا ارضیتم بالحیوٰۃ الدنیا من الآخرۃ فما متاع الحیوٰۃ الدنیا فی الآخرۃ الا قلیل کیا تم آخرت کے بدلے دنیا ہی کی زندگی پر راضی ہو بیٹھے تو حیات دنیا کی پونجی آخرت کے مقابلہ میں

تھوڑی ہی ہے (توبہ ۳) افسوس کہ تمہارا تو یہی حال ہو رہا ہے کہ تم دنیاوی ہی زندگی پر راضی
ہو بیٹھے اور دین کو الٹا کھیل تماشا بنا لیا ہے۔ کیونکہ تم کو دنیاوی زندگی کی کامیابیوں نے مغرور
کر دیا ہے۔ تو خدا فرماتا ہے۔ وذر الذین اتخذوا دینھم ھزوا ولعبا وغرتھم الحیوۃ الدنیا
جنہوں نے اپنا دین کھیل تماشا بنا لیا ہے اور ان کو دنیاوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے
ان کو چھوڑ دو یعنی ان سے قطع تعلق کر لو (انعام ۸) دنیا نے تم کو اس درجہ مغرور کر رکھا ہے
کہ فرمان الٰہی سن کر بھی تم ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ نامراد دنیا کی جھوٹی تجلی پر مرے مٹے ہوئے
اور اپنے کو اہل دنیا اور طالب دنیا کہنا فخر بھی جانتے ہو۔ مگرچہ ایک دن دنیا میں نہ رہو گے تم سے
سب کچھ چھین لیا جائے گا۔ سارا بول بالا پست ہو جائیگا۔ ہوش آئے گا اس وقت جب ہوش
آنا کام نہ دے گا۔ ناجائز حاصل کئے ہوئے پرامیسری نوٹ کام آئیں گے۔ نہ کوئی انشورنس کمپنی نہ فر
بلڈنگ۔ نہ کونسل کی ممبری نہ پولیٹیکل کمیٹیوں کی چیئرمینی۔ نہ لیڈرانہ جھوٹ دا سپیچیں نہ واعظین کا ریاکارانہ
وعظ۔ نہ مشائخوں کا عرس و رقص۔ طالب ماسواء طالب دنیا ہیں اُن کے لئے فلاح نہیں۔
وغرتھم الحیوۃ الدنیا یہ غور و فکر کا جملہ ہے۔ حیات دنیاوی کی محبت ہی مغرور بنا دیتی
اور سو طرح کا اُلجھا کر یار رکھتی ہے۔ اسی کا ترجمہ سمجھو حب الدنیا راس کل خطیئۃ دنیا کی
محبت ساری برائیوں کی جڑ ہے پہلے یہ بے حیا بناتی پھر اپنوں سے بیگانوں سے خدا اور رسول سے
چھڑا دیتی اور تنہا چھوڑ دیتی اور کنوئیں ہی جھکا چھوڑتی ہے
شوہر کو بیوی سے بیٹے کو باپ سے بھائی کو بھائی سے دوست کو دوست سے لڑانے
والی چھوڑانے والی اور ہر طرح کے فساد کا تخم ڈالنے والی غور سے دیکھو تو دنیا کی محبت ہی ہے
یہ دنیاوی زندگی دنیا نہیں دنیا کی محبت دنیا ہے۔ اسکی مثال یہ ہے انما مثل الحیوۃ
الدنیا کماء انزلنه من السماء فاختلط به نبات الارض مما یاکل الناس
والانعام حتی اذا اخذت الارض زخرفھا وازینت وظن اھلھا انھم
قادرون علیھا اتھا امرنا لیلا او نھارا فجعلنھا حصیدا کان لم تغن با
الامس کذلک نفصل الایات لقوم یتفکرون دنیاوی زندگی کی مثال تو ویسی
ہی ہے جیسے ہم نے بدلی سے پانی برسایا اس سے نباتات اوگے جسے آدمی و چوپائے
کھاتے ہیں یہاں تک کہ زمین جب اپنے بناؤ سنگار پر آئی اور مالک نے سمجھا کہ اب کھیتی

یہاں کھیتی تھی ہی نہیں۔ ایسا ہی ہم غور کرنے والوں کو کھول کھول کر بتا دیتے ہیں (یونس ۲)
بس حیات دنیاوی جس پر لوگ مرے مٹے ہوئے ہیں یہی ہے ہوسوں کے سراب وار دریا پر
طمطراق کا قلعہ اٹھایا۔ اُسے موہوم اُمیدوں کی آزمائشوں سے سجا سجا یا سمجھے کہ یہی جنت آرزو
ہے۔ بڑے بڑے بول اور تعلیوں کا بازار گرم کیا اور اپنے کو دھوکا دیکھ کر کھینچنے لگے ہیں یا یوں؟
حالانکہ دنیا بہت ایسوں کو نگل گئی اور ہضم بھی کر گئی موت آتے دیر نہیں کہ حرف غلط کی طرح مٹ گئے
گویا پیدا ہی نہ ہوئے تھے تو اس محبت اور انہماک دنیاوی کا نقصان خدا کو کچھ تھوڑا ہی ہوتا ہے
اپنے گھر میں آگ تم لگاؤ۔ ہادیان مذہب کی ہمیشہ کی کمبختی آگ بجھانے آئے تو بجھانے نہ دو
نہ گھر سے نکلو تو پڑے اس آگ میں آپ جلا کرو۔

یا ایھا الناس انما بغیکم علی انفسکم متاع الحیٰوۃ الدنیا ثم الینا مرجعکم فننبئکم بما کنتم
تعملون۔ لوگو! تمہاری سرکشیوں کا وبال تمہاری ہی جانوں پر ہے۔ دنیاوی زندگی کا فائدہ
اٹھالو۔ پھر ہماری ہی طرف تم کو لوٹنا ہے۔ ہم تم کو تمہارے اعمال جتا دیں گے (یونس ۲۳)
سرکشی کی تو بھگتنا پڑے گا۔ یہ چند روزہ دنیاوی فوائد نے تم کو دھوکے میں رکھا اور منہ دنیا کیا
تو یہ کئے مآل آخر مرنا ہے اور حضوری میں حاضر ہونا ہے۔ یہ سارے نتیجے غفلت کے ہیں۔
خدا غفلت سے اپنی پناہ دے۔

ان الذین لا یرجون لقاءنا ورضوا بالحیٰوۃ الدنیا واطمأنوا بہا والذین ہم
عن آیاتنا غافلون ۝ اولٰئک ماواھم النار بما کانوا یکسبون ۝ وہ لوگ جو ہم سے
ملنے کی اُمید نہیں رکھتے اور دنیاوی زندگی پر راضی ہو گئے اور اسی کے ساتھ اطمینان حاصل کیا اور
وہ بھی جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا انہی کرتوتوں کے سبب
جہنم ہے (یونس ۷) لا یرجون لقاءنا۔ قرآن مجید میں بہتیری جگہ آیا ہے اس
لوگوں نے آخرت کی ملاقات سمجھا ہے مگر قرآن مجید کا کوئی لفظ یا کوئی اشارہ ایسا پایا نہیں جاتا
پھر اپنی رائے سے قرآن مجید کو مقید کرنے کی کیا ضرورت۔ اسکی تعمیم کی تخصیص صحیح نہیں۔ خدا کی
ملاقات کی اُمید نہیں رکھنے کے صاف معنی یہی ہیں کہ جو طالب خدا نہیں ہیں۔ جو طالب خدا ہیں
وہ تو ملنے کی اُمید رکھتے ہیں۔ یہ بحث فضول ہے کہ وہ دیکھ نہیں سکتے اور اس دنیا میں دیکھیں گے
کیونکہ نہ وہ اس دنیا میں دیکھ سکتے نہ اُس دنیا میں مگر وہ قادر ہے کہ وہ اپنے کو جیسے اس عالم میں
دکھا سکتا ہے اس عالم میں بھی دکھائے۔ طالبین خدا اپنی قدرت کو دیکھ کر نا اُمید ہو ہیں

اور اُس کی قدرت کو دیکھ کر امید وار انکا ایمان بین الخوف والرجا ہوتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا سے ملنے اور اُس کی حضوری کے امیدوار نہیں ہیں۔ طلب نہیں آئی۔ اور وہ حیات دنیاوی پر راضی اور مطمئن ہو گئے۔ اور اسکی نشانیوں سے بھی غفلت کی یعنی نہ ذکر کیا نہ فکر کیا اُن کو دنیاوی مشاغل نے اودھر متوجہ ہونے نہ دیا۔ اُنکو اُس سے ملنے کی بے چینی نہ ہوئی وہ دنیاوی ہی فارغ البالی پر راضی ہو گئے اور خدا کی نشانیوں سے جن سے اُنکو طلب اور تڑپ ملنے کی پیدا ہوتی غافل ہو گئے تو وہ ایسی کرتوت کے سبب جہنمی ہیں۔ افسوس یہ افسوس ہے انکی نادانی دیکھو فرحوا بالحیوٰة الدنیا وما الحیوٰة الدنیا فی الاخرة الا متاع وہ دنیاوی ہی زندگی پر خوش ہو گئے اور دنیاوی زندگی تو عاقبت کے مقابلہ میں بے حقیقت چیز ہے (رعد ع۳) خدا کا یہ مطلب نہیں کہ بے حقیقت ہے تو اُسے چھوڑ دو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ حیات دنیاوی بے حقیقت ہے۔ تو اُس سے دل نہ لگاؤ۔ خدا کی دنیا میں رہو خدا والے ہو کر کہ دنیا چھوٹے نہیں بلکہ دنیا دین ہو جائے۔

ورنہ یاد رکھو من کان یرید الحیوٰة الدنیا وزینتها نوف الیهم اعمالهم فیها وهم فیها لا یبخسون اولئک الذین لیس لهم فی الاخرة الا النار وحبط ما صنعوا فیها وبطل ما کانوا یعملون۔ جو کوئی دنیاوی زندگانی اور دنیاوی زینت کی نیت کرتا ہے تو ہم اُسکے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں پورا بھر دیتے ہیں وہ یہاں گھاٹے میں نہیں رہتا۔ مگر یہی لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں جہنم کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اُن کا دنیا میں سارا کچھ کیا دھرا مٹ مٹا گیا۔ اور اُن کے اعمال نیست و نابود ہو گئے (ھود ع۲) کمانا کھانا ہو تو۔ نماز و روزہ ہو تو۔ دنیا کی نیت ہو گی تو دنیا ہے۔ اور دین کی نیت ہو گی تو دین۔ فلا تغرنکم الحیوٰة الدنیا ولا یغرنکم باللّٰه الغرور۔ تو تم کو دنیاوی زندگی دھوکا نہ دے۔ اور تم کو اللہ کے بارے میں شیطان دغاباز فریب نہ دے (فاطر ع۱) اگر تم اپنا چیتے تو ایک دن پچھتاؤ گے جس دن تم کو کہا جائے گا۔ اذهبتم طیبٰتکم فی الحیوٰة الدنیا واستمتعتم بها فالیوم تجزون عذاب الهون بما کنتم تستکبرون فی الارض بغیر الحق وبما کنتم تفسقون۔ تم دنیا کی زندگی میں مزے اڑا چکے اور ان سے فائدے اٹھا چکے تو آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دیجائیگی کہ تم دنیا میں ناجائز تکبر کیا کرتے تھے اور اس لئے بھی کہ تم بدکاری کرتے تھے (احقاف ع۲) خدا کا ہر لفظ قابل توجہ اور قابل غور و فکر ہے۔ اسی آیت کی غیرت نے بعض فقرا کو دنیاوی تمتع

سے روکا اور رہبانیت کی راہ دکھائی۔ یا صحرا اور جنگل میں دیوانہ وار پھرایا۔ یا خلوت کے کونوں میں بٹھا دیا۔ مگر وہ غلطی میں پڑے کیونکہ دنیاوی لطف و تمتع جرم نہ تھا۔ بلکہ اس کا کبر اور دنیاوی فوائد سے بدکاریاں بما کنتم تستکبرون اور بما کنتم تفسقون۔ فرمایا ہے۔ وہ تمتع ان برسوں سے بچنے کی راہ جو رہبانیت کی اختیار کی گئی یہ خود رضا سے مولا کے خلاف ہے جو اہل کتاب کی قایم کردہ بدعت تو دیکھو۔ دنیا میں ہو دنیاوی تمتع حاصل کرو۔ مگر دنیاوی تمتع سے دل نہ لگاؤ۔ ما ھذہ الحیوٰۃ الدنیا الا لھو ولعب وان الدار الاخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون۔ یہ دنیاوی زندگانی تو بس لہو ولعب ہے حقیقت میں دار آخرت کی زندگی زندگی ہے۔ کاش لوگ سمجھتے (عنکبوت ع۷) کیونکہ ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق۔ جو تمہارے پاس ہے وہ تو نبڑ جائے گا۔ اور جو خدا کے پاس ہے وہ باقی رہے گا۔ (نحل ع۱۳) مبارک وہ حضوری کے طلبگار ہیں۔ اور افسوس اُن پر جو غفلت کی نیند سوتے ہیں۔ فانی سے دل لگاؤ گے تو فنا ہو جاؤ گے یہی روحانی موت ہے۔ اور باقی سے دل لگاؤ گے تو نہ فنا ہونیوالی حیات تم کو ملے گی فلنحیینہ حیوٰۃ طیبۃ ہم انہیں زندگی بخشیں گے۔ پاک زندگی یہ حیات طیبہ ایک ایسی زندگی ہے جس کا جسم نورانی جس کی سماعت بی یسمع اور جسکی بصارت بی یبصر اور جس کا مواجہہ اسلم وجھہ للہ اور جس کا وجود۔ محیای ومماتی للہ رب العلمین ہے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اے لوگو! جو لوگ دنیاوی چمک دمک پر مرمٹے۔ اور روحانیت سے غافل ہوگئے۔ وہ جسم ہیں بے جان لفظ ہیں بے معنی۔ انہوں نے ان نعمتوں کو جو روحانیت کے لئے ملی ہیں ضایع کر دیا برباد کر دیا تو ان سے بڑھ کر ناشکرا کفران نعمت کرنے والا کون! ایسے کافروں کی شان میں خدا فرماتا ہے فویل للکفرین من عذاب شدید الذین یستحبون الحیوٰۃ الدنیا علی الاخرۃ ویصدون عن سبیل اللہ ویبغونہا عوجا اولئک فی ضلل بعید۔ افسوس ہے کافروں کے سخت عذاب پر یہ وہ ہیں جو بمقابلہ آخرت دنیاوی زندگی کو زیادہ پسند کرتے ہیں (یعنی دنیا کو دین پر مقدم کئے ہوئے ہیں) اور لوگوں کو خدا کی راہ سے روکتے ہیں اس طرح کہ اس میں کجی ڈھونڈھتے ہیں یہی لوگ پرلے درجہ کی گمراہی میں ہیں۔ (ابراھیم ع۱) افسوس فی زماننا یہی حال مسلمانوں کا ہو رہا ہے کہ انکی کائنات دنیا ہوگئی ہے جس میں خدا کا نام نہ آئے اور مذہب ان کے کورانہ عقلی اور گمراہانہ فلسفی اعتراضوں کا نشانہ بنگاہ ہے۔ انکا کام ہے۔ دہریوں کے اعتراضوں کا دُہراتا۔ اور قرآن پر اور قرآن کے

ماننے والوں پر اعتراض جانا تشفی سے مطلب نہ غور و فکر سے، واسطہ صرف باپ اور اقران کو
خوش کرنا کہ ہم فلسفی تعلیم یافتہ اور آزاد خیال ہوگئے ان پر خدا ہی رحم کرے یہ دنیاوی خفیف کامیابیوں
پر مغرور ہوگئے ہیں اور غرور حق طلبی کی آنکھیں پھوڑ دیتا ہے۔ تو نہ مغرور ہو تو بہ کر دیتا ہے۔ نہ اسکی توبہ قبول
فاعرض عمن تولی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوٰۃ الدنیا ذالک مبلغهم من العلم
تو جو کوئی میری یاد سے روگردانی کرے اور حیات دنیاوی ہی کا طالب ہو اس سے اعراض کرو۔
یہ اس سبب سے ہوتا ہے کہ ان کے علم کی رسائی یہیں تک ہے (النجم ۲) تو وہ اس کا کچھ
بھلا نتیجہ نہ پائیں گے۔ فاما من طغی واثر الحیوٰۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماوی جس نے
سرکشی کی اور دنیاوی ہی زندگی کو بہتر سمجھا تو بیشک دوزخ اسکا ٹھکانا ہے (النزعت) اتنا کچھ جان بوجھ کر
بھی لوگ دنیا پر اتنا کیوں گرویدہ ہیں۔ جہلا تو جہلا بلکہ بہتیرے فقرا بھی اس مرض کے مریض ہیں آخر
اس کی وجہ کیا؟ تو خدا فرماتا ہے یعلمون ظاهرا من الحیوٰۃ الدنیا وهم عن الاخرۃ هم غفلون
وہ حیات دنیا کے ظاہر کو جانتے ہیں اور آخرت سے تو وہ غافل ہیں (روم ۱) اور غفلت ہی
ام الجرائم ہے بسلا نو! سمجھتے ہو کہ دریا میں رہیں اور مگرمچھ سے بیر۔ دنیا میں رہیں اور محبت دنیا
سے پرہیز ہاں تمہیں ایسا ہی ہونا چاہئے کہ دریا میں رہو اور مگرمچھ سے بیر رکھو اس سے آمیزش
کروگے تو وہ تمہیں نگل جائے گا اسی طرح دنیا میں رہو اور اسکی محبت سے پرہیز کرو دل لگاؤ گے
تو وہ کھا جائے گی کتنوں کو کھا چکی مگر تمہاری سمجھ میں نہیں آتا کیونکر ممکن ہے۔ ممکن نہ ہوتا تو خدا
اسکی ہدایت ہی کیوں کرتا فقہائے ربانی یعنی واعظین کی جماعت اسی لئے تو خدا نے قائم کردی
ہے کہ تم خدا کی باتیں سنو خدا سے ڈرو اور خدا طلبی کی راہیں ڈھونڈھو۔

فقہائے ربانی یا واعظین

تفقہ کے معنی دین میں سمجھ پیدا کرنے کے ہیں۔ لعلکم تفقھون اور لعلکم تعقلون سے قرآن مجید
بھرا پڑا ہے۔ خدا نے بہت کچھ اپنی نشانیاں اور ملکوت زمین و آسمان اور عبرت انگیز واقعات
طرح طرح سے بیان فرمادیے ہیں تاکہ تم عقل کو کام میں لاؤ اور دین میں سمجھ پیدا کرو۔ مگر فطرت
مختلف الکیفیت بنائی گئی ہے اس لئے یہ ہر شخص کا کام نہیں۔ بدایں لحاظ نظام روحانیات
نے نظم یوں کیا ہے کہ ایک جماعت ضرور بالضرور ایسی ہونی چاہیے جو دین میں تفقہ پیدا کرے
اور قوم کو خدا کی عظمت و جلالت اسکی کبریائی اور بے نیازی سے ڈرائے کہ دلوں میں ہیبت کبریائی

قطع ہوا صفائی باطن اور حصول قرب خداوندی کا موجب ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ فلولا نفر من
كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم
يحذرون ۔ تو کیوں انکی جماعت میں سے کچھ لوگ نہ نکلے کہ دین میں تفقہ پیدا کریں۔ اور جب قوم کی
طرف متوجہ ہوں تو قوم کو ڈرائیں شاید وہ بچتے رہیں (توبہ ع۱۵) یہ انذار رسالت کی ایک
خدمت ہے اس ہدایت کے موجب کچھ ایسے ہونے چاہئے جو دین میں تفقہ پیدا کریں یا تفقہ کے
یہ معنی نہیں کہ سیاست میں بادشاہ کے سہیم و شریک ہوں اور بیع و اجارہ اور اختلافی مقدمات کا
فیصلہ اور فتوے دیں۔ بلکہ وہ قوم کو خدا کی عظمت و جلالت سے ڈرائیں تاکہ قوم دنیوی معاملات
میں کبھی دینی حد سے باہر نہ جائے اور اپنے اصلاح حال کے جانب متوجہ ہو۔

فقہائے ربانی آمرون بالمعروف والناهون عن المنكر والحافظون لحدود الله کے مظہر ہیں
انکی خدمت ہے عظمت و جلالت کبریائی کی سطوت دلوں میں بٹھا کر امر معروف اور نہی منکر کرنا۔ مگر
یہ خدمت وہ کب ادا کر سکیں گے۔ جب وہ خود حدود اللہ کے محافظ ہو لیں گے ورنہ وہ بجائے
فقیہ ہونے کے خود را فضیحت و دیگرے را نصیحت کے مصداق ہوں گے اسی لئے خدا نے
فرمایا۔ والحافظون لحدود الله ۔

فقہا کی خدمت موعظت و نصیحت ہے تو مناسب ہی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ میں کسی قدر موعظت
کے متعلق بھی ہدایات ربانی سنا دوں تاکہ واعظین کو اصلاح حال کا موقع ملے۔

موعظت

فقہا کی خدمت بیان کی گئی موعظت و انذار کی۔ تو خدا کا فرمان یہ ہے یا ايها الناس
قد جاءتكم موعظة من ربكم وشفاء لما في الصدور وهدى ورحمة للمؤمنين ط لوگو!
خدا کی طرف سے موعظت اور امراض باطنی کی شفاء اور مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت تمہارے
پاس آ چکی (یونس ع۶) پس یہی خدائی موعظت سنا دو یعنی قرآن مجید کو جو سراسر نصیحت ہی ہے کیونکہ
خدا نے کس طرح تفہیم فرمایا ہے۔ ص والقرآن ذی الذکر قسم ہے قرآن نصیحت کرنے والے
کی۔ موعظت و نصیحت اسی نے بھیجی ہے۔ اسی کو پہنچا دینا ہے۔ مگر دین میں سمجھ پیدا کرنے
کے بعد تاکہ یہ خدمت بے جگہ نہو اور بے فائدہ نہو جائے۔

ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة راہ خدا کی طرف لوگوں کو عاقلانہ اور
نصیحت سود مند سے بلاؤ (نحل ع۱۶) اس وقت نصیحت کرو جب سمجھو کہ میری نصیحت کارگر

ہوگی۔ وذکر وان نفعت الذکریٰ (اعلیٰ) اور ان باتوں سے نصیحت کرو جو فطرتاً موثر
ہوا کرتی ہیں۔ وذکرھم بایام اللہ اُن کو ایام اللہ یاد دلاؤ۔ کہ ایام اللہ کس کس طرح گزرے
ہیں۔ (ابراہیم ع۱) اس میں اگر مجادلہ کی نوبت آجائے تو جادلھم بالتی ھی احسن۔
مجادلہ بعنوان احسن کیا کرو (نحل ع۱۶) جس کو خود خدا نے بتا بھی دیا وان جادلوک فقل
اللہ اعلم بما تعملون۔ اور اگر تم سے لوگ مجادلہ کریں تو کہدو کہ تمہارے اعمال سے خدا خوب
واقف ہے (حج ع۹) یعنی مجادلے سے کنارہ کش ہو اور خدا کے حوالہ کرو۔ اے فقیہو صورت
اے اللہ کئے جاؤ اور عیسائیوں اور آریہ کے مجادلے میں نہ پڑو کیونکہ تفقہ کی خدمت ہے
انذار۔ اور خدا نے فرمایا انما تنذر من اتبع الذکر وخشی الرحمٰن بالغیب تم تو ڈراتے ہو
اس کو جس نے قرآن کی پیروی کی اور بے دیکھے خدا سے ڈرا (یٰس ع۱) قل ھذہ سبیلی
ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی کہہ دو کہ یہ میرا راستہ ہے میں اور میرے
متبعین سمجھ بوجھ کر دعوۃ الی اللہ کرتے ہیں۔ (یوسف ع۱۱) اس دعوۃ الی اللہ میں جنگ جدال
اور مار دھاڑ تو ہرگز جائز نہیں اس نے فرمایا ہے۔ ادفع بالتی ھی احسن السیئۃ برائی
کا دفعیہ اچھی خصلتوں سے کیا کرو (مومن ع۶) قصے بھی بیان کرو تو قرآنی نہج۔ خدا نے فرمایا۔
جاءک فی ھذہ الحق وموعظۃ وذکریٰ للمؤمنین ان قصوں میں تمہارے پاس حق آگیا
اور موعظت ونصیحت مسلمانوں کے لئے آچکی (ھود ع۱۰)
المختصر تبلیغ رسالت کرنی یہی نصیحت ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا۔ یٰقوم لقد
ابلغتکم رسالۃ ربی ونصحت لکم ولکن لا تحبون النٰصحین۔ اے قوم میں تم کو تبلیغ رسالت
کرچکا اور تم کو نصیحت کردی لیکن تم ناصحوں کو پسند نہیں کرتے (اعراف ع۱۰) معلوم ہوتا ہے کہ
ان کی قوم الشیائی شاعروں سے سبق آموز تھی جن کو ناصحوں پر آوازے کسنے میں خاص مزہ آتا
ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا ابلغکم رسٰلٰت ربی وانا لکم ناصح امین۔ میں تم کو
تبلیغ رسالت کرتا ہوں اور میں تمہارا امانت دار ناصح ہوں (اعراف ع۹) حضرت نوح علیہ السلام
نے فرمایا ابلغکم رسٰلٰت ربی وانصح لکم میں تم کو تبلیغ رسالت کرتا ہوں اور تمہارا ناصح ہوں
(اعراف ع۸) حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا۔ یٰقوم لقد ابلغتکم رسٰلٰت ربی ونصحت لکم
فکیف اٰسیٰ علیٰ قوم کٰفرین۔ اے قوم میں تبلیغ رسالت کرچکا اور تم کو نصیحتیں کرچکا تو
کس قدر افسوس ہے نہ ماننے والوں پر (اعراف ع۱۱) یہی تبلیغ رسالت سب کی موعظت ونصیحت تھی

اور سب نے کتاب اللہ ہی سے موعظت و نصیحت کی۔
مگر یاد رکھو جیسا کہ مینے بیان کیا ہے کہ پہلے خود اپنی اصلاح کر لو۔ اور حدود اللہ کی حفاظت کرو تو تفقہ
کی انداز تبلیغ کی خدمت کے لیے اُٹھو۔ خدا فرماتا ہے یا ایہا الذین اٰمنوا لم تقولون
ما لا تفعلون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون (وہ باتیں کیوں کہو جو خود
نکرو۔ خدا کے نزدیک تو یہ بہت ناشایستہ بات ہے کہ تو وہ کہو جو خود نکرو (صف ۱)
واعظو! آؤ اور اس آیت کے مطابق اپنا محاسبہ کرو۔ مگر تم محاسبہ ہرگز نکرو گے کیونکہ واعظین باقی
اب رہے نہیں گویا اُن کا سلسلہ ہی بند ہو گیا۔ اور تبلیغ اسلام کا ستارہ دہندلی میں پڑ گیا۔
آجکل کا وعظ کیا ایک قسم کا مشاعرہ نہیں تو مناظرہ ہے! وہی چوٹ اور وہی چشمک زنی۔ قرآن کی آیت
تو تبرکاً پڑھ ہی گئی۔ مگر سندات میں یوروپین صاحبوں کے اقوال لائے جاتے ہیں۔ جو وحی کی جگہ
قایم ہوتے ہیں۔ بہترین وعظ وہ ہے جس میں بار بار قوم قوم کی پکار ہو جس میں کچھ اپنے یورپ
کے سفر کے افسانے بیان کر کے دلچسپی پیدا کی گئی ہو کہیں اپنے مذہب کے لاجواب
ہونے پر کوئی نکتہ بیان کیا گیا ہو کہیں آریہ یا ہندو۔ عیسائی اہل حدیث۔ اہل فقہ۔ یا اہل تشیع۔
اہل تسنن۔ پر چشمک اور حملے کئے گئے ہوں کہیں بزرگان دین کے بخیے جانچے ہوئے قصے
بیان ہوں اور وہی اشعار مثنوی و مثنوی گنا کر یا کسی یوروپین اقوال کی سند لا کر بات موثر
بنائی گئی ہو۔ اور بہترین واعظین وہ جو ستہ بولی باتیں خوب بنائیں اور ہر کے سامنے اُس کی سی
کہیں موقع و محل پہچانیں اور پولٹیکس جانتے ہوں! اور یہ سارا کچھ اس لئے کہ میرے وعظ کا غلغلہ
بلند ہو اور ہم آزاد طبقہ میں لیڈر اور پرانے طبقہ میں ہادی تسلیم ہوں۔ قومی ہمدردی قومی ہمدردی
پکارا کرتے ہیں مگر وہ اسٹیج ہی تک گھر آئے تو وعظ کی تعریف پر کان اور اچھا ممبر ملنے پر خوشی۔
اور بعضوں کا نذر و عود وہ ملنے کی طرف دھیان اور بعضوں کو ہاتھ پاؤں چوموانے کا غرور بیشک
نصیحت وہی کر کے آئے جس کی نصیحت سنتے جانے کے وہ خود مستحق تھے۔ اسی لئے نہ آج
اتفاق ہوا نہ ہمدردی ہوئی وجہ یہ کہ یقولون بافواههم ما لیس فی قلوبهم (وہ بولتے وہ ہیں جو اُنکے
دلوں میں نہیں۔ یہ کچھ قرآن تبلیغ بھی کرتے ہیں تو اُنکی ریاکاری تبلیغ قرآن پر بھی پردہ ڈال دیتی ہے
بات میں جب صدق و اخلاص نہیں تو نتیجہ کی اُمید غلط۔
غرض قوم کو فقہائے ربانی کی ضرورت ہے کہ وہ نصیحت حاصل کرے اور اُس کے دل میں خدا کی
طلب پیدا ہو۔ ان ہذہ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا۔ بے شبہ

یہ تو نصیحت ہے جو چاہے خدا کی طرف راہ پکڑ لے (مزمل ع ۱)

طلب

تم نے پڑھا کہ تصوف ازلی ہے۔ یہ بھی پڑھا کہ تصوف کی خدائی اصطلاح صراط مستقیم یا صراط اللہ ہے یعنی اپنے اور خدا کے درمیان خط کھینچو۔ یا رشتۂ محبت پیدا کرو تو سب سے سیدھا خط صراط مستقیم یا صراط اللہ ہے۔ تم نے یہ بھی پڑھا کہ صراط اللہ کی رفتار و روش رضائے مولے یعنی اصول اخلاق کی تعمیل ہے۔ تم نے یہ بھی پڑھا کہ اسکی تعمیل کے لئے اصولی چار قوتیں ملی ہیں۔ جو اس کے ارکان ہیں۔ تم نے یہ بھی پڑھا کہ یہ قوتیں کہاں اور کس کے ساتھ صرف کی جائیں۔ وہ اس کے دوائر ہیں۔ تم نے بھی پڑھا کہ اسکی تعمیل کی جگہ یہ دنیا ہے جو مزرعۃ الآخرت ہے۔ تم نے یہ بھی پڑھا کہ اس دنیا میں فقہائے ربانی مامور بحکم خداوندی ہیں۔ جو تمہیں برائیوں سے روکیں اور تعمیل حکم یعنی اصول اخلاق و روحانیت کی طرف توجہ دلاتے رہیں تاکہ تم میں طلب پیدا ہو۔ اب اگر تم میں طلب آئی ہے تو اسکی حفاظت کرو اسکی پرورش کرو۔ اس پرورش کرو۔ اسکا محاسبہ کیا کرو اور اسکے نگران رہو کہ یہ تخم اوگے اور پھول پھل لائے۔ یہ تخم تمہارے دل میں بویا گیا ہے ذکر و فکر اور ریاضات و مجاہدات سے اس کو پانی دیتے رہو۔ اور سینچتے رہو کہ یہ درخت بنے اور اپنے پورے اٹھان پر آئے۔ یہی وہ درخت ہے جسکی شاخیں آسمان سے بلند ہیں اسکی آیتیں کلمہ طیبہ کے ذکر کے بیان میں دی جائینگی۔

ہوشیار رہو کہ طلب خاص لوجہ اللہ ہو۔ خدا کی غیرت شرکت پسند ہی نہیں کرتی کہ بندہ تو ہو خدا کا اور طالب جو ماسوا کا دل کی آنکھ خیال کا مواجہہ او دھر ہی ہے! ور ہاتھ پاؤں قوے اور سارے حواس اسی کے اشارہ سے کام میں لگے رہیں یہی طلب خالص ہے۔ یہ عطیہ ایزدی ہے۔ جس کو ملی وہ ناکام نہیں رہا۔ اسی طلب کی قوت پر منزل تک رسائی پا سکتے ہو۔ اگر طلب کھوٹی یا بد راہ ہوئی اور ایمان کا دامن اسکے ہاتھ سے چھوٹ گیا تو جہنم کے سوا کہیں مقام نہیں۔

ایک بزرگ کا میں ایک خواب سناؤں۔ خواب کا ہے کو اک ہدایت نامہ ہے۔ موجب عبرت ہے اور نتیجہ خیز بھی۔

ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بڑا جلوس آراستہ و پیراستہ جس کے جلو میں لاکھوں بلکہ کروڑوں آدمیوں کا لشکر ہے جاہ و جلال کے ساتھ چلا جا رہا ہے۔ ڈھول دمامے توپ بندوق سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی سنگین اور تیغ و تبر کی چمک دمک سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی ہیں

سطوت و شوکت دل و دماغ کو متحیر کیئے ہوئے ہے۔ اللہ اللہ۔ یہ فوج کہ میدان حشر میں گویا دنیا پھیلتی جا رہی ہے۔ اتنے میں صاحب جلوس کے تخت رواں پر نظر پڑی۔ اسکے کیفیات کو بیان کرنے کے لئے دل و جگر چاہیئے۔ با ایں شان و شکوہ یہ جلوس نکل گیا اسکے بعد دوسرا جلوس آیا۔ یہ بھی شان و شکوہ میں تو ویسا ہی مگر تعداد میں پہلے سے کم تھا۔ پھر تیسرا جلوس نکلا یہ بھی شان و شکوہ میں کم نہ تھا مگر تعداد میں دوسرے سے کم اسیطرح یکے بعد دیگرے بیشتر جلوس آتے گئے اور نکلتے گئے مگر تعداد میں ایک دوسرے سے کم ہوتے گئے آخری جلوس جو دیکھا تو اس کے ساتھ نہ ڈھول نہ وتاشے نہ آرائش نہ زیبائش محض بے تکلفانہ اور سادہ تھا۔ پھر تھوڑی دیر تک خاموشی و سکون کا عالم رہا۔ اتنے میں ایک مریل گھوڑے پر جسکی نہ زین درست نہ لگام ٹھیک ایک بڈھا سوار اکیلا اکیلا آتا ہوا دکھائی دیا۔ اکیلا دیکھ کر رعب زدہ دل نے ہمت کی تو اُس بڈھے سے پوچھا کہ تمہیں اکیلے دیکھ کر مجھے اس سوال کی جرأت ہوئی ہے میں یہ پوچھتا ہوں کہ تم کون ہو اور یہ جلوس جو جاتے گئے کس کے تھے؟ اُس بڈھے نے جواب دیا کہ تم نے پہچانا نہیں میں ہی تو تم لوگوں کا خدا ہوں! اور یہ بڑے بڑے جلوس جو نکلتے گئے۔ حضرت عیسیٰ۔ رام دیتا۔ حضرت سید الشہدا۔ حضرت مشکلکشا۔ حضرت پیر دستگیر۔ حضرت خواجہ غریب نواز۔ حضرت امام بخاری۔ حضرت امام مسلم۔ اور ہمارے ان برگزیدہ بندوں کے تھے جن کو ہمارے بندوں نے ہماری جگہ خدا بنا لیا ہے اور خدائی کا حصہ دار تسلیم کر لیا ہے۔ سب کے آخر میں نبی آخر الزماں کے نام کا جلوس تھا! ورجلوس والے احد بے میم کا نعرہ لگانے والے تھے ہمارے بندے ہمارے پیدا کئے ہوئے ہمارے پرورش کیئے ہوئے ہماری روزی کھائے ہوئے ہماری نعمتیں پائے ہوئے۔ کوئی اُس جلوس میں گیا۔ کوئی اس میں گیا۔ کوئی اُس میں گیا۔ ہم ویسے ہی اکیلے کے اکیلے تھوڑے سے جو میرے پاس آئے بھی تو اُن کو ہم نے اپنے خاص محل میں آرام دیا ہے کہ وہ بہت تھکے ہوئے اور جان پر کھیل کر پہنچے تھے۔ آج یہ جلوس والے اپنی اپنی منزلیں کر رہے ہیں۔ ہم نے اُن کو آزاد کیا ہے جدھر چاہیں جائیں لیکن اُس دن جس دن لمن الملک الیوم للّٰہ الواحد القھار کی آواز عالم میں گونجے گی اس کا جائزہ لیا جائے گا۔

یہ خواب کیا ہے دنیاداروں اور مسلمانوں کے حال کا مرقع ہے اور عبرت کی تصویر۔ طلب کی لئے رہ روی ہے! اور افسوس کی جگہ۔ کیا مریدوں نے پیروں کو خدا کے تخت پر نہیں بٹھایا؟

پیروں کو اپنا کارساز و مددگار نہیں بنایا۔ اُنکے ہاتھوں مردہ بدست غسال نہ بنے۔ برزخی معبودوں کی پرستش نہ کی۔ اُن کے احکام نے قرآن مجید کی جگہ نہیں لے لی ؟ خدا اسے زبانی جمع خرچ کے سوا واسطہ کیا رہا۔

یہ طلب کی بے راہ روی ہے کہ چلے تو خدا کو ڈھونڈنے۔ اور لگے زید و عمرو کی پاؤں چپی کرنے۔ ہمت تو لگ جانا تھا طلب محبوب میں مگر لگ گئے تماشہ بینی میں۔ جب تصوف اس حال کو پہونچا تو قابل افسوس کیوں نہو۔

طلب جس میں مجاہدہ نہ ہو وہ ہوس ہے۔ اور ہوس نامراد۔ میدان طلب میں جس نے قدم ڈالا تو اس کے راہ رد کو دو دقتیں پیش آتی ہیں۔ مہوسین کو یہ دو دریا ناپیدا کنار نظر آتے ہیں اور سچے طالبین اسے پایاب سمجھ کر پار اُتر جاتے ہیں۔ یہ دونوں دقتیں یہ ہیں۔

۱۔ پہلی دقت تو یہ ہے کہ ہم اللہ کے طالب ہیں تو ہم کو صراط اللہ پر چلنا ہے! اور صراط اللہ کیا ہے کلام اللہ کی جسمانی اور روحانی احکام و ہدایات کی تعمیل۔ تو اتنے اوامر و نواہی اور اتنی روحانی ہدایتوں کی فرمانبرداری ایک انسان ضعیف البنیان سے جس کے نفس و شیطان جیسے قوی دشمن مار آستین بنکر سوتے جاگتے ساتھ لگے ہوں۔ کیونکہ انجام پائیں۔ پہلی چیز ایمان ہے تو اقرار باللسان تو آسان ہے مگر تصدیق بالقلب مشکل اور وفا نہیں مشکل در مشکل۔ پھر عبادات تیوہار کی طرح کرتے رہئے تو آسان ہیں مگر پاس اوقات مشکل اور پاس آداب مشکل در مشکل۔ روحانیات میں خون لگا کر شہید بنا تو آسان ہے۔ مگر پاس انفاس مشکل اور پاس حواس مشکل در مشکل۔ اخلاق میں حقہ پان کی یا سگرٹ اور سگار کی دعوت تو آسان ہے۔ مگر ادائے حقوق مشکل اور اس میں عدل و اخلاص مشکل در مشکل۔ ایک انسان ایک ٹیلہ تو اٹھا نہیں سکتا یہ پہاڑوں کا سلسلہ کیونکر اُٹھائے۔

۲۔ دوسری دقت یہ کہ ساری قوتیں تو روح کی ماتحت بلکہ روح کے لئے اوزار ہیں اصل روح ہے جو بانی مبانی افعال ہے۔ اگر روح صحیح الحال ہے تو انسان فائز المرام ہے۔ اگر بیمار ہے تو ایسے پوشیدہ بیمار کی بیماری کس درجہ پوشیدگی میں ہوگی۔ ایسی بیماری کی تشخیص مشکل اور علاج مشکل در مشکل اگر علاج ہوجائے اور روح صحیح الحال ہو جائے تو سارے مراحل طے ہیں مگر یہ ہو کیونکر۔

یہی وہ مصیبتیں اگلوں کو بھی پیش آئیں جو اول اول ہر طالب کو پیش آتی ہیں۔ مگر وہ خدا کے شیدا صراط اللہ کے طالب عندیت یعنی قرب الٰہی کے آرزومند ہوئے۔ دین حنیف کے جادہ رو ہوئے اپنے نفس کو نیچے پچھرے کہ خوشنودی خدا و رسول اُنکی قیمت ملے تو اُن کو دقتوں کا سامنا تو ہوا۔ مگر

انھوں نے ہمت کی قیمۃ المرء ہمتہ وہ پیچھے کو کرنے والے کے لئے سب آسان ہے
اور نہ کرنے والے کے لئے سب ہی مشکل جس نے بسم اللہ کی اور چلا ہمت کی اور توکل کیا تو وہ
آخر کار پہونچا بھی اور بامراد بھی ہوا۔ اور جو سوچتا ہی رہا وہ رہ ہی گیا۔ وہ ہوس ہے اور ہوس کی
مرض کی دوا نہیں اس لئے طلب کے پاؤں کو توڑنا نہیں بلکہ مجاہدہ کے میدان میں دوڑ کو ہی
طلب مودت ہو خلت ہو محبت ہو اور اشد حبا للہ تک رسائی ہو یہی کمال اقربیت کا علاج ہے
شاد باش اے عشق خوش سودائے ما اے طبیب جملہ علتہائے ما اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما جس کو کچھ پیاس ہی نہ ہو تو آب رواں ہوتے بھی کوئی نہیں کھاتا محبت
ہی نہ ہو تو محبوب ہی نہ ہوگا محبوب تک پہ رسائی کیا ہوگی سمجھ رکھو کہ جو نیچی طرف جائے تو
خواہش نفسانی ہے اور اونچی طرف جائے تو طلب ہے طلب جستجو اور مجاہدہ میں پڑ کر مودت
ہو جاتی ہے اور مودت گہری ہو کر محبت ہو جاتی ہے اور محبت رسا ہو کر خلت ہو جاتی ہے اور خلت
کمال پر ہو کر عبودیت ہو جاتی جس طرح تخم کا کمال یہ ہے کہ پھول پھل کر پھل میں پھر تخم ہو جائے اسی طرح
طلب کا کمال یہ ہے کہ مودت محبت اور خلت ہو کر عبودیت ہو جائے۔

طلب ایک جذبۂ خداوندی ہے اور ایک فضل بے علت ہے۔ یہ میدان شوق و مجاہدہ ہیں مردانہ وار
ریاضت سے مودت ہو جاتی ہے۔ خدا نے فرمایا ان الذین امنوا وعملوا الصلحت سیجعل
لهم الرحمن ودا ط بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے عمل صالح کئے تو خدا انہیں محبت و
عنایت کریگا (مریم پ۱۶) مودت کے لئے ایمان و عمل صالح ضرور ہے انکی صفت خدا نے فرمایا
لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخرہ یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا آباءھم
او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ
ویدخلھم جنت تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ
اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون ط تم ان لوگوں کو جو خدا اور
آخرت پر یقین رکھتے ہیں نہ پاؤ گے کہ وہ مخالفین خدا و رسول سے دوستی اور مودت کریں گو
اُن کے باپ بیٹے بھائی اور کنبے ہی کیوں نہوں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے
ایمان لکھ دیا ہے (اگر دل کی آنکھ روشن ہو تو دیکھ لو نقشبندیوں کی شہادت پر جو اُس نقش کو
دیکھتے ہیں یقین کرو) اور انکی تائید فیضان غیبی سے کی ہے انکو خدا بہشت یعنی وصال گاہ میں
داخل کریگا۔ ایسے باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے! اللہ ان سے

رضی اور یہ اللہ سے راضی۔ یہی خدائی لشکر ہیں۔ اور اللہ ہی کا لشکر فلاح پانے والا ہے (مجادلہ ع۳)
زید و عمرو کا لشکر نہیں۔ یہی وہ دوست ہے جو اطاعت قرآن مجید میں لگ کر محبت ہو جاتی ہے
ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو
میری راہ چلو۔ خدا بھی تم سے محبت کریگا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا (ال عمران ع۴)
یعنی تمہیں یحبہم ویحبونہ (خدا دوست رکھتا ہے انہیں اور وہ دوست رکھتے ہیں خدا کو
(مائدہ ع۸) کا خلعت عطا کیا جائے گا۔ اور تمہاری شناخت کا نشان ہوگا یجاہدون
فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم اللہ کی راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں اور ملامت کرنیوالوں
کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔

پھر یہ محبت اگر مقدس صورت میں ہوگی جس میں عظمت و تقدس بے کیفی اور تنزہ کے انوار ہوں
اور باطل کے چھینٹوں سے محفوظ تو خلت ہو جائے گی واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا
تمہیں خلت عطا کی جائے گی۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا حال قرآن مجید میں پڑھ لو۔ اسی مقام میں
اولاد سی پیاری چیز کا خدا پر قربان کر دینا سہل ہو جاتا اور خدا کی رضا اپنی رضا ہو جاتی ہے۔ اور
آگ سی جلانے والی چیز بھی گل و گلزار ہی بن کر نمودار ہوتی ہے۔ اور ہر حال میں لا خوف
علیہم ولا ہم یحزنون ان کا حال ہو جاتا ہے۔

پھر یہی خلت منزہ اور کامل ہو کر عبودیت ہو جاتی ہے۔ عباد الرحمن کی تعریف میں سورۂ فرقان
کا آخری رکوع پڑھ جاؤ اور اس میں تدبر و تفکر کرو۔ اشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔

اے لوگو! طلب کی پرورش کرو کہ وہ پھول پھل لائے تاکہ تم مراد کو پہنچو۔

طلب جب پیدا ہوتی ہے تو وہ صراط اللہ کی متجسس اور متلاشی ہوتی ہے اور جانبازانہ میدان
مجاہدہ میں کودنا چاہتی ہے تو وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاہدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون
(مائدہ ع۶) پہلے وسیلہ ڈھونڈھ لو تو مجاہدہ صراط اللہ میں قدم ڈالو تاکہ مراد کو پہنچو۔ اس فرمان نے
ہدایت کی امام ربانی اور مرشد ربانی کی تلاش کی طرف۔

امام ربانی

جو ہادی برحق اور راہ رشد بتائے وہ مرشد برحق ہے۔ اور جو مرشد برحق فقیہہ ربانی بھی ہو وہ امام ہے
مفصلہ ذیل آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے رسولوں کو امام کہا اور کتاب اللہ کو بھی رسول

گویا فعلی امام ہیں۔ اور کتاب اللہ قولی امام۔ اور خدا کے برگزیدہ بندے بھی امام ہوتے ہیں۔ دو اماموں میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کوئی امام کتاب اللہ کے خلاف قولاً یا فعلاً کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کو خدا نے امام فرمایا وجعلنٰھم ائمۃ یھدون بامرنا ہم نے انکو امام بنایا کہ وہ ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے تھے (انبیاء ع۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا نے فرمایا انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لا ینال عھدی الظلمین اے ابراہیم ہم تم کو لوگوں کا امام بنانے والے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی اور میری اولاد میں سے؟ خدا نے فرمایا کہ ہاں مگر جو ظالم ہوں گے وہ نہیں۔ (بقرہ ع ۱۳) اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر امام ہوتے ہیں اور اولاد پیغمبر بھی جو ظالم نہ ہوں من ذریتی میں پیغمبری کی قید نہیں ہے ذریت ایک قابل توجہ لفظ ہے۔ اگر اس کے معنی اولاد صلبی ہی کے ہوں تو اولاد پیغمبر ہی امام ہو سکتے ہیں۔ اور اگر اصطلاحاً اسکے معنی متبعین کے ہوں تو متقین و پرہیزگار لوگوں میں بھی امام ہو سکتے ہیں۔ اس گتھی کو بھی خدا نے سلجھا دیا ہے۔ سورہ فرقان کا پانچواں رکوع عبادالرحمٰن کی تعریف میں ہے۔ اس میں خدا نے فرمایا والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما اور عبادالرحمٰن وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے خدا ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد کی طرف سے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما۔ اور ہم کو متقیوں کا امام بنا۔ یعنی عبادالرحمٰن میں سے جو عبودیت میں پورا اترے اور ان صفات کا ہو۔ جو صفتیں اس رکوع میں بیان ہوئی ہیں وہ امام ہو سکتا ہے اس لئے ذریت کے معنی متبعین کامل کے بھی ہو سکتے ہیں۔

کتاب الٰہیہ کو خدا نے امام فرمایا ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماما ورحمۃ اور پیشتر اس کے ہم نے موسیٰ کی کتاب اتاری یعنی توریت جو امام و رحمت ہے (ھود ع۲) خدا نے توریت کو امام فرمایا۔

قرآن مجید کی نسبت فرمایا کل شیٔ احصینٰہ فی امام مبین ہر چیز ہم نے قرآن مجید میں بیان کر دی ہے جو کھلا امام ہے (یٰس ع۱) دین کی کل باتیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ یہ بھی کہ ہم مردوں کو جلائیں گے۔ اور یہ بھی ہمارے پاس ہر کسی کا نامہ اعمال لکھا ہوا موجود ہے۔ خدا تو علام الغیوب ہے ہی۔ پھر لوح محفوظ میں نامہ اعمال اگر لکھا رہا تو اس سے بندہ کو کیا فائدہ پہونچا۔ اس لئے امام سے لوح محفوظ مراد لینے کے ساتھ میرا اتفاق نہیں۔ خدا نے

قرآن مجید کی طرف متوجہ کیا ہے جس کی امامت کھلی کھلی روشن ہے۔

دوسرا ثبوت اس کا کہ امام مبین قرآن مجید ہی ہے یہ ہے کہ خدا نے فرمایا کل امة تدعیٰ الیٰ کتابھا قیامت کے دن ہر امت اپنی کتاب کی طرف بلائی جائیگی (حاشیہ ۱۲) اور یہ بھی فرمایا یوم ندعو کل اناس بامامھم قیامت کے دن ہم لوگوں کو اُنکے امام کے ساتھ بلائینگے (بنی اسرائیل ع۸) دونوں آیتوں کا مفہوم ایک ہے۔ ہر شخص کتاب اللہ کی طرف بلایا جائیگا یا امام کے ساتھ بلایا جائے گا اور اس سے جائزہ لیا جائے گا کہ تم نے ہماری بھیجی ہوئی کتاب اللہ کی تعمیل کی یا انحراف کیا۔ اس سے صاف ہو گیا کہ کتاب اللہ امام ہے۔ نامۂ اعمال احکام قرآنی پر تولا جائے گا اس وقت خاتم الرسل شفیع المذنبین کی فریاد بارگاہ رب العزت میں ہوگی تو یہ ہوگی وقال الرسول یارب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا۔ اے خدا ہماری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا اور اس کے مخاطب ہوں گے آجکل کے مسلمان اور دیگر انبیا کی فریاد یہ ہوگی کہ ہماری قوم نے کتاب اللہ میں تحریف بھی کی اور بالآخر ضائع بھی کر دیا جس کا واضح بیان جسے دیکھنا ہو وہ شرعة الحق میں دیکھے۔

پیغمبر تو اب کوئی آنے والا ہے نہیں اور دنیا پلٹا کھاتی ہی رہتی ہے اس لئے اب ہدایت کی خدمت خدا اماموں اور مرشدوں سے لیا کرتا ہے۔ کیونکہ اس نے کتاب اللہ کی حفاظت کا ذمہ اٹھا لیا ہے کتاب اللہ موجود رہتے رسول کی ضرورت نہیں رہی مجددین اور ہادیان برحق کی ضرورت تھی جو طالبین حق کے لئے وسیلہ ہیں وہ خدا کے مخلصین بندے ہیں جن کی یہ دعا ہو کرتی کہ ہم کو متقیوں کا امام بنا تو خدا قبول کرے جس کو بنا دے وہ بنے گا ہی بنے بھی اور بنینگے بھی۔ مگر اُنکی تصدیق امامت کے لئے کوئی وحی اُترنے والی نہیں۔ ہاں قرآن مجید کے ہادی و امام ہونے میں کوئی کلام نہیں اور یہ بھی عقلی بات ہے کہ دو اماموں میں اختلاف ہونا چاہئے نہیں۔ اس لئے اُنکی تصدیق امامت کے لئے یہ صریح پہچان ہے کہ وہ بالکل متبع قرآن ہو ہر حیثیت سے ظاہراً بھی باطناً بھی اور روحانیةً بھی۔ اگر ایسا کوئی امام نہ ملے تو قرآن مجید تو ہے جو قطعی امام ہے۔ قرآن مجید کو اپنا امام و پیشوا بناؤ اور اسکو معزول کر کے کسی دوسرے کے جھنڈے کے نیچے نہ جاؤ۔ قرآن مجید تمہاری امامت کریگا جس کے وسیلہ سے تم خدا تک پہنچو گے۔ مبارک وہ جسکو قولی امام کی امامت پہونچے۔ اور مبارک تر وہ جسکو قولی و فعلی دونوں امامت سے فیضیاب ہونیکا موقع ہاتھ آئے۔

امامت سے میری مراد وہ رشد و ارشاد ہے جو بوسیلہ امام پہونچے۔

مرشد ربّانی

مرشد کے معنی راہ بتانے والے یعنی ہادی صراط اللہ کے ہیں جو تمھیں خدا کی راہ بتائے وہ تمہارا مرشد ہے۔

ہادی حقیقی تو خدا ہے راہ اُس کی بنائی ہوئی۔ راہ یابی کی قوتیں اُس کی دی ہوئی تحریک اُس کی طرف سے توفیق اُسی کی طرف سے۔ اس لئے ہدایت حقیقی اُسی کا حصّہ ہے لکن اللہ یھدی من یشاء اللہ ہی جس کو چاہے ہدایت کرے۔ (قصص ۵۶) عالم اسباب میں نظام مطلق نے ہدایت کا نظم بھی قائم کیا ہے اور عالم مجاز میں مجازی صورتیں بھی قائم کی ہیں۔ ہمارے رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہادی مجازی ہیں انک لتھدی الی صراط مستقیم بے شک تم صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتے رہو (زخرف ۵۲) اور قرآن مجید کو بھی خدا نے ھدی و نور فرمایا اور ھدی للمتقین (بقرہ ۱) قرآن بھی ہادی ہے اور جن و انس دونوں کے لئے جنہوں نے بھی اقرار کیا تھا انا سمعنا قرانا عجبا یھدی الی الرشد فامنا بہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا جو رشد کی طرف ہدایت کرتا ہے تو ہم اس پر ایمان لائے (جن ۱) پھر جو متبع رسول و قرآن ہو مجاز در مجاز وہ بھی ہادی ہے ممن خلقنا امۃ یھدون بالحق ہماری مخلوق میں ایسی جماعت ہے جو ہدایت حقہ کرتی ہے (اعراف ۲۲) یہی خدائی ہدایت جن کو پہونچی وہ مسترشد۔ اور جنھوں نے دوسروں کو پہونچائی وہی مرشد ہیں من یھدی اللہ فھو المھتد ومن یضلل فلن تجد لہ ولیا مرشدا جس کی ہدایت خدا کرے تو وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کرے تو اُس کے لئے تم کوئی ولی مرشد نہ پاؤ گے (کہف ۱۷) یعنی خدا جس کی ہدایت کرتا ہے تو عالم اسباب میں اُس کی ہدایت بذریعۂ ولی مرشد کے کرتا ہے ایسے لوگوں کو ولی مرشد ملتے ہیں جو ایسے گمراہ کو جس کی خدا ہدایت کرے اور جسے خدا گمراہ کرے نہ ملیں گے وابتغوا الیہ الوسیلہ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون ۔ خدا کی طرف وسیلہ ڈھونڈھو اور اُس کی راہ میں مجاہدہ کرو۔ تاکہ تم مراد کو پہونچو (مائدہ ۶) پہلے وسیلہ ڈھونڈھنے کو فرمایا اُس کے بعد مجاہدہ کرنے کو یہی مرشد ہیں جو روحانی ہادی ہیں۔ اور یہی وسیلہ ہیں جن کے وسیلے سے خدا کی راہ ملتی اور خدا ملتا ہے۔

مضمون دوہرانے کا کیا فائدہ ہیں رشد و ارشادی کو کیوں نہ بیان کروں کہ انھیں آیتوں سے

رشد کا پتہ مرشد کا پتہ اور کسی قدر مرشد کے صفات کا پتہ لگ جائے گا۔

رشد و ارشاد

رشد و ارشاد و مرشد کی سند تو قرآن مجید میں موجود ہے اور متعدد جگہ ہے۔ مگر پیر کی سند نہیں۔ پیر عربی لفظ بھی نہیں ہے۔ یہ ایک عجمی لفظ ہے۔ مرشد ہی کو پیر کہو تو کہو یہ کہہ سکتے ہیں اس میں کلام نہیں مگر مرشد اور پیر سے فرق کرکے جو مفہوم مفہوم القوم ہے وہ مستند علیٰ بلیشۃ رب نہیں ہے رشد اور ارشاد کی آیتیں ملاحظہ ہوں۔

ولقد اتینا ابراھیم رشدہ من قبل وکنا بہ علمین ہم نے پہلے ہی سے ابراہیم کو راہ رشد بتائی تھی کیونکہ ہم اُسکی صلاحیت سے واقف تھے (انبیاء ۵) اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبری زہد خشک نہیں ہے۔ بلکہ پہلے مرشد ہی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس میں صلاحیت ہو اُسی کو راہ رشد بتائی چاہیے وقال الذی امن یقوم اتبعون اھدکم سبیل الرشاد اس شخص نے کہا جو ایمان لاچکا تھا اے قوم میری پیروی کرو میں تمہیں راہ رشد کی ہدایت کروں گا (مومن ۲۴) یہ ہی اصول یہ ہے ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ اگر خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا بھی تمھیں پیار کرے گا اس سے معلوم ہوا کہ راہ رشد بتانے والے کو چاہیے کہ پیروی کی فرمایش کرے مگر وہ خود متبع خدا اور رسول یعنی قرآن ہو تاکہ اتباع میں مخالفت نہ پڑے اور مسترشد کو راہ رشد ملے کہ ظاہری اور باطنی احکام مولیٰ کی تعمیل کس طرح کرنا چاہیے اور ولولۂ محبت اور جذبۂ عشق کو کس طرح راہ پر لگانا چاہیے کہ یہ محبت و عشق بجائے جنون پیدا کرنے کے موصل الی المطلوب ہوں۔

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی۔ دین کے بارے میں کچھ زور زبردستی تو ہے نہیں کیونکہ قرآن مجید میں رشد کی راہ گمراہی سے ممیز ہو چکی (بقرہ ۲۵۶) یعنی قرآن مجید میں جو زہد خشک سمجھا جاتا ہے راہ رشد تعلیم کردی گئی ہے تو اس سے سیکھو بھی اور عملاً اور قولاً اسے سکھاؤ بھی۔ کیونکہ خدا نے فرمایا ساصرف عن ایتنا الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق وان یروا کل ایۃ لا یومنوا بھا وان یروا سبیل الرشد لا یتخذوہ سبیلا وان یروا سبیل الغی یتخذوہ سبیلا ذلک بانھم کذبوا بایتنا وکانوا عنھا غفلین جو لوگ دنیا میں ناحق متکبر ہیں اپنی آیتوں کے سمجھنے سے باز رکھوں گا۔ یہ اگر ساری نشانیاں بھی

دیکھ لیں۔ جب بھی ایمان نہ لائیں۔ اگر راہ رشد بھی دیکھ پائیں تو اس پر نہ چلیں اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں
تو اس پر چلنے لگیں یہ اس سبب سے کہ انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے غافل ہے (اعراف ع ۱۷)
خدا متکبر کو اور جو خدا کی آیتوں کو جھٹلائے اور جو خدا کی آیتوں سے غافل رہے اس کو وہ اپنی آیتوں کے
سمجھنے سے باز رکھے گا جب ہی راہ رشد کو اس نے راہ ضلالت سے متمیز کیا ہے تو وہ راہ رشد پا سکتے
واذکر ربک اذا نسیت وقل عسیٰ ان یھدین ربی لاقرب من ھذا رشدا یاد کرو
خدا کو اس وقت بھی کہ بھولو اور کہو کہ امید ہے کہ ہمارا پروردگار اس سے بھی قریب تر راہ رشد کی
ہدایت کرے (کہف ع ۳) اذا نسیت کا ترجمہ اس وقت بھی کہ بھولو کے ساتھ میرا اتفاق
نہیں۔ خدا کا مطلب یہ ہے کہ غفلت میں بھی خدا کو نہ بھولو۔ مشاغل کے وقت کہ دماغ دوسری طرف
ہو یا نیند میں کہ یہ سارے بھولنے کے اوقات ہیں یہاں تک کہ نیند کی غایت یعنی موت میں بھی
خدا کو نہ بھولو۔ ذکر ایسا ہونا چاہیئے کہ اگر تمہارے حواس معطل ہو جائیں تو تمہارا قلب تمہاری روح
اور تمہارا وجود ذاکر رہے کیا ذاکروں کا ذکر نیند میں تم نے نہیں سنا۔ کاروبار تجارت کی مشغولی میں
نہیں سنا۔ خیر اس کا بیان تو ذکر کے زیر سرخی آ ہی گیا۔ یہاں پر مطلب یہ ہے کہ ایسے ذکر سے
قریب تر راہ رشد کی امید کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ راہ رشد ذکر سے ملتی ہے۔

راہ رشد ہے کیا؟ تو خدا نے فرمایا فمن اسلم فاولٰئک تحروا رشدا جس نے اپنے
آپ کو خدا کو سونپا تو اس نے راہ رشد کا قصد کیا (جن ع ۲) راہ رشد اختیار کرنے کے معنی
یہ ہیں کہ آدمی وہ راہ اختیار کرے جس راہ سے آدمی اپنے کو خدا کے حوالہ کر دے یعنی راہ رشد
اپنے کو حوالہ بخدا کرنے کی راہ ہے اپنے کو خدا کے حوالے کرنے کے معنی یہ ہیں کہ نفس روح
اور اپنی ساری قوتیں طلب رضائے مولیٰ میں ایسی سرگرم ہو جائیں کہ وہ خدا کی صفتیں جانتی ہیں
جس کو اخلاق کی زیر سرخی میں نے بیان کیا ہے اس مقام پر پہنچ کر آدمی استرشاد سے نکل جاتا ہے
اور خدائی مرشد ہو جاتا ہے بس اسی مرشد کی پہچان سمجھ لو۔

یہاں پر بہتیرے یہ کہنے کھڑے ہو جائیں گے کہ اسلم کے معنی مسلمان ہو گئے ہیں کہ جو مسلمان
ہوا اس نے راہ رشد پائی۔ ایسا نہیں ہے بلکہ راہ رشد مسلمان ہونے کے بعد ملتی ہے جب کہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس پیغمبر کو مرشد بنایا تھا ان سے راہ رشد طلب کی تھی قال لہ
موسیٰ ھل اتبعک علیٰ ان تعلمن مما علمت رشدا موسیٰ نے ان سے کہا کیا میں آپ کے
ساتھ رہوں اس شرط پر کہ جو راہ رشد خدا نے آپ کو سکھائی ہے وہ مجھے سکھا دیں (کہف ع ۹)

میں نے مسترشدہ کے بیان میں قرآن مجید ہی کی آیتوں سے واضح کیا ہے کہ یہ مرشد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر نہ تھے۔ بلکہ وہ کوئی پیغمبر تھے جن کا نام بتایا گیا۔ یہ ویسے ہی تھا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضرت یحییٰ علیہ السلام سے اصطباغ لینا بیان کیا جاتا ہے غرض جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مسلمان تھے تو راہ رشد پا چکے تھے۔ پھر وہ راہ رشد سے مالا مال کیا ہوے تھے۔ اس سے میری غرض یہ ہے کہ اس آیت میں اسلم کے معنی اپنے کو حوالہ کرنے کے ہیں جس نے اپنے کو خدا کے حوالہ کیا اور اُس کا حال ہو گیا۔ ان صلواتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین اُس نے راہ رشد پائی۔

صفات مرشد

جن کا رشد کامل ہو چکا۔ اور جن کو بیعت خدائی نصیب ہو چکی (خدائی بیعت کا بیان آگے آئے گا) وہ مرشد ہونے کے اہل ہیں جن کو خدا نے بشارت دی فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ ذلک ھو الفوز العظیم اپنے اس بیعت کی جو تم نے خدا کے ساتھ کی ہے خوشیاں مناؤ کہ اس معاملہ میں تمہاری بڑی کامیابی ہے (توبہ ع۱۴) انکی صفت بیان فرمائی التائبون العابدون والحامدون السائحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ وبشر المومنین (توبہ) توبہ کرنے والے عبادت گذار حمد و ثنا کرنے والے بے تعلق رہنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے۔ بھلے کاموں کی ہدایت کرنے والے بُرے کاموں سے منع کرنے والے اور حدود اللہ کے محافظ۔ تو اے پیغمبر ایسے ایمان والوں کو خوشخبری سُنا دو (توبہ ع۱۴)

پہلی صفت ہے۔ توبہ کرنے والے۔ توبہ کا بیان آگے آئیگا۔ ابتدائی اور ظاہری توبہ تو ہے گناہوں سے تائب ہونا اور انتہائی توبہ ہے۔ راہ خدا میں اپنے موجودہ حال سے تائب ہوتے رہنا یعنی ماسوے اللہ سے تائب ہونا یہ توبہ سب کو شامل اور عام ہے۔

دوسری صفت ہے۔ عبادت گذار یہ تو کھلی آنکھوں بھی دیکھ سکتے ہو۔ مگر عبادت کے معنی صرف نماز روزہ ہی کے نہیں ہیں۔ احکام خداوندی کی تعمیل کے ہیں اس میں مجاہدات وجہاد اور ادائے حقوق وغیرہ سب داخل ہیں۔ مختصراً قرآن مجید کی ہدایتوں کی تعمیل سب عبادت ہے اگر ریاکاری سے نہ ہو اور خالصاً لوجہ اللہ ہو۔

تیسری صفت ہے حمد و ثنا کرنے والے۔ صرف زبانی نہیں بلکہ دلی۔ مگر دلی حمد و ثنا اسی وقت ادا ہو سکتی ہے۔ جب صبر و شکر و رضا و تسلیم میں ثبات حاصل ہوئے۔ ورنہ حمد و ثنا زبانی جمع و خرچ ہوگی کہ دل تو گلہ مند ہو اور زبان پر گلہ۔

چوتھی صفت ہے تعلق رہنے والے۔ جب تک خدا کی محبت کامل نہ ہوگی۔ اس دنیا سے بے تعلقی نصیب نہیں ہو سکتی۔ جب تک صادق اور خالص محبت سے اسلم وجہ اللہ کا جلوہ آرا نہو دنیاوی تعلقات کے دام سے نجات ناممکن۔

پانچویں صفت رکوع و سجود کرنے والے یعنی پابند صلواۃ ہونا چاہیئے جو معراج المومنین ہے۔

چھٹی صفت۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی وہ کرتے رہتے ہوں مگر اس کا استحقاق جب حاصل ہو سکتا ہے جب وہ خود بھلے کاموں کے عامل اور برے کاموں سے محترز ہوں۔ اور اس کے ساتھ انکے دل میں سچا درد بھی ہو کہ لوگ بھلے کام کریں اور برے کاموں سے بچیں جب تو وہ صدق سے اس خدمت کو انجام دے سکتے ہیں۔

ساتویں صفت۔ حدود اللہ کے محافظ ہوں یعنی عمل بالقران۔ اس میں سب کچھ آگیا۔ وقتی قرآن مجید جس طرح حق و باطل کی ترازو ہے۔ مرشد کی بھی ترازو ہے۔

مرشد کی ایک صفت منیب کی بھی ہونی چاہیئے کہ وہ ایسا رجوع الی اللہ ہو کہ اسکے ہر کام کا مرجع خدا ہی ہو گیا ہو جس کی نسبت فرمایا گیا۔ واتبع سبیل من اناب الی جس نے میری طرف رجوع کیا اس کا اتباع کرو (لقمان ع۲) رجوع کے یہ معنی ہیں کہ ظاہر میں تو رجوع الی اللہ ہو۔ اور باطن میں الی النفس ہو یہ تو ریا ہے اور بدترین جرم۔

مرشد کی صفت خدا نے یہی فرمائی ہے اتینٰہ رحمۃ من عندنا وعلمنٰہ من لدنا علما۔ ہم نے ان کو اپنے پاس سے رحمت دی اور اپنے پاس سے اک علم تعلیم کیا (کہف ع۹) یہ صفت انکی ہے جن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام رشد حاصل کرنے گئے تھے یعنی مرشد کامل وہ ہے جو مورد رحمت خاص ہو اور اس کو علم لدنی حاصل ہو۔

مرشد کی صفتوں کے متعلق بھی قرآن مجید سے بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر زیادہ لکھنے سے کچھ یاد نہ رہے گا۔ یہ جتنا کچھ لکھا گیا بہت حاوی اور مائل دل ہے کہ متلاشی و سیلان چند آیتوں کو یاد رکھ سکتا اور مراد کو پا سکتا ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ مرشد نہیں ملتے۔ خدا نے تو فرما دیا ہے ممن خلقنا امۃ یھدون بالحق

ہماری مخلوق میں ایک جماعت ہے جو ہدایت بحق کرتی رہتی ہے (اعراف ۲۲) رحمت کا دریا جاری ہے۔ کنارے پر بھی بیٹھے ہوئے ہیں مگر اس دریا کے پیاسے نہیں ہیں۔ لوگ کنوئیں سے پانی پینے کے عادی ہو گئے ہیں۔

فرائض مرشد

وممن خلقنا امة یھدون بالحق وبہ یعدلون۔ ہماری مخلوق میں ایک جماعت ہے جو حق کی ہدایت کرتی رہتی اور حق پر عدل کرتی رہتی ہے (اعراف ۲۲) مرشد کا فرض ہے ہدایت بحق کرنا اور عدل بحق کرنا۔ عدل ایک نہایت وسیع المعنی اور وسیع الفرائض لفظ ہے جس کا ہاتھ ہر ایک فعل پر پہونچتا ہے ظاہری ہو یا باطنی۔

ومن قوم موسیٰ امة یھدون بالحق وبہ یعدلون۔ قوم موسیٰ میں بھی ہدایت بحق اور عدل بحق کرنے والی ایک جماعت تھی (اعراف ۲۰)

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر۔ تم میں بھی ایک جماعت ہونی چاہیئے جو بھلائی کی طرف لوگوں کو پکارے اور امر معروف اور نہی منکر کرتی رہے (آل عمران ۱۱) جس نے اس خدمت کو انجام دیا وہ مرشد ہے اور جو مرشد ہے اسے یہ خدمت انجام دینی چاہیئے۔ آجکل داعی الی اللہ کی جماعت تو ہے مگر وہ امر معروف اور نہی منکر سے غافل ہے اس کو فسانۂ عجائب سے فرصت نہیں۔

امر معروف اور نہی منکر مرشدوں کی خدمت ہے۔ انہیں کا لقب ربانیون۔ اللہ والے انہیں کا لقب یہودیوں میں تھا احبار اور انہیں کا لقب ہم محمدیوں میں ہے صوفی لولا ینھٰھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم واکلھم السحت کیوں نہیں اللہ والے یعنی صوفیوں اور علماء نے لوگوں کو بری باتیں بولنے اور حرام خواری سے روکا (مائدہ ۹) بہت سے گناہوں کی جڑ بھی زبان ہے اور حرام خواری اگر صوفیائے کرام ان دو برائیوں کی نصیحتوں کی طرف بہت متوجہ ہوں تو کم سے کم مقدمات کے سلسلے تو بند ہو جائیں۔ مقدمات کی جڑ بھی بد زبانی اور دوسروں کا مال ناجائز کھانا ہے وقال الذی امن یقوم اتبعون اھدکم سبیل الرشاد یقوم انما ھذہ الحیوٰة الدنیا متاع وان الاخرة ھی دار القرار۔ ما کہا اس ایمان والے نے اے قوم میرے کہے پر چل میں تجھے راہ رشد

کی ہدایت کروں گا۔ اے قوم یہ دنیاوی زندگی تو چند روزہ فائدہ کی ہے اور آخرت ہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے (مومن ع۵) مرشد کو چاہیے کہ وہ قوم کو ہدایت کریں کہ دنیا کے کام کرو تو اس سے دل اٹکا کے اور اس کو ابدی جائے نہ کرو بلکہ آخرت کے دار القرار ہو سمجھو اور اگر مرشد اپنی آواز تمام قوم تک پہونچا سکے تو وہ اپنا نائب اور خلیفہ مقرر کرے جس کو اس کا اہل سمجھے۔ قال موسیٰ لاخیہ ھٰرون اخلفنی فی قومی واصلح ولا تتبع سبیل المفسدین حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ میری قوم میں میرے پیچھے میں خلافت کرو انکی اصلاح کرتے رہنا اور مفسدوں کی راہ نہ چلنا (اعراف ع۱۶) مرشد جن کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باطنی خلافت بذریعہ اپنے مرشد کے پہونچی ہے انکو قوم میں اصلاح کرتے رہنا چاہیے یہ اصلاح کا لفظ بہت وسیع ہے۔ اس پہ تفکر لازم ہے اس میں امر معروف اور نہی منکر سب داخل ہے۔

ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو دعوت الی اللہ کرے اور عمل صالح کرتا ہے اور اقرار کرے کہ میں فرمانبرداروں بندوں میں ہوں (حم السجدہ ع۵) مرشد کو چاہیے کہ خود تو عمل صالح کرتا رہے اس کے اعمال قرآن مجید سے باہر نہوں اور فعلاً و قولاً دعوت الی اللہ کرتا رہے کافروں کو اسلام کی طرف اور مسلموں کو خدا کی طرف یہ سب دعوت الی اللہ ہے اور کسی نئے طریقہ کا موجد یا مدعی نہو۔ بلکہ اس کا دعویٰ یہ ہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

فذکر انما انت مذکر تو نصیحت کرتے رہو کیونکہ تم تو نصیحت کرنے والے ہو (غاشیہ مرشد کا کام قولاً و فعلاً نصیحت کرنے کا ہے وہ کوئی وکیل و کارساز اور ذمہ دار نہیں ہے نہ قیامت کے دن بوجھ اٹھانے والا۔

فذکر بالقرآن من یخاف وعید جس کے دل میں خدا کے وعدوں کا خوف ہو اس کو قرآن سے نصیحت کرتے رہو (ق ع۳) مرشد کو قرآن مجید سے نصیحت کرنی چاہیے۔ قرآن تو سراسر نصیحت ہی ہے۔ ص۔ والقرآن ذی الذکر۔

وذکر فان الذکری تنفع المؤمنین نصیحت کرتے رہو کیونکہ نصیحت مومنوں کو نفع بخش ہوگی۔ (الذاریت ع۳) مرشدوں کو چاہیے کہ بجائے اس کے کہ معتقدوں کو بے ورایت قصوں میں لگا کر کرامات اولیاء کا معتقد بنائیں اور انکے ریاضات شاقہ کے افسانے

سنا کر مجاہدہ کی راہ میں معتقدوں کو پست ہمت اور مایوس کریں انکو چاہیے کہ معتقدوں کے دل میں خدا کی محبت اور عظمت بٹھائیں خدا کے کلام سے اُن کو ہدایت کریں اور خدا و رسول سے اُن کی نسبت جوڑیں کہ وہ خدا و رسول کے آگے سر جھکاویں یہی دعوت الی اللہ ہے۔ مومنوں کے لیے اس سے بڑھ کر اور کونسی بات نفع بخش ہوسکتی ہے۔

فذکر ان نفعت الذکریٰ اُس وقت نصیحت کرو جب سمجھو کہ نصیحت کارگر ہوگی (اعلیٰ) یعنی نصیحت کی بکواس نہ مارو بلکہ موقع سے قابلیت سماعت کا اندازہ کرکے نصیحت کیا کرو۔

عبس و تولّٰی ان جاءہ الاعمیٰ وما یدریک لعلہ یزکّٰی او یذکر فتنفعہ الذکریٰ چیں بجبیں ہوا۔ اور منہ موڑ بیٹھا اس بات پر کہ اس کے پاس اندھا آیا اور تم کیا جانو شاید وہ سنور جائے یا نصیحتیں سنے اور وہ سودمند ہوجائیں (عبس) یہی مرشدوں کے لیے ہدایت ہے کہ انھیں طالبین حق کو کن آنکھوں دیکھنا چاہیے۔ وہ اندھا ہے جب تو آیا ہے آنکھ قدح کرانے خدا قادر ہے کہ اُس کی آنکھوں کو روشن کردے۔ یہ ساری سورے مرشدوں ہی کے لئے ہدایت ہے اس میں تدبر کرو۔

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغدٰوۃ والعشی یریدون وجھہ ولا تعد عینٰک عنھم ترید زینۃ الحیوٰۃ الدنیا ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھوٰہ وکان امرہ فرطا وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔ جو لوگ صبح و شام خدا کی یاد یا اس کا دھیان کرتے ہیں اور خدا ہی کے طالب ہیں۔ انکی صحبت و معیت کے لئے اپنے نفس کو مجبور کرو۔ اُن سے تمہاری آنکھیں ہٹنے نہ پائیں کہ تم زندگانی دنیا کی زینت چاہو۔ اور جس کے قلب کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کردیا اور وہ اپنی خواہش نفسانی کا ہو رہا ہو۔ اور اس کی دنیاداری حد سے بڑھ گئی۔ اسکی بات نہ ماننا خدا کی طرف سے جو حق تم کو پہونچا وہ کہدو چاہے مانے یا نہ مانے (کہف ع ۴) یہ مرشدوں کو ہدایت ہے کہ طالبین خدا جو سچے اور اُسی کے طالب ہیں ماسوے کے نہیں اُنکے ساتھ صحبت رکھنا۔ انکی صحبت میں تکلیف بھی پہونچے تو صبر کرنا اور اپنی آنکھیں اُن سے نہ ہٹانا (یہ عام ہے ظاہری اور باطنی دونوں یعنی توجہ عینی اور توجہ قلبی سے غافل نہ ہونا) ایسا نہو کہ تم اُن سے زینت دنیاوی اور ظاہری گرم بازاری کا خیال کرو۔ اور جو ہماری یاد سے بے پرواہ ہیں اُن سے تم بے پرواہ اور بے لگاؤ رہنا یعنی غافلوں اور بندۂ خواہشات کی باتوں پر کان نہ دینا

احقاق حق کرتے رہنا۔ یہ سارے فرائض مرشدانِ راہ اللہ اور ہادیانِ راہ اللہ
…ہیں۔ گرچہ مخاطب ہمارے رسول ہیں۔ مگر مامور سب ہیں جو اُسکے اہل ہوں۔ جیسے آپ
…کے مامور ہیں تو اُس میں سارے بندے داخل ہیں۔ اگر آپ بحیثیت رشد و ہدایت مامور
…تو اُس میں بھی سارے مرشدانِ راہ اللہ داخل ہیں۔ کلامِ باری کی یہی روش ہے۔
…علیہم وقل لهم فی انفسهم قولاً بليغاً۔ اور انکو نصیحت کرتے رہو۔ اور کہو انکے نفس میں
پہنچنے والا۔ (النساء ع۹) فی انفسهم کی قید سے پتہ لگتا ہے کہ یہ خطاب مرشد عالم نے
…فرمایا ہے ورنہ فی انفسهم کی ضرورت نہ تھی۔ مرشد کی خدمت القائے ذکر بھی
…راہ رشد ہے۔ ظاہری تبلیغ اعلائے کلمۃ اللہ ہے اور باطنی تبلیغ القائے کلمۃ اللہ ہے۔
…کے فرائض کا زیادہ بیان تو فضول ہے۔ کیونکہ قرآن کی تلاوت اور اس میں تدبر
و تفکر تو اُن کا تخصصی فرض ہے اس سے تو وہ غافل ہونگے نہیں پھر جس کے سامنے قرآن مجید
کھلا ہو۔ اس سے پیر کہنا کچھ تو سراسر لغو ہے یہ اتنا جو لکھا گیا وہ صرف توجہ کرنے کے لئے
متوجہ کرنا اس طرف کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علاوہ تبلیغ رسالت کے اپنے قرآن مجید کا کر
ہمیں دیا۔ آپ نے رشد و امامت کی خدمت بھی جو رسالت کے ماتحت اور رسالت کا ظل ہے
بکمال انجام دی۔ اور روحانیات قرآنی کی تربیت سے قوم کو فیض یاب کیا۔ اس لئے حقیقی ہدایا
رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ تخاطب دی گئی ہیں۔ وہ مرشدوں کے لئے دستور العمل ہیں
مرشدوں کو لازم ہے کہ یہ ایسا اصول قرآن مجید سے وہ اپنا دستور العمل بنائیں۔ قرآن مجید پڑھیں
پڑھائیں۔ اس میں خود بھی تدبر و تفکر کریں اور مسترشدوں کو بھی اسکی تاکید فرماتے رہیں خود بھی
عامل بالقرآن ہو کر اس کی تبلیغ فرمائیں اور مسترشدوں کو بھی اس کی تاکید فرمائیں کہ اس کا عمل یہ
اُن کا فرضِ منصبی ہے۔

ہدایات للمسترشد

مسترشدوں کی تعلیم و ہدایت کے متعلق تو یہ کتاب ہی ہے۔ مگر اس سرخی سے میرا مطلب
صرف اس قدر ہے کہ مرشدوں کے ساتھ مسترشدوں کے کیسے تعلقات ہیں۔ اور یہ
مرشدوں کے ساتھ کیسے برتاؤ کرنے چاہیں! آیا ویسا ہی جیسا کہ رہنما کے ساتھ ہوتا ہے
یا فنا فی الشیخ ہو کر مردہ بدست غسال ہو کر یا ایک گونہ مجبور بنا کر۔

میں نے شرعۃ الحق میں قرآن مجید کی آیتوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ قصص قرآنی ہر چند بحیثیت تاریخ صحیح تر واقعہ ہے مگر وہ بیان کیا گیا ہے موعظت و ہدایت ہی کی غرض سے قصص بھی اک طرز بیان ہے جس سے بات موثر ہو جاتی ہے۔ قرآنی قصص میں ہدایات و نصائح بھرے ہوئے ہیں۔ سورہ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ آخر کے چند رکوع میں بہ تعلق رشد و ارشاد ہی بیان ہوا ہے قال لہ موسیٰ ھل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا۔ قال انک لن تستطیع معی صبرا۔ وکیف تصبر علی ما لم تحط بہ خبرا۔ قال ستجدنی ان شاء اللہ صابرا ولا اعصی لک امرا۔ حضرت موسیٰ نے ان سے کہا اجازت دو تو میں تمہارے ساتھ رہوں بہ ایں شرط کہ راہ رشد جو تمہیں سکھائی گئی ہے وہ مجھے سکھاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکوگے اور کیونکر صبر کر سکتے ہو۔ اس چیز پر جس کا سمجھنا تمہارے قابو میں نہیں۔ موسیٰ نے کہا تم مجھکو انشاء اللہ صابر پاؤگے اور میں تمہارے کسی حکم کے خلاف نہ کرونگا (کہف ع ۹)

اس آیت سے مفصلہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ رشد سیکھنے سکھانے سے حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ صحبت مرشد ضرور ہے جسکے خواستگار حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوئے۔

۳۔ صحبت مرشد میں صبر ضرور ہے۔

۴۔ مرشد کے خلاف حکم نہ کرنا۔

اگر راہ رشد سیکھنے سے حاصل نہ ہو سکتی تو مرشد بنانا بیکار۔ اور علی ان تعلمن مما علمت رشدا۔ فرمانا بے سود تھا۔ یہ تو سیکھنے ہی سے آتی ہے۔ جب تو مرشد وسیلہ ہوتا ہے اور اس کے رشد و ارشاد کے مطابق مجاہدہ کیا جاتا ہے۔ مرشد کی تعریف قرآن مجید سے ہم بیان کر چکے ہیں ویسا مرشد تمہیں عمل بالقرآن بنا کر خدا تک پہونچا چھوڑے گا۔ مگر تعلیم کیساتھ ضرورت ہو تربیت کی تعلیم بے ترتیب نارسا ہے اسلئے صحبت مرشد کی ضرورت ہے۔ صحبت میں اک عجیب پوشیدہ تاثیر خدا نے ودیعت رکھی ہے مگر صحبت میں بہتیری باتیں مسترشد کی سمجھ سے باہر معلوم ہونگی کیونکہ وہ رسیدہ نہیں۔ اپنے علم کا ماہر اور یہ طالب علم۔ ہر علم کے عالم کیساتھ نو سیکھ کا یہی حال ہوتا ہے تو اس بلا علمی کے سبب اعتراض کی آنکھ نہ ڈالو ورنہ للہیت ٹوٹ جائے گی اور صحبت درہم برہم ہو جائے گی۔ اس لئے صحبت میں صبر ضرور ہے بے صبر کے کام نہیں چلتا اگر صبر سے کام نہ لیا جائے تو مرشد کے حکم و ہدایت کی

نہیں پہنچیگی۔ اسی لئے فرمایا تھا (۱) اعطی لک امراً غور کرو تو ان چار باتوں میں ساری وہ باتیں آجاتی ہیں جو مسترشد کے فرائض میں سے ہیں۔

اتنا یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام باوجودیکہ پیغمبری کے لئے انکا انتخاب ہو چکا تھا اور زیادہ قرب کے خواستگار رہے۔ انکی طلب کی پیاس نہ بجھی۔ انکے ارنی اور لن ترانی کی گونج آجتک گونج رہی ہے۔ مرشدوں کو بھی چاہیے کہ اپنی طلب کبھی کم نہ کریں۔ یہ زندگی طلب و محنت ہی کی ہے۔ مگر طلب خدا سے صبر اور حلم باندھے تو صبر کی باگ ہاتھ سے نہ دینا چاہیے کیونکہ خدا صابروں کے ساتھ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ولی کا درجہ کسی پیغمبر سے بڑا ہو سکتا ہے اور کوئی ولی پیغمبر کا مرشد ہو سکتا ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے خیال کیا ہے کیونکہ اگر کوئی پیغمبر کسی ولی کو مرشد بنا لیتے ہوئے اس کے معنی یہ ہوتے کہ پیغمبر جن کی تعلیم و تربیت براہ راست اور بلا تعلیم و تعلم خدا سے ہوتی ہے وہ ولی مرشد کو آداب رشد سکھانا چاہتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جن کے پاس بنظر رشد گئے تھے یہ بتایا گیا کہ وہ ولی تھے یا پیغمبر یہ خیال کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے اور یہ ولی زندہ ہیں آج تک زندہ اور دریا کے مالک ہیں بے سند غیر معتبر کہانیاں ہیں۔ قرآن اس کی حمایت نہیں کرتا۔ یہ عقیدہ علی مثلہ سب نہیں ہے قرآن مجید میں تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جن کے پاس بنظر رشد گئے تھے وہ ولی نہیں بلکہ پیغمبر تھے۔ دو وجہوں سے ایک تو یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں انہوں نے فرمایا ما فعلتہ عن امری یہ سب خلاف قیاس کام اور علم غیب کی بنا پر ہم نے خود اپنے ارادہ سے نہیں کیا بلکہ خدا کے حکم سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدائی احکام انکو آتے تھے اور یہ شان پیغمبری ہے۔ دوسرے یہ کہ اور یہ پیغمبری آئیں وحی ہیں جیسا کہ خدا نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ علم غیب ہمارے سوا کسی کو نہیں اور ہم بعض رسولوں کے سوا علم غیب سے کسی کو مطلع کرتے بھی نہیں ما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء (ال عمران ۱۸) اس سنت اللہ کے مطابق جب انکو علم غیب بہ اطلاع خداوندی ہوا تو ضرور وہ پیغمبر تھے۔ گرچہ انکا نام بتایا نہ گیا۔ بہتیرے پیغمبروں کا نام بتایا نہیں گیا ہے۔ یہ ویسے ہی تھا۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام سے بپتسما لینے گئے تھے کسی پیغمبر کسی پیغمبر سے رشد و ارشاد حاصل کرنے میں کوئی منافات نہیں

حضرت خضر علیہ السلام کو اس آیت سے مراد لینا غیر قطعی اور فرضی ہے۔ اسی مراد لینے سے تو
میں گھبراتا ہوں جو قطعی کو غیر قطعی کر دیتا ہے۔ اور اس پر اعتراضات کی انگلیاں اٹھ جاتی ہیں اور
ہدایات خداوندی انسانی خیالات سے آمیزش پاکر خلط ملط ہو جاتے ہیں۔ پیغمبر من حیث رشد
و روحانیت امام قطعی ہیں۔ اور اولیاء اللہ ان کے ظل۔ مجاز در مجاز۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا قال رب انی دعوت قومی لیلا و نہارا فلم یزدھم
دعائی الا فرارا و انی کلما دعوتھم لتغفر لھم جعلوا اصابعھم فی اذانھم واستغشوا
ثیابھم واصروا واستکبروا استکبارا ثم انی دعوتھم جھارا ثم انی اعلنت لھم
واسررت لھم اسرارا فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفارا

نوح نے کہا اے میرے پروردگار میں رات دن اپنی قوم کو بلاتا رہا مگر وہ اور بھاگتی ہی رہی۔
اور یہ اس غرض کہ تو انکو بخشدے میں نے جب جب بلایا تو انھوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں
رکھ لیں اور اپنے کپڑے اوڑھ لئے اور ضد کی اور بڑے مغرور ہو کر غرور کرتے رہے میں نے
پھر ان کو پکار کر بلایا پھر میں نے ان کو ظاہر بھی سمجھایا اور پوشیدہ بھی۔ پھر میں نے انھیں کہا کہ
خدا سے معافی مانگو وہ بڑا بخشنے والا ہے (نوح ع۱) اس آیت سے مرشد اور مسترشد دونوں
کے لئے ہدایتیں معلوم ہوتی ہیں نہ مرشد کو اپنی تعلیم و ہدایت سے تھکنا اور مایوس ہو کر چھوڑ دینا
چاہیئے نہ اپنے آگے جھکانا نہ اپنے کو اس کا مقصود و مسجود بنانا چاہیے بلکہ خدا کے آگے جھکانا
چاہیے ظاہر بھی باطنا بھی۔ اور مسترشد کو نہ ہدایت مرشد سے روگردانی کرنی چاہیے کہ وہ راہ
بھٹکے نہ بھاگنا چاہیے کہ گمراہی میں پڑے نہ ہدایت مرشد سے کان بند کر لینا چاہیے نہ آرام طلبی
کی چادر اوڑھ لینی چاہیے اور نہ ضد و تکبر کرنا چاہیے کہ یہ نامرادی کی روش ہے۔

یا ایھا الذین امنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم۔ مومنو! اللہ و رسول کی
کا حکم مانو جب وہ تم کو بلائے تاکہ زندگی بخشے (انفال ع۳) یہ زندگی روحانی زندگی ہے کیونکہ
جسمانی زندگی ہی کی صورت میں تو یہ دعوت دی گئی ہے۔ دوسرے یہ دعوت اسلئے لاسلام نہیں ہے
کیونکہ مومنوں کی طرف تخاطب ہے پس ایسی ہی اس کے مجاز کی صورت ہے کہ مرشد جب
زندہ دلی کے لئے کسی امر کی ہدایت کرے تو اس کا حکم مانو کیونکہ وہ بموجب حکم خدا کہ بالقرآن
تم کو خدا و رسول ہی کی طرف ہدایت کریگا تو اسکے حکم کا انحراف خدا و رسول کے حکم کا انحراف
ہوگا۔ یہ حیات اطاعت قرآن ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

خدا نے عباد الرحمٰن کی تعریف میں فرمایا ہے والذین اذا ذکروا بآیات ربهم لم یخروا علیها صمًّا وعمیانا۔ عباد الرحمٰن وہ ہیں کہ جب اُنکو خدا کی آیتوں سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ بہرے اور اندھے ہوکر نہیں گر پڑتے (فرقان ۲۵) یعنی مرشد جو خدا کی آیتوں سے نصیحت کرے تو بہرے اور اندھے ہوکر اُس پر نگرو۔ بلکہ حق سنو کان لیکر اور حق ہی آنکھ لیکر تاکہ تم خدا کا فرمان سن سکو اور تجلیات ربانی دیکھ سکو۔ ورنہ اندھے بہرے کو نصیحت کارگر ہوسکتی نہ راہ سجھائی دے سکتی ہے۔ اندھے بہرے ہوکر سنوگے تو اگر کوئی مرشد صورت خلاف حکم خدا و رسول بہکانے لگا تو تم بہکاوے میں آکر دوری میں پڑ سکتے ہو۔

مومن کی تعریف میں خدا فرماتا ہے انما یؤمن بآیاتنا الذین اذا ذکروا بها خروا سجدًا وسبحوا بحمد ربهم وهم لا یستکبرون۔ تتجافی جنوبهم عن المضاجع یدعون ربهم خوفا وطمعا ومما رزقناهم ینفقون۔ بس ہماری آیتوں پر تو وہی ایمان لاتے ہیں کہ جب انکو ان آیتوں کے ذریعہ سے نصیحت دیجاتی ہو تو سجدے میں گر پڑتے ہیں اور پروردگار کی صفت کی تسبیح کرنے لگتے ہیں۔ اور وہ تکبر نہیں کرتے ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں امید و بیم کے ساتھ خدا کو پکارتے رہتے ہیں۔ اور ہماری روزی دی ہوئی میں سے خرچ بھی کرتے ہیں۔ (السجدہ ۳۲) روزی میں سے خرچ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ مال سے عزیز چیز کا نہ ٹھ سے نکال کر اپنے خالص طلب و محبت کا ثبوت دیتے ہیں۔ مگر یہ مضمون قرآن مجید میں بہتیری جگہ ہے ومما رزقناهم ینفقون۔ سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے ہر جگہ ایک ہی معنی لینا کچھ فائدہ نہ دے گا اس لئے سیاق عبارت سے جو مفہوم پوری آیت سے پیدا ہوتا ہے جس سے آیت وہ بحث بھی نہیں ہو جاتی وہ یہ ہے کہ بس ہماری آیتوں پر ایمان کا حق تو وہی ادا کرتے ہیں کہ جب ہماری آیتیں وہ سنتے ہیں تو اُسکے فیضان سے وہ متاثر ہوتے ہیں اور اُس سے دوسروں کو بھی فیض یاب کرتے ہیں۔ یہ جو خدا نے اُنھیں روزی دی اس میں بخل نہیں کرتے بلکہ خرچ کرتے اور فیض تقسیم کرتے رہتے ہیں واللہ اعلم۔ تو مرشد جب قرآنی نصائح سُنے تو چاہیے کہ اُس کے دل میں خشوع و خضوع پیدا ہو۔ خوف و رجا پیدا ہو اور حضور و شہود حاصل ہو اُس کا دل اس طرح خدا کو پکارے جیسے بے چین کہ اس کی پیٹھ بستر سے نہیں لگتی ایسے مومنوں کے لئے اس آیت کے بعد جنت کا عطیہ نہیں بتلایا گیا کیونکہ اُس کا تو تم کوئی اندازہ کرسکتے ہو۔ اس لیے السیوطی کے لئے اجر بیان کیا گیا ہے فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین جزاءً

بما کانوا یعملون ۔ کوئی شخص جان نہیں سکتا کہ انکے اعمال کے بدلے انکی آنکھوں کی ٹھنڈک
کیا چھپا رکھی گئی ہے (السجدہ ۱۷) یعنی تشنۂ دیدار کو نعمت دیدار ہی ملے گی جیسے پیاسے
کو پانی کہ پیاس غذا سے نہیں بجھتی ویسے ہی تشنۂ دیدار کی پیاس نعمائے بہشت سے نہیں بجھنے کی۔
طالب علم کو استاد کی محبت نہ ہو تو اس کی تعلیم کیا دل میں جگہ کرے گی بچوں کو والدین سے محبت
نہ ہو تو انکی تعلیم و تربیت کیا کارگر ہوگی اسی طرح اگر مسترشد کے دل میں مرشد کی محبت نہ ہو مرشد
کی عظمت اور تقدس نہ ہو تو پتھریلی زمین کی بارش کی طرح فیضان بھی پتھر کو دھونے کے سوا
کچھ برگ و بار نہ لائے گا اس لئے ضرورت ہے مرشد کی محبت کی۔ اسی کو خدا نے فرمایا یا
ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین ۔ ما کان لاھل المدینۃ ومن
حولھم من الاعراب ان یتخلفوا عن رسول اللہ ولا یرغبوا بانفسھم عن نفسہ
مومنو! اللہ سے ڈرتے رہو اور صادقوں کی صحبت اختیار کرو۔ (یعنی سچے مرشدوں کی) اہل مدینہ
گرد و نواح کے اعراب کو مناسب نہ تھا کہ رسول اللہ کی ہمراہی سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ
اپنی جانوں کو رسول اللہ کی جان سے زیادہ چاہیں (توبۃ ۱۵) ہر نبی رشد و رسالتمآب
صلی اللہ علیہ وسلم مرشد کی خدمت ہے اس لئے مجازاً او تبعاً للرسول مرشد مستحق ہے اس
محبت کا جو ہادی ہونے کی حیثیت سے اس کے ساتھ ہونی لازم ہے کہ مسترشد
کے لئے انکی جان سے زیادہ۔ جب تو حسب ہدایت مرشد اصلاح نفس اور تزکیہ نفس سلوک یا ریاضت
انجام پاسکیگا۔ اسی لئے صحبت مرشد کی تاکید کے ساتھ خدا و رسول کی محبت کو خدا نے بتایا تاکہ
سمجھ سکو ویسے ہی بہ تبع رسول مرشد کی محبت ہے کیونکہ مرشد جب رسول کی خدمت انجام دیتا ہے
تو وہ رسول کا ظل اور مجازاً وہ رسول کی جگہ کانبیاء بنی اسرائیل ہے۔

باوجود اس درجہ کی محبت اور کامل درجہ کی اطاعت کے یاد رکھو کہ وسیلہ وسیلہ ہی رہنا چاہیے
مقصود نہ بن جائے ورنہ وسیلہ بھی کھو جائے گا اور مقصود بھی۔ جو مقصود کا دامن دھرے ہوتا ہے سیدھی
ہی پاتا ہے۔ ومن یعتصم باللہ فقد ھدی الی صراط مستقیم (آل عمران ۱۰۱) مرشد کا
کام راہ بتانا ہے اور منزل تک پہونچانے والا خدا ہی ہے۔ خدا ہی کفار اسی میں تو مارے پڑے
کہ وسیلہ ہی کو مقصود بنالیا تو تحصیل حاصل تھی ایسے مقصود کا ملنا نہ ملنا دونوں برابر۔ ان کا مقصود
بھی تو تقرب کا خواستگار اور عذاب خداوندی سے خائف ہے اولئک الذین یدعون یبتغون
الی ربھم الوسیلۃ ایھم اقرب ویرجون رحمتہ ویخافون عذابہ جن کو انھوں نے

مقصود بنا لیا ہے وہ خود خدا تک وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں کہ کونسا قریب تر وسیلہ ملے اور وہ خود اُس کی رحمت کے خواستگار اور اُس کے عذاب سے خائف ہیں (بنی اسرائیل) وسیلہ بناؤ مگر کافروں جیسا نہیں ورنہ مارے پڑو گے صحابہ جیسا بناؤ کہ یہ مسا قدروا اللہ حق قدرہ ط (جو قدر خدا کی کرنی چاہیے تھی۔ انہوں نے نہ کی (انعام ۱۱) کے مورد نہ بنو اور یدعون من دون اللہ (ماسوے اللہ کو پکارتے ہیں (نحل ۲) کے جیل میں پڑے اور شرک معنوی کے خاردار زنجیر سے پا بزنجیر نہ ہوئے انکی رفتار صراط مستقیم پر ہی اور بے کھٹکے مراد تک پہنچے (اولٰئک ھم المؤمنون حقا) کھینا ہوشیار تجاوز عن الحد سے گڑھے میں نہ گرنا۔ خدا نے چونکا دیا ومن الناس من یتخذ من دون اللہ انداداً یحبونھم کحب اللہ ط والذین اٰمنوا اشد حبا للہ بعض آدمی ماسوے اللہ کے ساتھ ایسی محبت رکھتے ہیں جو محبت خدا کے ساتھ رکھنی چاہیے تھی اور ایمان والوں کی محبت تو خدا سے شدید ہوتی ہے (بقرہ ۲۰) مومنو! تم خدا کو چھوڑ کر ماسوے اللہ سے ایسی محبت نہ کرنے لگ جانا اور یہ نہ سمجھنے لگنا کہ فنا فی الشیخ ماسوے کی محبت نہیں ہے کیونکہ شیخ خدا نہیں ہوتا من دون اللہ میں وہ بھی داخل ہے ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ ط وان یسلبھم الذباب شیئا لا یستنقذوہ منہ ضعف الطالب والمطلوب جو خدا کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں تو اُن کا حال تو یہ ہے کہ اگر وہ سب کے سب بھی جمع ہوں تو ایک مکھی نہیں بنا سکتے! اور اگر مکھی کچھ اُن سے لے بھاگے تو وہ اُس سے چھین نہیں سکتے۔ طالب و مطلوب دونوں بے بس ہیں (حج ۱۰) اگر شیطان تم سے یہ کہے کہ پیر پرستی تو تقرباً الی اللہ کی جاتی ہے تو ہوشیار اُسکے دھوکے میں نہ آنا۔ خدا نے اس کو بھی جائز نہیں کہا۔ یہی تو کافروں کا خیال تھا وہ بھی تو بتوں کی خالقیت کے قائل نہ تھے۔ قل لمن الارض ومن فیھا ان کنتم تعلمون ط سیقولون للہ ط قل افلا تذکرون ط قل من رب السمٰوٰت السبع ورب العرش العظیم ط سیقولون اللہ ط قل افلا تتقون ط قل من بیدہ ملکوت کل شیء وھو یجیر ولا یجار علیہ ان کنتم تعلمون ط سیقولون اللہ ط قل فانی تسحرون ط اے محمد پوچھو تو سہی کہ زمین اور جو اُس میں ہیں کس کی ہے اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ وہ جواب دیں گے کہ سب اللہ کا ہے تو اُن سے کہو کہ کیا تم غور نہیں کرتے! ان

پوچھو کہ ساتوں آسمان اور عظیم الشان عرش کا مالک کون ہے۔ وہ جواب دیں گے کہ
سب کچھ اللہ کا ہے تو اُن سے کہو کہ پھر کیا تم ڈرتے نہیں۔ اُن سے پوچھو کہ وہ کون ہے
جس کے ہاتھ میں سب چیز کی حکومت ہے۔ اور وہ پناہ دیتا ہے۔ اور اُسکے مقابلہ میں
کسی کو پناہ نہیں۔ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ۔ وہ کہیں گے کہ یہ سب صفتیں اللہ کی ہیں تو اُنسے
کہو کہ پھر تم پر کہاں سے جادو پڑ جاتا ہے (مومنون ع۵) خدا کے اور اُسکی خدائی کے
تو وہ بھی قائل تھے مگر بتوں کی پرستش کرتے تھے تو وہ بھی تقربًا الی اللہ ہی کرتے تھے۔
والذین اتخذوا من دونہ اولیاء ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی
جن لوگوں نے ماسوائے اللہ کو دوست رکھا تو وہ یہی کہتے ہیں کہ ہم تو انکی تقربًا الی اللہ
ہی پرستش کرتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا کے نزدیک کر دیں (زمر ع۱) وہ سمجھتے ہیں کہ خدا کے
یہاں یہ ہمارے شفیع ہوں گے۔
ھولاء شفعاءنا عند اللہ (یونس ع۱) یاد رکھو ماسوائے اللہ کو دوست بنانا اور اُن سے
محبت کرنی یا صفات باری کی سی کوئی صفت کسی میں تسلیم کرنی عبادت غیر اللہ اور شرک
ہے کھلا کھلا شرک خفی۔ اکثر اس وہم و گمان کے پیچھے پڑ لیتے ہیں کہ خدا نے فلاں فلاں اختیارات
فلاں کو دے رکھے ہیں تو سارے اختیارات جو کسی میں پائے جاتے ہیں کافروں اور
مشرکوں کے اختیارات بھی یہ سب تو خدا ہی کے دیے پائے جاتے ہیں اگر کسی کو خاص
خدائی اختیارات میں سے کوئی حصہ ملا ہے۔ تو اس کا کوئی خدائی پروانہ تو نہیں دکھایا جا سکتا
یہ اُن کے اوہام ہیں۔ وما یتبع اکثرھم الا ظنا ان الظن لا یغنی من الحق
شیئا اکثر وہم و گمان کے پیچھے ہو لیتے ہیں اور گمان حق سے بے نیاز نہیں کر سکتا۔
(یونس ع۴) اے لوگو! الا للہ الدین الخالص ہوشیار اللہ کے لئے دین خالص
ہے۔ فاعبد اللہ مخلصا لہ الدین عبادت کرو اللہ کی اسی کے لئے دین کو خالص
بناکر (زمر ع۱) یعنی خدا ہی کے ہو رہو خدا ہی کے الیس اللہ بکاف عبدہ کیا خدا
بندے کو خدا کافی نہیں (زمر ع۴)
آخر میں اتنا کہہ دینا ضرور ہے ویل لکل افاک اثیم یسمع ایت اللہ تتلی علیہ ثم یصر
مستکبرا کان لم یسمعھا کان فی اذنیہ وقرا فبشرھم بعذاب الیم خرابی ہے
ہر جھوٹے گنہگار کی کہ خدا کی آیتیں جو اس کو سنائی جاتی ہیں اس کو سنتا ہے پھر بھی مغرور بنا

ایسا اڑا ہوتا ہے گویا آیتوں کو سنا ہی نہیں۔ تو اُس کو عذاب دردناک کی بشارت سنا دو (جاثیہ ع۱)

پیری و مُریدی

پیری مریدی کا لفظ قرآن مجید میں نہیں ہے۔ اس لئے پیری و مریدی جو مفہوم القوم ہے وہ علی بینہ ربہ نہیں ہے۔ یہ حدود قرآنی سے باہر ہے اور اسی لئے داخل فی الدین نہیں یا اگر مرشد ہی کو پیر کہو تو اصطلاح میں بحث نہیں کر سکتے ہیں۔ مگر ایسا نہیں کہا جاتا! اور ایسا نہیں سمجھا جاتا جس سے رشد و ارشاد حاصل کیا وہ مرشد اور جس سے بیعت کی۔ وہ پیر اور قرآن سے اسکی سند لی جاتی ہے کہ بیعت قرآن مجید میں ہے۔ تو جس سے بیعت کی وہ پیر ہے اور اس طرح پیری مریدی احاطۂ قرآنی کے اندر ہے۔

لفظ بیعت تو قرآن مجید میں ہے تو اس سے رسمی بیعت ثابت نہیں ہوتی حقیقی بیعت جو قرآن مجید سے ثابت ہوتی ہے اُسے میں اسکے بعد کی سرخی میں بیان کروں گا۔ یہاں میں بیان کرتا ہے۔ رسمی بیعت کو کہ وہ ہے کیا۔ آیا خدا کی بتائی ہوئی ہے یا رسم گھڑی کی ہوئی ہے۔

چار ارکان ادا ہونے سے رسمی بیعت پیری و مریدی کی ادا ہوتی ہے ع۱ تلقین ع۲ ہاتھ پہ ہاتھ مارنا ع۳ مقراض رانی ع۴ طاقیہ یعنی کلاہ پوشانی۔ طریقہ نقشبندیہ نے اول دو نمبر پر اکتفا کیا ہے اور قادریہ چشتیہ۔ سہروردیہ۔ فردوسیہ۔ وغیرہ میں مقراض رانی اور کلاہ پوشانی ضرور ہے۔

یہ چار شرائط والی بیعت اپنے کو پیر کے ہاتھ بیچ دینا ہے۔ تو جو ایک دفعہ بک چکا وہ رہا کیا۔ جو پھر بکے اس لئے یہ بیعت جس کو بیعت انتساب کہہ سکتے ہو ایک ہی بار ہو سکتی ہے مکرر نہیں ہو سکتی یہی بیعت انتساب ہے کہ پیر سے نسبت قایم کی جاتی ہے اہل نسبت کا کمال ہو جانا فنافی الشیخ کے لقب سے مشہور ہے انتساب کے معنی حصول مشاکلت و مشابہت و تناسب و نسبت ہے۔ رسمی بیعت کے مسائل نے اپنی فقہ بھی الگ سے قایم کی ہے مثلاً کن کن صورتوں میں تجدید بیعت ضرور جائز ہے مکروہ ہے یا ناجائز ہے۔ نابالغ کی بیعت جائز ہے یا نہیں۔ اور نکاح کی طرح بعد بلوغ وہ فسخ بھی کر سکتا ہے یا نہیں۔ نابالغ کے عوض اس کا ولی مرید ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر بعد بیعت یہ ثابت ہو کہ ہر چند پیر تبع شریعت ہے۔ مگر اس کا سلسلہ اجازت صحیح نہیں تو اس کو تجدید بیعت کرنی چاہیے یا نہیں۔ اگر کسی

وفات پائے ہوئے اولیاء اللہ سے خواب میں بیعت ہو جائے تو یہ بیعت صحیح ہے یا نہیں
اگر کسی نے کسی پیر سے مرید ہونے کا قصد ظاہر کیا مگر قبل اس کے وہ تو بعد مر گئے کبھی
پیر اُس کو اپنے مریدوں میں داخل کر سکتا ہے یا نہیں۔ اس میں مباحث اختلاف اور فتوے
ہیں۔ پیر بیعت ایک ہی ہوتا ہے۔ بے اجازت پیر کے وہ دوسری جگہ رجوع نہیں کر سکتا اگر
ایسا کرے اور دوسری جگہ طلب حق کی نیت سے مرید ہو تو اس کو کچھ نفع نہ ہوگا بلکہ وہ مردود
طریقت سمجھا جائے گا۔ اسیطرح بچپنے میں مرید کر لینا خرقہ پہنا دینا خلافت دیدینی کہ دوسرے کی
بیعت بھی وہ لیا کرے جائز ہے کیونکہ ؎

دست پیر از غائباں کوتاہ نیست
دست او جز قبضۂ اللہ نیست

ان سارے مسئلوں کو اور ان ساری باتوں کو قرآن مجید سے کوئی واسطہ نہیں کیونکہ
یہ علم قرآن مجید میں نہیں یہ علم سینہ بسینہ ہے اس لئے یہ چار ارکان والی بیعت جس کو رسمی
پیری مریدی کہئے علی ہیئہ رسک نہیں ہے تو خدا کی راہ جس کی خدا ہی حمایت اور تصدیق
نہ کرے وہ دین اللہ میں داخل نہیں ہو سکتی اور نہ وہ خدائی اصطلاح سے صراط مستقیم کہی جا سکتی
ہے اور صراط اللہ یعنی صراط مستقیم جو خدا کی قریب راہ ہے۔ وہ خدا نے بتا دی ہے۔ اگر
قرآن مجید میں خدا ہی کی راہ کی تعلیم ہو اور وہ خدا تک موصل نہ ہو تو اُس سے فسانۂ عجائب بہتر
جو موصل الی اللہ ہو۔ اس رسمی بیعت کی نسبت جو قرون اولی و ثانیہ کے اکابر اولیاء اللہ سے
کی گئی ہے اُس کو میں موضوعی حدیثوں کی طرح سے سمجھتا ہوں اور یقین کرتا ہوں کہ وہ مرشد
ہی کو پیر کہتے تھے اگر کسی نے کہا اور وہ رشد و ارشاد اور صحبت و معیت اولیاء اللہ کے
خواستگار تھے اور یہ رسومات رفتہ رفتہ رسمی پیروں کے ہاتھوں سنۃ اللہ کے مطابق
رفتہ رفتہ اندازِ طالبین ہوئے۔

رسمی بیعت نے اور بہتیرے شاخسانے کھڑے کئے کہیں برزخ کی مشاقی ہے کہیں برزخ
کی مشاقی ہے۔ برزخ تو یہ کہ پیر کی صورت کو قلب میں خیال کرتے رہنا جم جانے کے بعد
ہر جگہ پیر ہی نظر آتا ہے۔ اس میں کرشمے تو نظر آتے ہیں اور بظاہر کسی قدر یہ فائدہ بخش ہی معلوم
ہوتا ہے مگر حقیقت میں یہ رکاوٹ ہوتا ہے اور خطرناک بھی ہے چند دنوں اس کو بھی کیا بلکہ
اپنے برزخ کی بھی مشاقی کر کے دیکھا نتیجہ واحد پایا یعنی نہ یہ خدائی راہ ہے نہ اس سے
خدا ملتا ہے۔ یہ ماسوائے اللہ کی مشغولی خدا سے دور کرنے والی ہے اور نری بت پرستی

برزخ کیا ہے کہ اپنے ہر ہر عضو کو پیر کے عضو میں فنا کرنا۔ یہاں تک کہ اپنی صورت پیر کی صورت
ہو جائے ایسا ہونے سے پیر کا مقام اپنا مقام ہو جائے گا وہ خدا تک پہونچا ہوا ہے تو ہم بھی
خدا تک پہونچے ہوئے ہو جائیں گے لیکن ان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔
وہم و گمان حق سے بے نیاز نہیں کر سکتے۔ خدائے بے صورت صورت کی راہ سے نہیں ملتا
صورت تو خدائی راہ کی راہزن اور حجت ہے صورت کو توڑو اور بے صورت میں فنا ہو جاؤ۔
صورت برزخ کا میدان طے کر سکتی ہے مگر روحانیات کا میدان نہیں جیت سکتی۔

رسمی بیعت نے طرح طرح کی رنگ آمیزیاں کیں اور طریقے نکالے۔ ایک رنگ اس کا تو
بالکل ہندؤں کے گرو اور چیلے کے مشابہ ہے جس طرح گرو اپنے چیلوں کا اک گونہ خدا ہوتا
ویسا ہی پیر مریدوں کا جس طرح ہندؤں میں گرو اور دیوتاؤں کی صورتوں کا دھیان کیا جاتا
ویسا ہی بعض طریقہ میں پیر کی برزخ کا مختلف طریقے اور مختلف رنگ ہیں۔ اس کی تفصیل لطائف
اشرفی میں دیکھو۔ المختصر بت پرستی ہندؤں میں تھی تو اس کی جگہ پیر پرستی مسلمانوں میں قایم ہوئی
حالانکہ خدائے وحدہ کے سوا کوئی پرستش کئے جانے کا مستحق ہی نہیں۔ خدا کے لئے خدا
ہی کی پرستش ہو سکتی ہے۔ خدا پرستی سے خدا ملتا ہے تو پیر پرستی سے پیر ملے گا۔ اور یہ
تحصیل حاصل ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی کہاں رسول پرستی کی جو اس کی
جگہ پیر پرستی قایم کی جائے۔ وہ تو مسلمان حنیف تھے۔ ونحن لہ مسلمون۔ ہم تو خدا ہی
کے لئے مسلمان ہوئے ہیں انکا نعرہ تھا پرستش ماسوا اور اسلام اللہ۔ کیفیات میں
بھی تفرقہ پڑ گیا۔ ہندؤں میں جس طرح گرو اور دیوتاؤں میں فانی ہو کر فنا حاصل کی جاتی ہے
اسی طرح مسلمانوں میں اس کی جگہ فنا فی الشیخ اور فنا فی الرسول ہو کر فنا حاصل کی جاتی ہے
اور اوعا اس کا کہ ماسوے اللہ میں فنا ہونے سے فنا فی اللہ کا مقام حاصل ہوتا ہے شروع
سے تو کلمہ پڑھا گیا۔ لا الہ الا اللہ تو اب خدا کے سوا فنا ہونے کے لئے رہا کیا اس سے
بڑھکر مقصود تر اور محبوب تر بھی کون جس میں فنا حاصل کرنیکی ہدایت ہوتی ہے اور طالبین خدا کو۔
مجاہدہ و ریاضت نے بھی رہبان جوگیوں کی روش اختیار کر لی جس گھاٹ یہ اترے
قریب قریب اسی گھاٹ مسلمانوں کی کشتی بھی جا لگی۔ نوبت بہ اینجا رسید کہ رند مشرب کامل تر
بنے۔ ان کے یہاں جوگیوں اور سادہوؤں سے بھی فیض حاصل کیا جاتا ہے اور خدا رسی
مطلوب ہوتی ہے معلوم نہیں ان حضرات نے فیض اور خدا رسی سمجھا کس کو ہے اسے اللہ

ان عقائد کا مصنف کون ہے جس کی باتیں سکہ رائج الوقت کی طرح رائج ہو گئیں۔ اور اسلامی
تصوف یا صراط اللہ کھوئی گئی۔ خدا اور رسول اور قرآن سے نسبت ٹوٹ گئی۔ خدائی راہ اور
خدائی ہدایت چھوڑ کر انسانی تصنیفوں اور منقولوں پر راہ قائم کی گئی ہے۔ ریلوے ٹرین
ڈال دی گئی سمندر میں یا کشتی چلائی جانے لگی خشکی میں ایسے خطرات کے تھپیڑوں میں
نامرادی کے سوا کچھ ہاتھ آنا ناممکن ہے۔ جاہل۔ ظاہر پرست۔ طالب دنیا۔ دین فروش
پیٹ کے دکھیارے۔ نمود کے خواہاں اور شہرت طلب پیروں نے دو سے لطیفے
شاعری افسانے خطوط۔ خواب و خیال۔ وہمی گھوڑ دوڑ اور اندھی عقیدت پر تصوف کی
بنا قائم کی تو تصوف عجائب پرستی طلسم کشائی اور بھول بھلیاں ہو کر رہ گیا۔

قرون اولیٰ کی بیعت تو فی الحقیقت وہ حقیقی بیعت تھی جس کی قرآن مجید میں تعلیم کی گئی ہے
اور جسے میں بیان کروں گا۔ قرون وسطیٰ کا بھی یہی رنگ رہا مگر آخر آخر اصول فطرت کے
مطابق جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے فطال علیہم الامد فقست قلوبہم امتداد زمانہ
ان کے قلوب سخت ہو گئے (حدید ۲) ان میں تغیر آیا تو خدا طلبی رہ گئی۔ خال خال
لوگوں میں اور اکثر کیف و حال سے بحث ہونے لگی۔ عالم واقعات کے واقعے اور انکشافات
تحریر میں آئے تو توحید وجودی اور توحید شہودی کے جھگڑے اٹھے اور ان کے کیفیات
چوگان بازی کے گیند نے رفتہ رفتہ لوگ طالب کیف و حال ہونے لگے۔ کوئی کاسب بنا
کوئی عاشق بنا۔ کوئی کوتوال شہر کہلایا۔ کوئی ابدال۔ کوئی قطب کہلایا کوئی غوث۔ کوتوالی سے
لے کر وزارت تک کا محکمہ قائم کیا گیا اور بیشہ رہے یہ کہ فلاں بزرگ نے لکھا ہے و اعلیکہ
تھوڑے ہی دنوں بعد تو کتنی حدیثیں موضوعی بنیں اور محققوں کے نزدیک کتنی کتابیں بزرگوں کے
نام سے شائع کی گئیں۔ آج کتنے تذکرے بے بنیاد چھپ رہے ہیں جو ایک دن یہی قرآن
کی جگہ لے لیں گے۔ عقیدت کے سلائیاں تحقیق کی آنکھوں کو اندھی کر دیتی ہیں۔ غرض قرآن
سے غرض نہ رہی تو بجائے خدا طلبی کے کوئی فنا و بقا کا طالب ہوا۔ کوئی انوار و تجلیات کا متمنا،
کوئی تماشہ بینی کا شائق ہوا کوئی کشف کرامات کا گاہک۔ خدا کی راہ تنگ ہونے لگی طلب حق
کھوئی گئی۔ بدراہ ہوئی۔ تلاش حق کی جگہ تلاش کیفیات نے لے لی۔ رفتہ رفتہ پیشہ گوئی کشف
و کرامات۔ حال و قال۔ رقص مستانہ۔ شجرہ خوانی اور تذکرہ بزرگان دین ریاضت ٹھہری۔
اس لئے وہ چیدہ چیدہ حضرات جو اس جال کے جنجال میں نہ پھنسے مراد تک پہونچے باقی

بدنام کنندہ نکونامے چند۔ اسی اصول کے مطابق جو رہبانوں کی شان میں خدا نے فرمایا فاتینا الذین آمنو منہم اجرہم وکثیر منہم فاسقون ۵ اُن میں جو ایمان والے تھے انکو تو ہم نے اجر دیا مگر اکثر اُن میں فاسق ہیں۔

پیری و مریدی تو اس لئے قایم ہوئی کہ جس کا کوئی پیر نہیں اُس کا پیر شیطان ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ کس آیت یا کس حدیث مرفوع کا ترجمہ ہے جو دین میں داخل کیا گیا اور سارے احکام خدا و نبی پر مقدم سمجھا گیا ہے۔ اگر پیری مریدی اس لئے قایم ہوئی کہ پیر قیامت کے دن گناہ کا بوجھ اُٹھا لیگا تو یہ حاشا ہونے کا نہیں لا تزر وازرۃ وزر اخری کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائیگا (انعام ع۲۰) اگر یہ اس لئے قایم ہوئی کہ ھولاء شفعاءنا عند اللہ (یونس ع۲) پیر قیامت کے دن شفاعت کریں گے تو من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ کون ہے جو خدا کے حضور میں بے اذن خدا سفارش کرے (بقرہ ع۳۴) جب اذن کا حال معلوم نہیں تو اُن کے سفارشی ہونے کی دلیل کیا ہے شفاعت تو پیچھے ہے کیا معلوم کہ وہ خود محتاج شفاعت نہیں بخشایش ہی کا کیا ٹھکانا کسی کی عقیدت مندی تو جب بخشایش نہیں ہو بخشایش کی کوئی پروا نہیں ملا ہے۔ عشرہ مبشرہ کی تعداد بڑھنے والی نہیں۔ اُس بارگاہ بے نیازی اتنا بلند ہے جسے کوئی ناپ نہیں سکتا۔ دلوں کا دانائے حال حساب لیگا تو معلوم کیا ہے کہ کونسا پلڑا جھکے کس کی نجات ہو کس کی نہیں۔ یہ تو صرف اس کے فضل و رحمت پر موقوف ہے کسی کو کیا معلوم ان الذین تدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون خدا کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ کچھ نہیں بنا سکتے۔ وہ تو خود بنائے ہوئے ہیں۔ مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں یہ بھی نہیں جانتے کہ کہاں اُٹھائے جائیں گے (نحل ع۲) اور اگر یہ پیری مریدی اس لئے قائم ہوئی ہے کہ توجہ پیر کی طرف مجبور کرکے کوئی اثر پیدا کیا جائے کہ جس کو بچھو وہ کر پڑے اُسکے قلب سے زہر منتقل کردو وہ گرما جائے اور حرارت محسوس کرے کیونکہ کسی طرف متوجہ ہونے سے ایسے اثرات پیدا ہوتے ہی ہیں تو مسمریزم یا جوگ یا کسی ریاضت سے کسی اعجوبہ اثر کا یا کسی کرامت کا حاصل ہو جانا خدائی راہ نہیں تصوف نہیں فقر نہیں۔ آجکل یورپ میں اس کے تماشے بھی طرح طرح کے ہیں تو اس سے یوروپین ولی اللہ صوفی نہو جائیں گے۔ اے قوم وما من الہ الا الہ واحد خدائے واحد کے سوا اور کوئی معبود نہیں (مائدہ ع۱۰)۔

اے حضرات صوفیہ! ارشاد ربانی جسے میں بیان کر چکا اور بیعت ربانی جسے قرآن مجید سے
میں اب بیان کرنا چاہتا ہوں ان میں تو کلام نہیں مگر رسمی پیری مریدی کی سند تو قرآن مجید میں
نہیں ہے۔ اور آپ کے تقدس اور تشخص کے چلپیٹ سے حق گویوں کی زبان بھی بند ہے۔
میں کچھ ہوا و ہوس سے نہیں کہتا۔ میں للہ ہوش دلاتا ہوں۔ امید ہے کہ میری باتیں آپ کو
بری نہ لگیں گی۔ گو حق بات تلخ ہوتی ہے۔ اور یقین ہے کہ آپ خدا سے ڈریں گے اور اس کے
حضور میں اپنا محاسبہ کریں گے۔ اور تفکر کو کام فرمائیں گے۔ پھر جو حق ظاہر ہوگا۔ اس کے آگے
گردن جھکائیں گے۔ میری باتوں کو حق پر تولیں گے جو حق معلوم ہوں گی تو حق کے آگے
رسوم سے تائب ہونگے۔ حق کے آگے بزرگی خانوادہ رسوم خانقاہ تشخص اور تقدس آبائی کی
زنجیروں کو توڑ کر صحابہ کی روش کو پسند فرمائیں گے! اور خدا ہی کی تعلیم کو موصل الی المطلوب تصور
فرمائیں گے۔ ورنہ آپکا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ بیچ میں میں کون۔

اے حضرات! یہ رونے کا مقام ہے آپ میری نہ سنیں کیونکہ یہ آپ کے خلاف شان ہوگا
مگر قرآن سے تو چشم پوشی نہ کریں اور قرآن پر تو کچھ اضافہ کر کے دین میں داخل نہ کریں آپ مجھے
شوق سے برا بھلا کہیں تاکہ آپ کی گرمی بازار قایم رہے۔ گرچہ اب یہ اٹھتا بازار ہے۔ خدائی
نور کی ٹھنڈک برسنے والی ہے اور تیرہ ملوتی کا فیض چھپانے والا ہے۔ خدا کی پہلی اور
اصلی مرضی ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش عبادت میں احکام میں افعال و اقوال میں یا کسی بات میں
صراحتہً کنایتہً اشارۃً ظاہر یا پوشیدہ نہ کی جائے اس لئے میں خدا پرستی کے سوا پیر پرستی کو یا
کسی پرستش کو بھی کسی نیت سے سہی اپنے مقدور بھر ضرور رد کرونگا اور سمجھاتا ہی رہوں گا افغیر
اللہ ابغیکم الٰھا (اعراف ع۱۶) اغیر اللہ اتخذ ولیا (انعام ع۲) افغیر اللہ
ابتغی حکما (انعام ع۱۳) اغیر اللہ تدعون (انعام ع۴) افغیر اللہ تامرونی
اعبد ایھا الجاھلون (زمر ع۶) کیا ہم خدا کے سوا اور کسی کو معبود بنائیں۔ دوست
بنائیں اور حکم بنائیں۔ اور کیا تم ماسوا کو پکارتے ہو۔ اور اے جہلا چاہتے ہو کہ ہم ماسوا کی عبادت
کریں تو یہ نہیں ہونے کا۔ غیر اللہ میں سبھی داخل ہیں دیکھا ایاک نعبد و ایاک نستعین۔

رسمی پیری مریدی کی نسبت بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ مگر جب قرآن مجید
اس کی حمایت پر کھڑا نہیں ہوتا تو اس میں کون وقت ضایع کرے اتنا ہی کافی ہے کہ
اس رسمی بیعت کا قرآن مجید حامی نہیں۔

بیعت ربانی

بیعت دو قسم کی ہے بیعت ضلالت اور بیعت ہدایت۔ جو بیعت خدا کے ساتھ ہے وہ بیعت ہدایت ہے۔ اور جو بیعت ماسوا کے ساتھ ہے وہ بیعت ضلالت ہے۔

بیعت ضلالت۔ یہ منافقوں کی بیعت ہے کہ ظاہر میں تو ایمان ہو اور دل میں ایمان نہیں ہر گروہ میں سلجھانے کو تیار قالوا انا معکم وہ کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں (بقرہ ع ۲) جس کا نام آجکل بے تعصبی اور آزاد خیالی رکھا گیا ہے۔ تو یہ ماسوا کے ہاتھوں بکے ہوئے ہیں اور انھوں نے اپنے جان و دل کا تجارتی کاروبار ماسوا سے کھولا ہے اولٓئک الذین اشتروا الضللۃ بالھدیٰ فما ربحت تجارتھم وما کانوا مھتدین ہ مثلھم کمثل الذی استوقد نارا ہ فلما اضاءت ما حولہ ذھب اللہ بنورھم وترکھم فی ظلمٰت لا یبصرون ہ صم بکم عمی فھم لا یرجعون ہ یہی ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی۔ تو انکی اس تجارت نے کچھ نفع نہ دیا اور نہ انھوں نے راہ پائی۔ انکی مثال ویسی ہی ہے۔ جیسے ایک شخص نے آگ سلگائی تو جب اس کے اطراف میں روشنی ہوگئی تو اللہ نے انکی روشنی لے لی اور انکو ایسی تاریکی میں چھوڑ دیا کہ وہ دیکھ ہی نہیں سکتے بہرے گونگے اور اندھے کہ اس حال سے لوٹ ہی نہیں سکتے (بقرہ ع ۲) ماسوائی یا چونکہ خدا کے منزہ صفات عالیات میں نہیں ہے اس لئے علوی نہیں بلکہ سفلی ہے اس کے کیفیات سحر اور اسکی روشنی نور کی نہیں نار کی ہوتی ہے جس نار سے شیطان کی خلقت ہوئی کہ خلقتنی من نار۔ تو یہ روشنی موصل الی المطلوب نہیں آخرکار یہ روشنی گل ہو جاتی اور دھندلکی میں چھوڑ جاتی ہے اسی تاریکی کا نام وہ فنا رکھتے ہیں۔ لوگ اُن کو جوگی اور سادھو کہنے لگتے ہیں۔ اسی لئے سچے رہبر ناری اور نوری تجلی میں تمیز کر کے چلتے ہیں۔

بیعت ہدایت اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک باطنی جس کو بیعت شریعت اور بیعت طریقت کہہ سکتے ہیں بیعت شریعت مثلاً رضوان وغیرہ وغیرہ جو بیعت آنحضرت نے چند شرائط پر مسلمانوں سے لی تو وہ بیع و شرا نہ تھا۔ بلکہ معاہدہ تھا کیونکہ بیع و شرا اور وہ بھی چند شرائط پر اس کے کوئی معنی ہی نہیں۔ خدا نے فرمایا لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم

فتحاً قریباً و مغانم کثیرۃً تاخذونھا وکان اللہ عزیزاً حکیما ۔ بے شک خدا اُس وقت مسلمانوں سے راضی ہوا جس وقت وہ درخت کے نیچے تجھ سے معاہدہ کر رہے تھے تو اُس کے قلوب کا حال یعنی اُن کا تعلق خاطر جان کر خدا نے اُن پر تسکین اُتاری اور اُن کو فوراً ہی فتح نصیب کی اور بہت ہی غنیمتیں جو انھوں نے لیں ۔ اور اللہ عزیز و حکیم ہے (فتح ۲) یہی بیعت رضوان ہے یہ جہاد اور مر مٹنے کا معاہدہ تھا ۔ خاص وقت اور خاص شرائط کا اس میں بھی کوئی لفظ ایسا پایا نہیں جاتا جس سے چار ارکان والی بیعت کا کوئی رکن بھی پایا جاتا ہو ۔

دوسرا معاہدہ جس سے رسمی بیعت ثابت کی جاتی ہے ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ ومن اوفیٰ بما عاھد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجراً عظیما ۔ بے شک جو تم سے عہد کرتے ہیں وہ خدا سے عہد کرتے ہیں ۔ خدا کی قدرت اُنکی قدرت پر غالب ہے ۔ تو جو کوئی عہد کو توڑے گا تو اُس کا وبال اُسی پر ہوگا ۔ اور جو عہد کو پورا کرے گا تو خدا اُسے عنقریب اجر عظیم دے گا (فتح ۱) خدا عہد کو توڑنے اور پورا کرنے کو فرما رہا ہے ۔ اس لئے یہ صریح ہے کہ یہ رسمی بیعت چار ارکان والی نہ تھی بلکہ معاہدہ تھا ۔ دوسرا اگر اس آیت کا ید اللہ فوق ایدیھم ہے اس کے معنی نہیں کہ خدا کے ہمارے جیسا ہاتھ ہے اور وہ اُنکے ہاتھ ہے نہ یہ معنی نکلتے ہیں کہ لوگوں کے ہاتھ پر رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مارا تھا اور رسول کا ہاتھ خدا کا ہاتھ کہا گیا ۔ بلکہ محاورہ کے اعتبار سے ید اللہ کے معنی قدرت خدا کے ہیں ۔ خدا کا مطلب یہ ہے کہ ان کے معاہدہ کو بہ اطمینان تسلیم کر لو ۔ خدا کی قدرت اُنکی قدرت پر غالب ہے ۔ کوئی نقض معاہدہ بھی کریگا تو خدا کا کیا کرے گا ۔

منتہی الارب میں بیعۃ کے معنی عہد و پیمان کے ہیں ۔ اور مبایعۃ کے معنی با یکدیگر خرید و فروخت کرنے کے اور قرآن مجید میں انھیں دو بیعتوں کا تذکرہ ہے ان دونوں آیتوں میں یبایعونک کا صیغہ مستعمل ہوا ہے مبایعۃ سے جس کے معنی خرید و فروخت کے ہیں ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں آیتیں بیعت کی نسبت نہیں بلکہ مبایعت کی نسبت ہیں ۔ مگر میرے نزدیک جب ان دونوں کو بیعت ہی کہا جاتا ہے تو لغتاً معنی جو کچھ ہوں مگر اصطلاحاً مبایعت بھی بیعت کے معنی میں مستعمل ہے جیسا کہ اسی آیت میں

خدا نے ظاہر کر دیا نکث کے معنی عہد توڑنے کے ہیں۔ یہ بھی مبائعت کو یعنی عہد ہی ٹھہرا رہا ہے
دوسرے عاہد علیہ اللہ بھی اسی کو ظاہر کر رہا ہے کہ بیعت تھی یعنی معاہدہ۔
جب ضرورت پڑی تو حسب لحاظ موقع و وقت مسلمانوں سے عہد و پیماں لئے گئے
وہ بھی چند ہی دفعہ۔ نہ ہر مسلمان سے بیعت لینے کا حکم پایا جاتا۔ نہ ہدایت پائی جاتی نہ تاریخ
وغیرہ سے ایسا ثابت بھی ہوتا ہے۔ ہاں افسران فوج کو معاہدوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ اور وہ
بروقت ضرورت بیعت لیتے تھے۔ اسیطرح خلافت یا بادشاہت کے تسلیم کر لینے کو بھی
بیعت کہا جاتا تھا گویا بغاوت نہ کرنے کا معاہدہ تھا۔

مردوں کو معاہدہ کرتے دیکھ کر یا شاید عورتیں بھی معاہدہ کے لئے آئی ہونگی کہ شاید جہاد اور
عکیموں کی طرح ہم پر بھی فرض ہو یا جب اسلام پر مرد سر کٹانے جائیں اور اس کے معاہدے
کریں تو ہم کیوں نہ سر کٹانے جائیں اور ہم بھی ویسے ہی معاہدے کریں تاکہ خدا و رسول کے آگے سرخرو
ہوں۔ انھیں کیا خبر کہ خدا نے ہماری ذات کو حکم جہاد سے بری کر دیا ہے تو بایں لحاظ کہ وہ مایوسانہ
واپس نہ جائیں۔ خدا نے انکی دلدہی کے خیال سے فرمایا کہ جس وقت مسلمان عورتیں بیعت کیلئے آئیں تو انسے
فرمایا۔ یہ نہ فرمایا کہ ہر مسلمان عورت سے بیعت لیا کرو کہ رکن اسلام تو ہے۔ فرمایا یا ایہا النبی اذا جاءک
المؤمنات یبایعنک علی ان لا یشرکن باللہ شیئا ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن
اولادھن ولا یاتین ببہتان یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن ولا
یعصینک فی معروف فبایعھن واستغفر لھن اللہ اے نبی جب تمہارے
پاس مسلمان عورتیں آئیں کہ تم سے ان باتوں کا معاہدہ کریں کہ وہ شرک نہ کریں گی۔ چوری
نہ کریں گی۔ نہ زنا کریں گی اپنی اولاد کو مار نہ ڈالیں گی اور نہ جان بوجھ کر کوئی بہتان بنا کھڑا
کریں گی۔ اور نہ کسی نیک کام میں تمہاری نافرمانی کریں گی تو ان سے معاہدہ کر لو۔ اور
ان کے لئے اللہ سے طلب مغفرت کرو (ممتحنہ ع۲) یہ بھی معاہدہ ہی تھا۔

ان معاہدوں سے رسمی بیعت کا پتہ نہیں چلتا۔ آج بھی اگر کوئی چاہے کہ کسی بزرگ سے
کسی دوست سے یا جماعت قائم کرکے آپس میں یا اکیلے ہی صرف خدا کے حضور میں یہ عہد و پیماں
کرے کہ ہم میں فلاں فلاں گناہ بہت شائع ہیں۔ اب سے یہ کبھی نہ کرینگے۔ اور اس سے
ہزار توبہ ہے تو ضرور وہ توبہ موجب حسنات ہوگی۔ اصلاح حال کے لئے مفید اور اصلاح ملک
کے لئے مفید تر ایسے معاہدوں کو بیعت شرعیت اور موجب خیرات و برکات کہو تو صحیح ہے

توبہ میں کیسے کلام ہوسکتا ہے۔ یہ تو ساری نیکیوں کی جڑ ہے۔ اب توبہ جسے نصیب ہو۔
مثلاً فی زماننا اگر کوئی مرد کفی باللہ شہیدا پر ایمان لاکر خدا کے حضور میں خدا سے یا کسی
بندے سے یا کوئی جماعت قایم کرکے آپس میں یہ معاہدہ کرے کہ بھائیو آؤ ہم سب ملکر
خدا سے یہ معاہدہ کریں کہ اے خدا اب سے ایمان میں اطاعت میں اقوال و افعال
میں بلکہ دین اللہ میں صدق و اخلاص کے ساتھ خدا و رسول اور کلام اللہ کو اپنا نصب العین رکھیں گے
تو ہی ہمارا مقصود رہے گا۔ تیری رضا جوئی ہمارا ریاض رہے گا۔ نکاح بیوگاں یا تعداد ازدواج
یا طلاق و خلع یا تیرے کسی حکم و ہدایت کی بے وقری نہ کریں گے اور بدعات و رسومات جتنے دین میں
داخل کر دیے گئے ہیں انکو تیرے نام کے ساتھ منسوب کر کے تجھ پر افترا نہ باندھیں گے اور حقوق کی
ادائیگی میں اب سے غافل اور بے پرواہ نہ ہونگے۔ دروغ گوئی جھوٹی گواہی رشوت اور مقدمہ بازی
جو ناحق ہو ہمیشہ اجتناب کریں گے صلہ رحم نہ توڑیں گے۔ کسی کا ناحق دل نہ دکھائیں گے یتیمونکی
خبر لیں گے بے بسوں پر رحم کھائیں گے اور اپنے اور مسلمانوں کے اصلاح حال میں اور صلح
کرانے میں حتی المقدور ساعی کریں گے اور علی ہذا سارے گناہوں سے تائب ہو۔ یا اسی طرح اگر
کوئی عورت بھی کفی باللہ شہیدا پر ایمان لاکر خدا کے حضور میں خدا سے یا کسی سے یا کوئی جماعت
قایم کرکے آپس میں یہ معاہدہ کرے کہ بہنو آؤ ہم سب ملکر خدا سے یہ معاہدہ کریں کہ کسی طرح حیلۃً یا
حقیقۃً شرک نہ کرونگی۔ رسومات خلاف مذہب سے تائب ہونگی۔ خدا کے سوا کسی سے مراد نہ
مانگونگی۔ مزاروں پر مزار خواہ ہو کر چلہ نہ باندھونگی۔ دینے والا ہمارا خدا کیا کم ہے۔ اور نہ رسومات
خلاف فعل رسول کی تقلید کروں گی نہ کسی بہن کے دوسرے نکاح کو حقیر جانوں گی نہ کسی پر
افترا باندھوں گی نہ کوسنے گالیاں دوں گی نہ بد زبانیاں کرونگی نہ غیبت کروں گی۔ نہ شوہر کی
دل آزاری کروں گی۔ اور علی ہذا سارے گناہوں سے جو خدا و رسول کی ناخوشی کا باعث ہیں
تائب ہوتی ہوں اور اے بہنو تم سب بھی اس توبہ میں شریک رہو اور سب ملکے ہمت کرو کہ
خدا و رسول کو راضی کرکے اپنا حال درست کرتے جائیں۔ تو یہ معاہدے ہوں گے حسب اقتضائے
وقت اور حسب اقتضائے ضرورت۔ اور یہی بیعت شریعت ہے۔ موجب حسنات و برکات
بیعت شریعت یا یہ معاہدے گو خدا ہی کے ساتھ اور خدا ہی سے ہوتے ہیں۔
بیعت شریعت کی دوسری مثال جو انسان سے ہوتی ہے۔ وہ بیعت خلافت ہے۔ یہ عہد اس کا
ہے کہ ہم خلیفہ یا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں یعنی اس کے قانون کی خلاف ورزی نہ کریں گے

دیکھو برگزیدہ سے برگزیدہ صحابی یہ رسمی بیعت کہاں لیا کرتے تھے۔ خود بدولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی سوائے چند دفعہ کے معاہدات کے اور بیعت کہاں لیا کرتے تھے۔ ہاں افسرانِ فوج بیعت لیتے معاہدے کرتے اور خلافت تسلیم کراتے تھے۔ یہی بیعت خلافت بیعت بادشاہت بنی تو یزید نے بادشاہت تسلیم کرائی۔ یزید کے ہاتھ پر صحابہ نے بیعت کی۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ یزید کے ہاتھ پر صحابیوں نے ہاتھ مارا۔ اور یزید جلیل القدر صحابیوں کا پیر ہوگیا۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ مجبور و اکراہ انھوں نے یزید کی بادشاہت کو تسلیم کرلیا اور مسلمانوں کے خون خرابے سے محترز رہے۔ وہ یزید کے ہاتھ میں مردہ بدست غسال ہوگئے تھے۔ بلکہ انھوں نے محض جبر سے یزید کی سلطنت کو قبول کرلیا تھا۔ حضرت سید الشہدا امامنا و جدنا حضرت امام حسین علیہ السلام سے یزید نے بیعت کی فرمائش کی تھی اس کے معنی یہی تھے کہ وہ اپنے کو بادشاہ تسلیم کرانا چاہتا تھا۔ حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر کوفہ والوں نے بیعت کی تھی۔ تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ مرید ہوئے تھے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت امام کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا تھا۔

غرض ایسے سارے معاہدے جو بادشاہت کو تسلیم کراتے اور وہ معاہدے حسب اقتضائے ضرورت ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں۔ ان کو دین سے تعلق نہیں لیکن ایسے معاہدے جو نواہی کے اجتناب اور اوامر کی اطاعت کے لئے ہمت کرتے ہوں وہ بیعت شریعت ہے جو جائز ہے موجب حسنات ہے مگر لازمی نہیں۔

بیعت طریقت۔ ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسہم و اموالہم بان لہم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون وعدا علیہ حقا فی التورٰۃ والانجیل والقرآن ومن اوفیٰ بعہدہ من اللہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ وذٰلک ہو الفوز العظیم ۰ التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف والناہون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ وبشر المؤمنین ۰ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور انکے اموال اس وعدہ پر خرید لئے ہیں کہ ان کے بدلے انکو جنت (وصال گاہ) عنایت کرے یہ خدا کی راہ میں مقاتلہ کرتے ہیں (مجاہدہ و جہاد میں) تو مارتے بھی ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں۔ انکے ساتھ خدا کا وعدہ پکا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اس نے اپنے اوپر

لازم کرلیا ہے۔ یہی وعدہ توریت و انجیل و قرآن سب میں ہے اور خدا سے بڑھ کر اپنے
قول کا پورا اور پکا کون ہو سکتا ہے تو مومنو اپنے اس سودے کی جو خدا کے ساتھ
کیا ہے۔ خوشیاں مناؤ کہ اس معاملہ میں تمہاری بڑی کامیابی ہے (ایسی بیعت کرنے والے
کاملین کی صفتیں یہ ہیں) توبہ کرنے والے۔ عبادت گزار۔ حمد و ثنا کرنے والے بے تعلق
رہنے والے۔ رکوع کرنے والے۔ سجدہ کرنے والے۔ بھلے کاموں کی ہدایت کرنے والے
بُرے کاموں سے منع کرنے والے۔ اور حدود اللہ کے محافظ تو اے پیغمبر ایسے ایمان والوں
کو بشارت دو (توبہ ۱۲۳) یہ بیعت خدا کے ساتھ معاملہ بیع و شرا ہے۔ کہ جان و مال کے عوض
جنت و صال گاہ کی خریداری ہے تو یہ خدا کی راہ میں جان بازی کرتے ہیں۔ اور مجاہدہ
و جہاد میں جان و مال پر کھیل جاتے ہیں۔ تو مارتے بھی ہیں۔ اور مارے بھی جاتے ہیں۔
اور دونوں حال میں ان کے لئے بشارت ہے فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ
بیعت طریقت ہے۔ یہ بیعت آپ حاصل ہوتی ہے۔ کرنے سے نہیں ہوتی اور الاکثر حاصل
ہوتی ہے۔ بوسیلہ ہی۔ بوسیلہ امام و مرشد۔ رشد و ارشاد حاصل کرنا عملاً بیعت شرعی یا معاہدہ
ہے کہ ہم خلاف حکم نہ چلیں گے اور مراتب رشد ادا کرتے رہیں گے۔ یہی رشد کامل ہو کر خدا کے
ساتھ بیعت ہو جاتی ہے۔ جو حقیقی بیعت ہے جس کو میں نے بیعت ربانی کہا ہے اور اس کا
سلسلہ بذریعہ رشد یوں ہے کہ وسیلہ ڈھونڈھ کر اور مرشد کو پا کر مجاہدہ میں قدم ڈالا تو مرشد
امراض باطنی کا علاج کرے گا جس کا بیان آگے آتا ہے صحت یابی کی دلیل یہ ہے کہ
طلب صادق آتی ہے یہی طلب اخلاص کا تا دکھاتی ہوئی۔ مودت محبت خلت ہو کر عشق و محبت
ہو جاتی ہے۔ محبت کے مقام میں بیعت باللہ حاصل ہوتی ہے۔

یا ایہا الذین آمنو ھل ادلکم علیٰ تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم ۝ مومنو کیا
میں تمہیں ایسی تجارت کی طرف متوجہ نہ کروں جس سے تم دردناک مصیبتوں سے نجات
حاصل کرو (صف ۱۰) وہ یہی تجارت ہے بیع نفس اسی تجارت اور اسی بیعت میں انسان
کو دلی امن و چین۔ دونوں جہان میں حاصل ہوتا ہے۔ عذاب الیم عام ہے۔ اس کی تخصیص
نہیں کرو۔ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون ۝ بیعت یہ ہے کہ اپنے کو خدا کے
ہاتھ بیچ دے۔ یہ کسی آدمی کے ہاتھ بکو۔ خدا کے ہاتھ بکنے کے معنی یہ ہیں کہ ابتغاء
رضوان اللہ یعنی اس کی طلب رضا کے پیچھے تمہیں جان و مال یا کوئی چیز بھی اہم نہ ہو

اُس کی راہ میں مقاتلہ کرو۔ جسمی موقع آئے تو جسمی اور روحی موقع آئے تو روحی جسمی مقابلہ بمقابلہ کفار و مشرکین پیش آتا ہے۔ اور روحی مقابلہ ہوا و ہوس اور نفس و شیطان کے ساتھ ان الشیطٰن لکم عدو فاتخذوہ عدوا شیطان تمہارا دشمن ہے تو اُس سے دشمنانہ برتاؤ کرو۔ اور اُس کے ساتھ مقاتلہ پر تیار رہو (فاطر ع۱) جسمی مقاتلہ کا نام جہاد اور روحی مقاتلہ کا نام مجاہدہ ہے۔

وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ وسیلہ کا بیان ہو چکا اب مجاہدہ کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔

مجاہدہ و جہاد

جہد کے معنی کوشش کرنے کے ہیں۔ اسی سے نکلا ہے مجاہدہ بھی اور جہاد بھی تمام ہمہ تو طلب رضائے مولا میں لگانا مجاہدہ اور جہاد ہے۔ اور یہ بہت عظیم الشان عبادت ہے اپنے یا اپنے حقوق کے استحفاظ میں جو جد و جہد مطابق رضائے مولا کیا جائے اور اُس میں مقاتلہ کی نوبت آجائے تو یہ جہاد ہے۔ ورنہ مجاہدہ۔ جہاد و مجاہدہ میں عام و خاص مطلق کی نسبت ہے۔ طلب رضائے مولا میں ہر کوشش مجاہدہ ہے لیکن ہر مجاہدہ جہاد نہیں۔ مجاہدہ عام ہے۔ اور ہمیشہ اور ہر آن ہے اپنے ساتھ بھی ہے اور دوسروں کے ساتھ بھی لیکن جہاد کفار و مشرکین کے ساتھ ہے۔ اور خاص وقت میں جب وقت اُس کا ساعد ہو ادائے حقوق انسانی یعنی خدمت تبلیغ میں یا استحفاظ متبعین میں کفار آنحضرت کے مزاحم ہوئے اور جان و مال اور دین و ایمان کے دشمن۔ تو آپ اُن حقوق کے استحفاظ میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور مقابلہ و مقاتلہ کی نوبت اور ضرورت پیش آئی تو یہ جہاد ہے اپنے حقوق کی حفاظت ہم کو لازم ہے۔ اگر مجبوری مانع نہ ہو اسی طرح رضائے مولا میں جو آپ نے مصیبتیں اُٹھائیں تکلیفیں سہیں اور صبر و رضا سے اُنکا مقابلہ کیا یہ مجاہدہ ہے۔

چونکہ اسلام کا قریب قریب کوئی مسئلہ ایسا نہ رہا جو اختلافات کی آماجگاہ نہ ہو گیا ہو توحید باریتعالیٰ تک اس لئے یہ مسئلہ بھی کیوں نہ بچ جاتا۔ اس میں بھی اختلاف ہوئے علماء نے خیال کیا کہ جاھد یجاھد یا اس کے اور صیغے جو قرآن میں آئے ہیں۔ وہ متعلق جہاد ہیں صوفیوں نے خیال کیا کہ نہیں وہ متعلق مجاہدہ ہیں۔ وہ جہاد کی امیدوں میں رہے اور یہ مجاہدہ میں پڑے۔ اساتذہ صوفیوں نے قرآن مجید سے جہاد و مجاہدہ دونوں سمجھا

اور دونوں کی تعمیل کی۔ آج جو اسلام دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ وہ انہیں بزرگوں کے دم قدم سے ہے مجاہدہ کر کے نمونہ بنے اسلام کی اشاعت کی۔ اور جہاد کر کے مسلمانوں کے حقوق کی نگہداشت کی۔ جتنے بزرگانِ دین شہر بہ شہر قریہ بہ قریہ بحالت مسافرت میں مدفون ہوئے ہیں۔ اور خاک ہند میں اپنے کو سونپا۔ انہیں کون لایا یہی مجاہدہ و جہاد آئے۔ ادائے حقوق انسانی یعنی تبلیغ کی خدمت ادا کرنے تو تبلیغ بھی کی۔ اور اس میں جانیں بھی دیدیں۔ آج وہ رحمت خداوندی کی گود میں پڑے سوتے ہوں گے۔ ایک وہ تھے کہ رحمت ہو اُن پر۔ اور ایک ہم ہیں کہ افسوس ہے ہم پر۔ انہوں نے جانیں دیدیں اور ہم جان کے لئے سب دیئے ہوئے ہیں۔ جو جان خود ہی ایک نہ ایک دن بھاگ جانے والی ہے۔ یہ اپنا دکھڑا کہہ گیا۔ غرض قرآن مجید میں بہتیری جگہ جہاد کا حکم ہے۔ اور بہتیری جگہ مجاہدہ کا۔ ساری آیتیں لکھی جائیں تو طوالت ہوگی اس لئے ہر ایک کے متعلق کچھ کچھ آیتیں دیدینی مناسب ہے۔ اصولاً ابھی اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ جہاں جہاں هاجروا وجاهدوا یعنی ہجرت کے ساتھ جہد کو خدا نے فرمایا ہے۔ تمام اُس کے معنی جہاد کے ہیں۔ اور جہاں جہاں باطنی ہدایات و جذبات کے ساتھ جہد کو خدا نے فرمایا ہے۔ تمام اُس کے معنی مجاہدہ کے ہیں۔ اور بہتیری جگہ طرز کلام بتاتا ہے کہ یہ آیت جہاد کے متعلق ہے یا مجاہدہ کے۔ مثلاً۔

جہاد کے متعلق انفروا خفافا وثقالا وجاهدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل الله گھر سے نکلو ہلکے یا بوجھل اور خدا کی راہ میں مال و جان سے جہاد کرو (توبہ ع۶) ماقبل و مابعد کے سیاق عبارت کے علاوہ انفروا کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ یہ آیت صریح جہاد کے متعلق ہے۔

ع۲ یا ایها النبی جاهد الکفار والمنافقین واغلظ علیهم۔ اے رسول کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور اُن پر سختی کرو (توبہ ع۱۰) یہ صریح جہاد کا حکم ہے۔ سختی کرنے۔ انتقام لینے اور اپنے تحفظ و ترقی میں جان لڑا دینے کی قوت خلاق فطرت نے اسی لئے تو دی ہے کہ اپنے وقت پر وہ کام میں لائی جائے اس لئے یہ عین فطرت کے مطابق ہے نہ گال پیش کر دینا کہ یہ بالکل فطرت کے خلاف ہے۔

ع۳ فرح المخلفون بمقعدهم خلاف رسول الله وکرهوا ان یجاهدوا باموالهم وانفسهم جو لوگ پیچھے چھوڑ دیئے گئے وہ رسول اللہ کے خلاف بیٹھ رہنے سے خوش ہوئے اور خدا کی راہ میں مال و جان سے جہاد کرنا اُنکو برا لگا۔ (توبہ ع۱۱) یہ آیت بھی صاف

متعلق جہاد ہے۔ اس لئے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جہاد مخلصین و منافقین کی کسوٹی بھی ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کسی ملک کے ساتھ مخصوص نہیں جہاں کہیں مسلمانوں کو جہاد پیش ہو تو جان سے اور اس میں متعذر ہو تو مال سے مدد کرنا فرض ہے۔ اور جو مال و جان سے جان چرائے وہ منافق ہے۔

ع ٥ ام حسبتم ان تترکوا و لما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم ولم یتخذوا من دون اللہ ولا رسولہ ولا المومنین ولیجہ (توبہ ع ٢) کیا تمہارا گمان یہ ہے کہ تم چھوڑ دیے گئے ہو۔ حالانکہ جن لوگوں نے جہاد کیا جن لوگوں نے خدا اور رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دوست بنایا نہیں انکو تو ابھی اللہ نے ممیز کیا ہی نہیں۔ ام حسبتم ان تترکوا کا اقتضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت جہاد ہی کے متعلق ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے جہاد کرنے والے ممیز کئے جاتے ہیں۔ خدا و رسول کی محبت اور ہمدردی قومی میں اس سے واضح ہوتا ہے کہ قومی ہمدردی میں بھی جہاد ہے اسکی اور آیتیں بھی ہیں۔

مجاہدہ کے متعلق آیتیں ع ١ یا ایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملقیہ اے انسان تجکو اپنے پروردگار تک پہنچنے میں کوشش کرنی ہے۔ پوری کوشش پھر تو اس سے جا ملے گا (انشقاق) اگرچہ اس آیت میں لفظ جہد نہیں ہے۔ مگر یہ صاف مجاہدہ کی آیت ہے اس کی رحمت کے قربان کہ اس نے فملقیہ فرما کر مجاہدوں کو کیسی ہمت دلائی ہے اور اور کسی اور رویت کی بحث کرتے رہو۔ مگر مجاہدوں کی امیدیں اس آیت سے وابستہ ہیں الحمد للہ علیٰ احسانہ

ع ٢ یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون ۵ مومنو! اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور خدا کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ اور اسکی راہ میں مجاہدہ کرو۔ تاکہ تم مراد کو پہونچو (مائدہ ع ٦) اتقا اور تلاش مرشد کے ساتھ جہد کے معنی مجاہدہ ہی ٹھیک ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ صریح مجاہدہ کا حکم ہے۔

ع ٣ جاھدوا فی اللہ حق جہادہ ھو اجتبٰکم مجاہدہ کرو اللہ کی طلب میں جو مجاہدہ کا حق ہے۔ اسی نے تم کو برگزیدہ کیا (حج ع ١٠) خدا نے فی اللہ فرمایا۔ فی سبیل اللہ نفرمایا کیونکہ سبیل اللہ کے معنی تعمیل ہدایات و احکام کے ہیں۔ اور فی اللہ کے معنی طلب ذات کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے۔ اس آیت میں جہاد کے معنی مجاہدہ ہی کے ہیں۔ قبل و بعد کی آیتیں بھی اسی معنی کے موید ہیں۔ ھو اجتبٰکم بھی اسی معنی کو ظاہر کر رہا ہے کیونکہ جہاد کا نتیجہ فتح و کامیابی

یا درجہ شہادت۔ اور مجاہدہ کا نتیجہ پاکی اور برگزیدگی کا حصول ہے۔ اس لئے صریح حکم مجاہدہ ہی کے لئے ہے۔ یہ مجاہدہ کا حکم بھی اسی خدا کا ہے جس نے نماز روزہ اور حج زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ یہ ظلم ہوگا اگر ان احکام کو تو فرض سمجھو اور مجاہدہ کو فرض نہ سمجھو۔

۴۔ من کان یرجو لقاء اللّٰہ فان اجل اللّٰہ لاٰت و ھو السمیع العلیم و من جاھد فانما یجاھد لنفسہٖ ان اللّٰہ لغنی عن العلمین۔ جو خدا سے ملنے کا امیدوار ہے تو اللہ کا وعدہ تو ضرور آنے والا ہے۔ اور وہی سمیع و علیم ہے (تمہارے دل کے بول سمجھ جانتا اور سنتا ہے) اور جس نے (خدا سے ملنے کے لئے) مجاہدہ کیا تو وہ مجاہدہ کرتا ہے اپنے ہی نفس کے لئے بے شک خدا سارے عالم سے بے نیاز ہے (عنکبوت ۱) نفس کے لئے مجاہدہ کے معنی ہیں۔ تزکیہ نفس جس کو خدا نے فرمایا قد افلح من زکٰھا مراد کو پہونچا جس نے تزکیہ نفس کیا (الشمس) یعنی نفس کے لئے جہاد نہیں بلکہ مجاہدہ ہے۔

۵۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا و ان اللّٰہ لمع المحسنین جس نے میری طلب میں مجاہدہ کیا تو ہم اس کو اپنی راہ دکھائیں گے اور بے شک اللہ احسان کی راہ چلنے والوں کے ساتھ ہے (عنکبوت ۷) یہ آیت بھی صریح مجاہدہ کے متعلق ہے۔ بعد جہاد راہ دکھانا نہیں بلکہ بعد مجاہدہ جو طلب ذات باری میں ہو راہ دکھانا موعود خداوندی ہے۔ اور یہی مجاہدہ طریق احسان ہے جس کے ساتھ خدا کی معیت شامل حال ہے تو احسان کی راہ چلنے والوں کو گھبرانا اور مایوس ہونا نہ چاہیئے۔

جہاد مجاہدہ میں داخل ہے۔ مجاہدہ کا دائرہ وسیع تر ہے۔ جہاد بمقابلہ کفار و مشرکین ہے اور مجاہدہ بمقابلہ نفس و شیطان ہے وہ ظاہری دشمن کے ساتھ ہے اور یہ باطنی دشمن کے ساتھ اسلئے جہاد جہاد اصغر ہے اور مجاہدہ جہاد اکبر وجاھدھم بہٖ جہادا کبیرا۔ قرآن کو لیکر لوگوں سے مقابلہ کرو سخت مقابلہ (فرقان ۵) قرآن سے مقابلہ کرنا۔ سکھانا وعظ ہدایت و تبلیغ کی خدمت ادا کرنی مجاہدہ اور جہاد اکبر ہے اے لوگو جہاد اکبر کے لئے کمربستہ ہو جاؤ۔ قرآن اٹھاؤ اور تبلیغ رسالت کے ستعد ہو جاؤ گو کہ امراض باطنی کے سبب پست ہمتی آگئی مگر جب تم وسیلہ ڈھونڈھ چکے اور مرشد کو پا چکے اور میدان مجاہدہ میں قدم رکھ چکے تو مرشد تمہارے امراض باطنی کا علاج کرے گا اور صحت یاب ہو کر تم وہ سب کر سکتے ہو جو اگلوں نے کیا ہمت چاہیئے ہمت۔

امراض باطنی

جسطرح امراض ظاہری ہوتے ہیں امراض باطنی بھی ہوتے ہیں جیسے جسمانی امراض روحانی امراض بھی ہیں۔ جیسے ظاہری امراض خلقی لاعلاج ہیں ویسے ہی روحانی امراض فطرتی بھی لاعلاج ہیں جسطرح مادرزاد گونگا بہرا اندھا علاج پذیر نہیں اسی طرح روحانی گونگا بہرا اندھا جو فطرتاً ہو علاج پذیر نہیں۔ اسی کو خدا نے فرمایا ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ اُن کے دلوں اور کانوں پر خدا نے مہر لگا دی اور اُن کی آنکھوں پر پردہ (بقرہ ع۱) ابوجہل اور ابولہب نے دل رہتے بھی کہاں سمجھا۔ کان رہتے بھی کہاں سُنا۔ اور دونوں آنکھیں رہتے ہوئے بھی کہاں دیکھا۔ باوجودیکہ کس کس طرح سمجھائے گئے۔ کلام ربانی سنائے گئے۔ خدا کی تجلی بھی ہمیشہ لگاہی رہی تھی کیونکہ خود آنحضرت جلوہ فرما تھے صلی اللہ علیہ وسلم مگر وہ اندھے ہی رہے سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون۔ ایسوں کو ڈراؤ نہ ڈراؤ برابر ہے۔ یہ تو ایمان لانے کے نہیں (بقرہ ع۱)

لیکن وہ مریض جو علل وعوارض کے سبب سے ہو جسطرح اُس کا علاج ظاہری ہے اُسیطرح باطنی امراض کا علاج باطنی ہے جسطرح جسمانی امراض کے لئے تشخیص ضروری ہے اور تشخیص دیکھ کر بشرہ سے نبض سے قارورہ سے اور کیفیات کو سُن کر، تھرمامیٹر لگا کر اور کانوں سے ضربات کو سنکر اور قوم وملک کے خصوصیات کو خیال کر کے ہوتی ہے۔ اسیطرح روحانی امراض کی تشخیص بھی صحبت، مذاق، گفتار، کردار، اخلاق کیفیات کو سنکر اور قوم ملک مذہب وملت کے خصوصیات کو خیال رکھ کر، خاندان اور پیشہ کے اثرات کو ملحوظ رکھ کر اور خصوصیات مزاج کی نگہداشت کے ساتھ کہ صفراوی مزاج کی تیزی وتیز رفتاری بلغمی مزاج کی سستی اور اعتدال وغیرہ کو مدنظر رکھ کر ہوتی ہے۔ پھر جسطرح جسمانی امراض اخلاط کی کمی بیشی اور اعضائے رئیسہ کے ضعف وقوت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اسباب خارجی یعنی تاثیرات آب وہوا سے بھی اسیطرح روحانی امراض قلب ونفس کے بگاڑ اور تاثیرات صحبت بد سے پیدا ہوتے ہیں۔ فی قلوبھم مرض (بقرہ ع۲) قلب کی بیماریوں سے آگاہ کرتا ہے تو ان النفس لامارۃ بالسوء نفس کی بیماریوں سے خبردار کرتا ہے (یوسف ع)

میں انتہا تک امراض ظاہری اور باطنی کو مطابق کرتا جاؤں تو وضاحت تو آئیگی۔ مگر مضمون طول ہو جائیگا۔ اور کتاب کی ضخامت اتنی بڑھ جائے گی کہ فوائد کھو جائیں گے اس لئے میں اسے نظر انداز کرتا ہوں۔

غرض قلب و نفس میں بیماریاں ہوتی ہیں جس سے روح بیمار ہو جاتی ہے۔ کمزور ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ روحانی موت مر بھی جاتی ہے۔ خدا نے کافروں اور مشرکوں کو مردہ کہا ہے مگر اُن کی آنکھیں ہیں بھولا اسوقت یاد نہیں آتیں۔ تو مرشد کو چاہیئے کہ پہلے تشخیص مرض کرے کہ کون کون سے امراض باطنی طالب میں پیدا ہو گئے ہیں امراض قلبی ہیں یا امراض نفسی۔ طالب کو چاہیئے کہ معالج سے امراض نہ چھپائے۔ ورنہ آپ گھاٹا اٹھائے گا۔

امراض قلبی

ایک قلب تو وہ ہے جو مضغہ گوشت ہے سینہ کے اندر جسے اطباء تشریح کرکے دیکھتے ہیں دوسرا قلب وہ ہے جس کی شان میں خدا نے فرمایا ان فی ذالك للذکری لمن کان له قلب اس میں نصیحت ہے۔ اُس شخص کے لئے جسکے قلب ہے (ق پ۲۶) تو یہ نصیحت حاصل کرنے والا کونسا قلب ہے۔ آیا یہی مضغہ گوشت۔ تو گوشت کا ٹکڑا نصیحت نہیں حاصل کرسکتا۔ دوسرے یہ مضغہ گوشت تو ہر کو ہے مگر ہر کوئی نصیحت شنو نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نصیحت شنو قلب کوئی اور ہے۔ چونکہ اُس کا مقام مضغہ قلب ہی ہے۔ اس لئے ظرف مظروف کی جگہ بولا گیا۔ اور اُس کو بھی قلب ہی کہا گیا جو ایک نور ہے۔ دانا و بینا و نصیحت شنو۔ اُسی کو دوسری جگہ خدا نے فرمایا فانها لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور آنکھیں نہیں اندھی ہوتیں۔ بلکہ قلب اندھا ہوتا ہے جو سینہ کے اندر ہے (حج پ۱۷) تو نصیحت حاصل کرنے والا۔ اور نصیحت نہ حاصل کرنے والا اندھا دل ہوتا ہے جس کا مقام بتادیا کہ سینہ کے اندر ہے۔ یہ قلب مضغۂ گوشت تو ہے نہیں جو سینہ کے اندر ہے بلکہ وہ قلب ہے جو سینہ کے اندر ہے اس سے کیا صاف نہیں ہوتا کہ قلب روحانی قلب جسمانی کے اندر ویسے ہی ہے جیسے روح جسم میں۔ وہ قلب جو نصیحت حاصل کرے یا نہ حاصل کرے۔ دیکھتا ہو یا اندھا ہو وہ اک نور روحانی ہے جو حالت صحت میں دیکھتا اور حالت مرض میں اندھا ہو جاتا ہے اسی کو قلب روحانی کہنا بے جا نہیں۔ اس قلب روحانی کی چند قسمیں مذموم اور چند قسمیں محمود خدا نے

فرمادی ہیں۔ مجاہدہ یہ کرتا ہے کہ قلب مذموم جیسے قلب مریض کہو معالجہ سے صحت یاب ہو کر قلب محمود ہو جائے۔

قلب مذموم یا قلب مریض

قلب مذموم کی گیارہ قسمیں خدا نے فرمائی ہیں۔

(۱) **قلب جاہل** لھم قلوب لا یفقھون بہا ان کے قلوب ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں (اعراف ۲۲) یعنی ناسمجھ اور جاہل اس آیت کے آخر میں انہیں کی شان میں خدا نے فرمایا اولئک کالانعام بل ھم اضل وہ چارپائے کے مانند ہیں بلکہ اُن سے بدتر (اعراف ۲۲) یہ جہالت کی بیماری قلب کی اگر دفع نہ ہوئی تو یہی قلب آخری نوبت پر قلب مطبوع کی حالت کو پہونچ جاتا ہے کذالک یطبع اللّٰہ علی قلوب الذین لایعلمون اسیطرح اللہ جاہلوں کے قلب کو قلب مطبوع بنا دیتا ہے۔ (روم ۵)

(۲) **قلب مریب** وارتابت قلوبھم فی ریبھم یترددون۔ اُن کے قلوب شک میں پڑے ہیں تو وہ اپنے شک میں بھٹکتے پھرتے ہیں (توبہ ۵) شک بھی امراض قلبی میں سے ہے جس کا مزاج شکی ہوتا ہے۔ وہ ہر بات میں شک کیا کرتا ہے جسکی شان میں خدا نے فرمایا۔ ولو فتحنا علیھم بابا من السماء فظلوا فیہ یعرجون ہ لقالوا انما سکرت ابصارنا بل نحن مسحورون۔ اگر ان پر ہم آسمان کا دروازہ کھول دیں اور یہ سارے دن اس میں چڑھتے بھی رہیں۔ جب بھی یہ کہیں گے کہ ہو نہ ہو ہماری آنکھیں باندھ دی گئی ہیں۔ بلکہ ہم پر جادو کیا گیا ہے (حجر ۱) یعنی یہ بدیہیات میں بھی شک کریں گے۔

(۳) **قلب غل** یعنی قلب کینہ کش ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ نہ رہنے دے (حشر ۱) کینہ کش دل پناہ مانگنے کی چیز ہے کہ یہ بے وجہ بھی کینہ سے بھرا ہوتا ہے اور دوسروں کی برائی کا آرزومند کینہ بھی دل کی بیماریوں میں سے ہے قلب جو دل کو انتقام اور بدخواہی کے لئے بے چین غیر مطمئن اور خراب وخستہ کئے رہتا ہے۔

(۴) **قلب سخت** اسی کا نام قلب غلیظ بھی ہے ثم قست قلوبکم من بعد ذالک فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے تو وہ

پتھر کے مانند ہیں بلکہ پتھر سے بھی سخت تر (بقرہ ۹ع) اسی کو خدا نے قلب غلیظ بھی فرمایا ہے
فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک
اے رسول یہ تو خدا کی مہربانی ہے کہ تم اُن کو نرم دل ملے اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے
تو لوگ تمہارے اردگرد سے تتر بتر ہو جاتے۔ (آل عمران ۱۷ع) سخت دل بدخو ہوتا ہے
وہ کسی پر رحم کھا سکتا نہ کسی کو معافی دے سکتا ہے نہ اس سے شفقت علی الخلق ظہور پذیر
ہو سکتی نہ وہ نصیحت شنو ہو سکتا ہے۔

(۵) **قلب غلف** وقالوا قلوبنا غلف وہ کہتے ہیں کہ ہمارے قلب پہ پردے
پڑے ہیں (بقرہ ۱۱ع) دل پر پردہ تو سد سکندری ہے جسکی شان میں ہے وجعلنا
من بین ایدیہم سدا ومن خلفہم سدا اُن کے آگے پیچھے ہم نے دیوار کھڑی
کر دی ہے (یس ۱ع) اسلئے باوجود دیکھ سکنے کے بھی یہ دیکھ نہیں سکتے۔ یہ قلب کافر کا
ہوتا ہے بل لعنہم اللہ بکفرھم (بقرہ ۱۱ع) یہ قلب ملعون ہے۔

(۶) **قلب کور** فانہا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور
آنکھیں نہیں اندھی ہوتیں بلکہ اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں (حج ۶ع) اسکی شان میں ہے
من کان فی ھذہ اعمی فھو فی الاخرۃ اعمی جو اس دنیا میں اندھا وہ اُس دنیا میں
اندھا یعنی یہاں دل کا اندھا وہاں دیدار کا اندھا۔ قلب کور کو خدا کی راہ سجھائی نہیں پڑتی۔

(۷) **قلب زنگ خوردہ** کلا بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون نہیں یہ
نہیں۔ بلکہ اُن کے کرتوتوں نے اُن کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے (مطففین) گناہوں پر
مصر رہنے سے قلب زنگ خوردہ ہو جاتا ہے اور گناہ کی برائی دل سے جاتی رہتی ہے
جیسے شراب پیتے پیتے۔ سود کھاتے کھاتے جھوٹ بولتے بولتے۔ فریبی مقدمات
لڑتے لڑتے ان کی برائی دل سے کھو جاتی ہے اور کھو گئی ہے اس حال پر بھی اگر
زنگ صاف کیا جائے تو جلا کی امید ہو سکتی ہے۔ اور آئینہ قلب مجلا ہو کر قابل انعکاس
جمال جہاں آرا ہو سکتا ہے۔

(۸) **قلب غافل** ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا جس کے دل کو ہم نے
اپنے ذکر سے غافل کیا۔ اس کا کہا نہ مانو (کہف ۴ع) خوب غور کرو تو غفلت ہی ام الجرائم
ہے۔ اور اس کا پھندا ایسا سخت ہے کہ اُس سے نکلنا بڑی بہادری کا کام ہے۔ آدمی ہزار

سونچتا سمجھتا ہے۔ ہزار ارادہ اور ہمت کرتا ہے۔ مگر قلب غافل کی غفلت نہیں جاتی۔ محاسبہ ہزار توبہ کرتا ہے مگر پھر وہ توبہ نہیں رہتی۔ اور قلب غافل ہوشیار نہیں ہوتا۔ ہوتا بھی ہے تو چند ساعت کے لیے۔ بہتر تو یہ ہے کہ خدا کی یاد اور ذکر و فکر بھی وہ کرتا ہے تو اوپری دل غافل دھیان اور مراقبہ بھی وہ کرتا ہے۔ تلاوت قرآن اور نماز بھی ادا کرتا ہے تو عادتاً دل غافل جسکا نام قلبی لاہی بھی کرتا ہے۔ لاھیۃ قلوبھم (انبیاء ع۱) یہ بجز تیز و تند آگ کی آنچ دیئے بغیر ہوشیار نہیں ہونے کا۔ اس کی پہچان ہے واتبع ھوٰہ وکان امرہ فرطا (کہف ع۴) وہ متبع خواہشات نفسانی ہوتا ہے اور اس کا کام حد سے گزرا ہوا۔

(۹) قلب بیہوش۔ بل قلوبھم فی غمرۃ من ھذا۔ بلکہ ان کے دل اس سے بیہوشی میں پڑے ہیں (مومنون ع۴) قلب غافل کی غفلت کامل بیہوشی ہے قلب غافل غافل ہوتے ہوتے قلب بیہوش ہو جاتا ہے۔

(۱۰) قلب مقفل۔ افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا تو کیا یہ قرآن میں غور نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل ہیں (محمد ع۳) قلب مقفل کو قرآن سے دلبستگی نہیں ہوتی۔ وہ قرآن میں تدبر نہیں کر سکتا کیونکہ اسکے قلب کی کوٹھری پر قفل پڑا ہوا ہے۔

(۱۱) قلب مطبوع۔ مہر زدہ۔ کذالک یطبع اللہ علی قلب متکبر جبار۔ اور کذالک نطبع علی قلوب المعتدین۔ اسی طرح خدا مہر کر دیتا ہے ہر قلب متکبر اور ہر قلب جبار پر۔ اور اسی طرح ہم ہر حد سے تجاوز کرنے والے قلوب پر مہر لگا دیتے ہیں (مومن ع۴) اور یونس ع۸) قلب مطبوع کی پہچان یہ ہے کہ وہ متکبر ہو۔ جبار ہو اور حد سے تجاوز کرنے والا ہو۔ تکبر کا مرض صحت یاب ہوتا۔ کیونکہ متکبر کسی کی سن نہیں سکتا شیطان نے تکبر ہی تو کیا تھا۔ ابیٰ واستکبر اس نے انکار کیا اور تکبر کیا کہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین مجھ کو تو نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے۔ تو اس تکبر کا نتیجہ یہ ہوا وکان من الکٰفرین ہو گیا کافروں میں سے متکبر و جبار تو خدا کے صفاتی نام ہیں۔ جو کوئی ان صفتوں کا دعوے کرتا ہے۔ وہ فرعون بے سامان خدائی کا دعوٰی کرتا ہے۔ ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحٰن اللہ عما یشرکون مجاہدہ۔ مطلب یہ ہے کہ قلب بیماریوں سے صحت یاب ہو کر قلب محمود ہو جائے۔

قلب محمود

قلب محمود سات قسم کے ہیں۔

(۱) قلب مہتد۔ ہدایت یافتہ۔ من یومن باللہ یھد قلبہ جو خدا پر ایمان لاتا ہے تو خدا اس کے قلب کی ہدایت کرتا ہے (التغابن ع۲)

(۲) قلب منیب جاء بقلب منیب ادخلوہا بسلم۔ جو دل گرویدہ لے کر حاضر ہوا تو اس سے ہم کہیں گے کہ سلامتی کے ساتھ بہشت میں داخل ہو جاؤ (ق ع۳) قلب منیب بناز آرزو کی کنڈا ڈال کر رسا ہوتا اور محبوب سے جا ملتا ہے۔

(۳) قلب خاشع۔ الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل من الحق کیا ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل ذکر خدا اور قرآن میں خشوع و عاجزی کریں (حدید ع۲) عبادت میں خشوع پیدا ہونا دل کی صحت یابی ہے جبتک قلب غافل کی غفلت دور نہ ہو جو محبت ہی سے دور ہوتی ہے اُس وقت تک قلب خاشع نہیں ہو سکتا۔

(۴) قلب مربوط۔ لولا ان ربطنا علی قلبھا۔ اگر ہم اُس کے قلب پر گرہ نہ دے دیتے (قصص ع۱) قلب مربوط اسرار کو گرہ میں باندھ لیتا ہے۔ اور انکشافات ربانی کا ڈنکا نہیں بجاتا پھرتا دوست تو وہی جو دوست کا راز چھپائے۔ یہ آیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی شان میں ہے۔ پوری آیت واصبح فواد ام موسیٰ سے پڑھ جاؤ جس کے معنی یہ ہیں کہ موسیٰ کی ماں کا دل بیقرار ہو گیا۔ قریب تھی کہ سارے قصے کو ظاہر کر بیٹھے اگر ہم اُس کے دل پہ گرہ نہ دیدیتے تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں رہے۔ قلب مربوط اس وقت ہوتا ہے جب خدا کے ساتھ رابطہ و نسبت صحیح ہو جائے۔

(۵) قلب متقی فانھا من تقوی القلوب یہ دل کی پرہیزگاری سے ہے۔ (حج ع۴) قلب متقی شعائر اللہ کی عظمت کرنے لگتا ہے۔ جب خدا کی عظمت و جلالت عرفان حقہ کے سبب دلوں پر چھا جاتی ہے تو جو خدا کے ساتھ نامزد و منسوب ہو اُس کی بھی عظمت دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے خدا نے فرمایا۔ ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب۔

(۶) **قلب مطمئن**۔ وقلبہ مطمئن بالایمان ایمان پر اس کا دل مطمئن ہو (نحل ۱۴) اسماء وصفات باری تعالیٰ پر جب تک ایمان کامل نصیب نہیں ہوتا۔ اس دنیا میں تو اطمینان حاصل نہیں ہوسکتا اور جب یہ حاصل ہوگیا تو لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون دوسرے اطمینان قلبی نہ دولت وثروت سے حاصل ہوتا ہے نہ عالی شان عمارتوں اور بچھڑے پچھلے گلزاروں سے اگر حاصل ہوتا ہے تو ایمان کامل اور اس کی یاد ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب سن رکھو کہ خدا کی یاد ہی سے اطمینان قلبی حاصل ہوتا ہے (رعد ۴)

(۷) **قلب سلیم**۔ اذ جاء ربہ بقلب سلیم جبکہ حضرت ابراہیم آئے خدا کے پاس قلب سلیم لیکر (الصفت ع ۳) قلب سلیم کے معنی ہیں قلب سلامتی یافتہ از ماسوائے اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف اور خدا کی طرف یکسو ہو رہے تھے کیونکہ اُن کا قلب سلیم اور ماسوائے سے منقطع ہوچکا تھا۔ اسی کو خدا نے دوسری جگہ فرمایا لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم قیامت کے دن اولاد اور مال (یعنی ماسوائے اللہ) کام نہیں آنے کے۔ ہاں جو قلب سلیم فارغ از ماسوا لیکر حاضر ہوگا تو وہی کام آئیگا (الشعراء ۵) مجاہدہ سے قلب مذموم کو قلب محمود بناؤ یعنی دل کا منہ اُدھر سے اِدھر پھیر دو کہ مراد کو پہونچو۔ گو ہمیں نے بیان کیا ہے کہ بیماریاں قلب ہی میں نہیں نفس میں بھی ہوتی ہیں اس لئے امراض نفسانی سے بھی غفلت نکرو۔ ورنہ طحال سے صحت ہوئی تو امراض جگر بارڈالنے کو کیا کم ہیں

امراض نفسی

نفس مذموم بھی ہوتا ہے اور محمود بھی۔ ونفس وما سوٰیہا فالہمہا فجورہا وتقوٰیہا قد افلح من زکّٰیہا وقد خاب من دسّٰیہا۔ نفس کی اور اس ذات کی قسم جس نے اُس کو درست بنایا پھر الہام کیا اس کی طرف اُس کی بدکاری اور پرہیزگاری کا بے شک مراد کو پہونچا جس نے تزکیہ نفس کیا۔ اور گھاٹے میں رہا جس نے اُس کو خاک میں ملا دیا۔ (الشمس) غرض نفس میں مادہ فجور وتقوی دونوں ہے۔ مبارک ہے وہ جس نے تزکیہ نفس کیا کہ وہی مراد کو پہونچا۔ اور افسوس رہبانوں پر جنہوں نے نفس کو مار کر خاک میں ملا دیا کہ وہ گھاٹے میں رہے کیونکہ نفس کو مار دینے سے وہ نفس ہی نہ رہا جس کو تزکیہ کرکے وہ مراد پہونچتے۔ طالب کو بھی تو مجاہدہ کرنا ہے کہ وہ نفس مذموم کو تزکیہ کرکے نفس محمود بنائے

نہ یہ کہ نفس کشی کرکے اُس کو مار ہی ڈالے نفس بیمار ہے تو حسب ہدایت مرشد اس کا معالجہ
کرو سرکش ہے تو اسکی تنبیہ کرو سزا کرو۔ اس کو اچھی طرح تھپیڑوں سے کچلو۔ مگر مار تو نہ ڈالو
کیونکہ وہ کبھی تو نہیں سکتا۔

نفس مذموم

نفس مذموم پانچ قسم کے ہیں۔

(۱) نفس سفیہ۔ ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم الا من سفہ نفسہ ملت ابراہیم سے
وہی انحراف کرتا ہے جس نے خود اپنے نفس کو بے وقوف بنایا (بقرہ ع۱۶) سمجھ کر بھی جو اُلٹا سمجھ
اور نہیں سمجھتا ہے وہ اپنے آپ ہی کو بیوقوف بناتا ہے۔

(۲) نفس موسوس۔ ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما توسوس بہ نفسہ بے شک
ہم نے انسان کو پیدا کیا اور جو وسوسے اُس کے نفس میں گذرتے ہیں اُن کو ہم جانتے ہیں
(ق ع۲) نفس طرح طرح کے وسوسے پیدا کرتا رہتا اور راہیں رخنہ انداز ہوتا ہے اور آدمی
ہے کہ اسی کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔

(۳) نفس شحیح بخیل۔ واحضرت الانفس الشح بخل تو نفس میں داخل کیا گیا ہے
(نساء ع۱۹) بخل نفس کی سخت بیماریوں میں ہے اور سخت اصلاح طلب۔ اس بیماری سے
آدمی نہ گھر کا ہوتا ہے نہ گھاٹ کا نہ اپنے کا نہ پرائے کا۔ نہ اس دنیا کا نہ اُس دنیا کا۔ بندہ زر
ہوکر حیا و غیرت۔ عزت و آبرو۔ دین و مذہب اور سارے صفات انسانی کو کھو بیٹھتا ہے ومن
یبخل فانما یبخل عن نفسہ (محمد ع۴)

(۴) نفس امارہ۔ ما ابری نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء میں اپنے نفس کو بری
نہیں کرتا کیونکہ نفس تو برائی کی طرف اُبھارتا ہی رہتا ہے (یوسف ع۷) اسلئے یہ ضرور طلب ہے۔

(۵) نفس مسیئہ۔ برائی پہونچانے والا نفس۔ ما اصابک من سیئۃ فمن نفسک
اے انسان جو کچھ تجھ کو برائی پہونچے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے (نساء ع۱۱)
جو کچھ انسان کو برائی پہونچتی ہے وہ اپنے نفس کی بدولت۔ اگر نفس اصلاح پا جائے اور
آدمی تزکیہ نفس کرے تو اُس کو برائی پہونچتے ہی نہیں۔ ساری مصیبتیں ٹھنڈی پڑ جاتی ہیں۔ دیکھنے والے
تو کہیں سمجھے کہ حضرت ابراہیم آگ میں ڈالے گئے۔ مگر وہ آگ ٹھنڈی ہوکر گل و گلزار رہی

بنجائے گی۔ کیونکہ تکلیف اور برائی تو وہی جس کو دماغ محسوس کرے تو جس کا دماغ ہی
نیکو ہوگیا ہو وہ محسوس کیا کرے گا اس لئے ساری بُرائیاں اسی میں ہیں کہ نفس اِدھراُدھر
بھٹکتا پھرے اور جب نفس تزکیہ پاکر نیکو ہوگیا تو محسوس کون کرے اسی لئے خدا نے فرمایا کہ
جو کچھ تجکو برائی پہونچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے۔ اور خدا نے جب نفس کو تزکیہ نصیب
کیا تو ما اصابك من حسنة فمن الله جو کچھ تجکو بھلائی پہونچے وہ خدا کی طرف سے
جس نے تیرے نفس کو مزکے کر دیا۔
غرض مجاہدہ طلب یہ ہے کہ نفس مذموم بیماریوں سے صحت یاب ہوکر نفس محمود ہوجائے۔

نفس محمود

نفس محمود تین قسم کے ہیں۔
(۱) نفس لوامہ۔ و اقسم بالنفس اللوامة نفس لوامہ کی قسم کہتا ہوں (القیمة)
نفس جب اصلاح پر آنے لگتا ہے تو برائیوں پر ملامت کرنے لگتا ہے یہی ملامت کرتے کرتے
وہ تائب ہوجاتا اور اس کو تزکیہ و تصفیہ نصیب ہوتا ہے۔
(۲) نفس مزکے قد افلح من زکٰها وہ مراد کو پہونچا جس نے تزکیہ نفس کیا (الشمس)
یہی نفس لوامہ مزکے ہوتا اور یہی نفس مزکے رسا ہوکر اور مراد کو پاکر نفس مطمئنہ ہوجاتا ہے۔
(۳) نفس مطمئنہ۔ یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضیة مرضیة
فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ اے نفس مطمئنہ خدا کے حضور میں حاضر ہو تو اس سے
راضی وہ تجھ سے راضی۔ تو داخل ہوجا ہمارے بندوں میں اور داخل ہوجا ہماری جنت میں۔
(الفجر) رضی الله عنهم و رضوا عنه نفس منتشر تو بھٹکا اور مارا مارا پھرتا ہی ہے حیات
میں بھی مرنے پر بھی۔ حضوری ہوتی ہے تو نفس مطمئنہ کو ہی۔ بے اطمینان تام کے حضوری
کہاں نہ اس دنیا میں نہ اُس دنیا میں جب اطمینان کامل قرار پاجاتا ہے تو اس کی منزل آتی
ہے رضا و تسلیم کی۔ یہ مقام عبودیت ہے۔ وہ مقام عبودیت میں داخل ہوکر وصال کا ہ
میں بار پاتا ہے

استغفار و توبہ

جب انسان کو خدا توفیق دیتا ہے تو وہ اپنے قلب و نفس کی بیماریوں پر مطلع ہوتا اور

اپنے کو مریض سمجھنے لگتا ہے تو اُس کو یوں دیکھو جسمانی مریض جب بیمار پڑتا ہے تو وہ ہوا سے تند
سے بچنے کے لئے یا اقتضائے مرض کے سبب بستر پر پڑا رہتا ہے۔ آب و دانہ ترک کر دیتا ہے
و جو معالج ہدایت کرے گا اُس کی تعمیل کی جائے گی۔ پھر معالج بلایا جاتا ہے۔ جب اُس سے
علاج رجوع ہوا تو اُس کی دوا استعمال ہوتی ہے اور اُس کے حسب ہدایت پرہیز ہوتا ہے۔ جب کہیں
صحت ہوتی ہے۔ بس یہی حال روحانی بیماروں کا ہے۔ امراض باطنی کا بیمار بھی اوّلاً اپنی
گذشتہ بدپرہیزیوں کے نقصان کو مٹانا چاہتا اور آئندہ کی بدپرہیزیوں سے تائب ہوتا ہے
استغفار کی چادر اوڑھ کر ندامت توبہ کے بستر پر لیٹ رہتا ہے۔ پھر معالج حقیقی اور معالج مجازی
کی طرف رجوع کرتا ہے اسی کا نام انابت ہے۔ رجوع الی المرشد۔ پھر علاج ہے پھر صحت
اس لئے امراض باطنی کے مریض کے لئے پہلی چیز استغفار و توبہ ہے۔ پھر انابت اور یہ
معالج کے علاج کی چیز نہیں یہ توفیق خداوندی اور عطیہ ایزدی ہے۔ معالجہ تو انابت کے
بعد ہے۔ مریض علاج ہی پیش کرے یا دوا و پرہیز ہی کے لئے آمادہ نہ ہو تو اس کا علاج ہی
نہیں ہو سکتا۔ سنۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ مرض علاج سے جاتا اور مریض بے علاج کے
مر جاتا ہے۔ اس سنۃ اللہ کو کوئی توڑ نہیں سکتا۔ یوں بے علاج بھی کبھی صحت ہوتی ہے
یہ اُس کی قدرت کا اظہار ہے تو اُس کی قدرت کا جائزہ لینے والا کون۔ اور اُس کی
قدرت پہ دست رسی کس کی کہ وہ ہر کے ساتھ ظاہر کرے اور ہر وقت ظاہر کرے۔
اور ہر شخص کے حسب منشاء ظاہر کرے۔

استغفار و توبہ دو چیزیں ہیں۔ ان استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ خدا سے معافی مانگو پھر
توبہ کرو۔ اپنے کئے کی معافی مانگنی استغفار ہے اور آئندہ نہ کرنے کا عزم بالجزم توبہ ہے۔
زمانہ حال میں ہم کو گذشتہ کی معافی اور تلافی کرنی چاہئے اور آئندہ کی فکر یعنی استغفار و توبہ
گذشتہ کا علاج تو بجز معافی مانگنے اور استغفار کے ہے نہیں۔ اس لئے استغفار کی نسبت
مجھے کچھ زیادہ لکھنا بھی نہیں۔ ہاں آئندہ کی فکر ہے کہ آئندہ مرتکب گناہ نہوں یہی توبہ ہے کہ
ٹوٹتی بھی اور رہتی بھی ہے۔ اس کے کیفیات بھی طرح طرح کے ہیں۔ اس لئے اس کے
مدارج بھی ایک سے ایک بالاتر ہیں۔

دو چیزیں ہیں ایک گناہ کی معافی چاہنا یہ استغفار ہے۔ دوسرے گناہ سے پشیمان ہو کر
گناہ نہ کرنے کی ہمت کرنی یہ توبہ ہے۔ خدا کی مہربانی دیکھو کہ تم توبہ توڑ دو تو توبہ قبول کرنے کو بھی

تیار ہے کہ آیندہ گناہ نکرو۔ اور کیے ہوے گناہ جنکے لیے تم پشیان ہوے اُس کو بھی معاف
کر دینے کو تیار ہے۔ یوں توبہ میں استغفار بھی داخل ہوجاتا ہے۔ یہ بھی اُسی کی مہربانی ہے کہ تم
استغفار کرو اور خشوع و خضوع اور آداب کی نگاہداشت کے ساتھ تو وہ اُس گناہ کو بخش بھی دیتا
اور آیندہ تم کو اس گناہ سے باز بھی رکھتا ہے یوں استغفار میں توبہ بھی داخل ہو جاتی ہے اسی لیے
میں نے استغفار و توبہ کو ساتھ ساتھ بیان کیا ہے۔

خدا نے فرمایا۔ وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ ویعفو عن السیئات۔ بے شک خدا
اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور خطائیں معاف کر دیتا ہے (شوریٰ ع۳) تو توبہ
چیز کوئی نہیں ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین خدا توبہ کرنے والوں کو اور جو توبہ
پاک ہو چکے ہیں انکو پیار کرتا ہے (بقرہ ع۲۸) خدا کا وعدہ ہے کہ وہ توبہ قبول کرتا ہے۔ اور یہ
بھی کہ وہ خطا بھی معاف کر دیتا ہے اور یہ بھی کہ وہ تائبین کو پیار بھی کرتا ہے۔ تو یہ چھوٹے سے کی
چیز نہیں۔ اس طرح استغفار توبہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

مگر خدا کونسی توبہ قبول کرتا ہے۔ کیا زبان سے اتوب الیہ ہم توبہ کرتے ہیں۔ ہم توبہ کرتے
ہیں کی رٹ لگاؤ کہ دل غافل۔ بلکہ نافرمانی پر مصر ہو تو کیا ایسی توبہ قبول ہوگی۔ یا قبول ہونے کے
لائق ہے۔ خدا دھوکے میں نہیں آسکتا۔ وہ خود فرماتا ہے انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السؤ
بجھالۃ ثم یتوبون من قریب فاولئک یتوب اللہ علیھم۔ توبہ تو اللہ انہیں کی قبول
کرتا ہے جو نادانی سے کوئی گناہ کر بیٹھے۔ پھر فوراً متنبہ ہو اور توبہ کرے۔ تو اللہ ایسوں کی توبہ قبول فرماتا ہے
مسلمانو! قرآن کے رو سے تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ تم جان بوجھ کر گناہ پر مصر رہو کہ آیندہ
توبہ کر لیں گے ابھی تو زندگی ہی پڑی ہے۔ یا ابھی تو شباب ہے توبہ کا زمانہ نہیں۔ پیری آنے دو۔
یا شباب میں توبہ تو مضحکہ خیز ہے۔ پیری آئے اور پیر مل لے تو توبہ کر لیں گے۔ کیونکہ توبہ تو وہی
جو پیر کے سامنے ہو اور پیر کرائے ایسی توبہ توڑنے میں لوگ البتہ ملامت کرتے ہیں اور شباب
میں توبہ کریں تو راہگیر کے جنگل میں کیوں نہ جاکے بیٹھیں۔ یا یہ سمجھو کہ مرتے وقت کی توبہ تو کہیں
نہیں گئی۔ بس مرتے وقت توبہ کر لیں گے اور کھڑے جنت میں چلے جائیں گے۔ اور اُس کے
برابر ہو جائیں گے جو تمام عمر تائب رہا مگر لا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ نیکی و بدی برابر
نہیں ہو سکتی (حم السجدہ ع۲) تو مرتے وقت کا سہارا چھوڑ دو۔ اُس وقت اگر توبہ کا ہوش
نہ رہے تو کیا کرو گے۔ دوسرے اُس وقت استغفار کر سکتے ہو۔ توبہ کا وقت کہاں رہا کہ آیندہ

گناہ نہ کرنے کا عزم بالجزم کرو۔ اسی لئے خدا نے فرمایا ولیست التوبۃ للذین یعملون
السیئات حتی اذا حضر احدھم الموت قال انی تبت الآن انکی توبہ قبول نہیں جو
گناہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان میں سے جب کسی کے سامنے موت آ کھڑی ہو تو کہنے
لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں (نساء ع۳) فرعون نے مرتے وقت توبہ کی تھی تو خدا نے کیا فرمایا
آلان وقد عصیت قبل وکنت من المفسدین تو اس وقت توبہ کرتا ہے حالانکہ اس سے
پہلے تو ہمیشہ نافرمانی کرتا رہا اور فساد پھیلاتا رہا (یونس ع۹) جو مختلف نتائج توبہ کے خدا نے
بیان فرمائے ہیں ان پر غور و فکر کرنے سے توبہ کی تین قسمیں نکلتی ہیں۔

(۱) ایک توبہ تو یہ ہے۔ توبوا الی اللہ جمیعا ایھا المؤمنون لعلکم تفلحون۔ مومنو! تم
سب کے سب اللہ کے حضور میں توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ (نور ع۴) اس توبہ سے فلاح کی
امید ہے۔ یہ وہ توبہ ہے کہ انسان دل میں نادم ہو اور قصد مصمم کرے کہ ہم پھر ایسا نہ کریں گے۔

(۲) دوسری توبہ یہ ہے یا ایھا الذین امنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا۔ مومنو اللہ کے
حضور میں خالص دل سے توبہ کرو (تحریم ع۲) اس میں خلوص دل کی قید زیادہ ہے۔
واقعی بظاہر ابھی یہ دونوں قسمیں اچھی طرح تقسیم کو واضح کر رہی ہیں۔ توبہ کو خیال کرو۔ ایک تو کسی کام کو
برا یا گناہ سمجھ کر اس کام سے باز رہنا ہے۔ دوسرے اس خلوص سے باز رہنا ہے کہ اس کی
لذت دل میں باقی نہ رہے بلکہ اس کے ارتکاب سے دل دہشت کھائے۔ یہ دو حالتیں
ہوتی ہیں۔ دونوں قبول ہیں۔ مدارج کا فرق ہے۔ توبہ نصوح کی شان میں خدا نے فرمایا ہے
نورھم یسعی بین ایدیھم وبایمانھم یقولون ربنا اتمم لنا نورنا قیامت کے دن
ان کا نور آگے آگے اور داہنے بائیں دوڑ رہا ہوگا۔ اور وہ عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب نور
کامل کر دے (التحریم ع۲)

(۳) تیسری توبہ یہ ہے۔ ان استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یمتعکم متاعا حسنا الی
اجل مسمی ویؤت کل ذی فضل فضلہ۔ اپنے پروردگار سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو
پھر اس کے حضور میں توبہ کرو تاکہ وہ تم کو تاحیات بہترین فائدہ اور صاحب فضل کو اس کا
فضل عطا فرمائے (ھود ع۱) یعنی اس دنیا میں تاحیات وہ بہترین فائدے دیتا ہے
اور اس دنیا میں جو فضیلتیں توبہ سے اس نے حاصل کیں وہ پوری پوری عطا کرے۔ یمتعکم
متاعا حسنا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تاحیات بہترین فائدے ملتے رہتے ہیں تو اسے

توبہ طریقت کہو کہ یہ توبہ ہر موجودہ حال سے جو بجز آمیز ہے تائب ہونا اور آئندہ ترقیات کی طرف عروج کرنا ہے۔

اس توبہ کو مزید وضاحت سے ساتھ خدا نے اس آیت میں فرمایا ہے یقوم استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یرسل السماء علیکم مدرارا ویزدکم قوۃ الی قوتکم ولا تتولوا مجرمین۔ اے قوم استغفار کر۔ پھر اس کے حضور میں توبہ کرو کہ خدا تجھ پر موسلادھار بارش رحمت برسائے اور تیری قوت پر قوت بڑھائے کہ تو پھر گنہگار نہ ہوسکے (ہود ۵) اس توبہ کا نتیجہ ہے بارش رحمت اور ازدیاد قوت۔ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ترقی کرتے جانا اسکی عین رحمت ہے جس سے قوت پر قوت بڑھتی رہے گی اور اس وقت تمہارا یہ مقام ہوگا کہ پھر مجرم نہ ہو اس وقت گناہ تم سے اتنا ہی بچے گا جتنا تم گناہ سے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ استغفار و توبہ جس طرح ابتدائے منزل میں ہے اسی طرح انتہائے منزل میں ہے۔ پہلی توبہ ہوگی نافرمانیوں سے، نفسانی خواہشوں اور غفلتوں سے اور اولیاء اور انبیاء کی توبہ ہوگی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف حسب مدارج اس سے سمجھو کہ نبیوں کی توبہ و استغفار کے معنی کیا ہیں۔

انابت و معالجہ

انابت رجوع کو کہتے ہیں جب گذشتہ نافرمانیوں سے معافی مانگ چکے اور آئندہ نافرمانی نہ کرنے کا عزم بالجزم کر چکے یعنی استغفار و توبہ تو اس کے بعد مرشد اور معالج امراض روحانی کی طرف رجوع کرتا ہے کہ مرشد قرابادین روحانی سے اس کا مرض تشخیص کرے اور معالجہ کرے قرابادین روحانی قرآن مجید ہے جس کی شان میں خدا نے فرمایا ہے۔ شفاء لما فی الصدور مرشد دیکھے گا کہ مریض میں امراض قلبی میں سے کونسا مرض ہے اور امراض نفسی میں سے کونسا مرض۔ وہ امراض قلبی کا معالجہ کرکے قلب کو قلب منیب بنائے گا تاکہ وہ اس فرمان کا مورد ہو جاوے بقلب منیب ادخلوھا بسلم خدا کے حضور میں قلب منیب لے کر جو حاضر ہوگا تو خدا فرمائے گا کہ سلامتی کے ساتھ بہشت میں داخل ہو جاؤ (ق ع۳) اور امراض نفسی میں کوئی مرض پائے گا تو وہ معالجہ کرکے نفس کو نفس مزکی بنائے گا تاکہ وہ اس فرمان کا مورد ہو قد افلح من زکھا۔ مراد کو پہونچا جس نے تزکیہ نفس کیا (الشمس) تم نے مرشد کی طرف

علاج رجوع کیا۔ تو مرشد تمہارے مافی الضمیر کا مرجع خدا کی طرف رجوع کرد ے گا کہ یہی رشد ہے جب قلب ونفس تصفیہ و تزکیہ پاکر خدا کی طرف رجوع ہو گیا تو خدا فرماتا ہے یھدی الیہ من اناب جس نے رجوع اسنے اللہ کیا تو خدا اُسے اپنی طرف رہنمائی کرے گا رجوع کرد ینا مرشد کا کام ہے۔ اور رہنمائی خدا کا کام۔ ہدایت اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ انسانی ہدایت اسی قدر ہے کہ وہ خدا کی طرف رجوع کرکے۔ جب انابت کمال کو پہونچی تو وہ اس لایق ہوا (تبع سبیل من اناب الی۔ اُس کی پیروی کر جس نے میری طرف رجوع کیا (لقمان ع۲) تو اس کی پیروی بھی ہے۔ کہ جس طرح اس کا قلب ونفس ایسا رجوع اسے اللہ ہوا کہ اُس نے اپنے سب کو خدا کے حوالہ کر دیا۔ ایسا ہی تم بھی کرو کہ۔ ان صلواتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین میری نماز اور میری عبادتیں اور میری حیات وموت سب اللہ کے لئے ہے۔ (اعراف ع۲۰) تمہارا حال بھی ہو جائے۔

مرشد جب مسترشد میں امراض قلبی پائے گا تو اُس کا معالجہ ذکر و تذکیر اور پاس انفاس سے کریگا اور اگر امراض نفسی پائے گا تو اُس کا معالجہ فکر و مراقبہ اور پاس حواس سے کرے گا۔

اے لوگو! خدا کی راہ جسکی شان میں ہے تعرج الملئکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارُہٗ خمسین الف سنۃ۔ فرشتے اور روح خدا کی طرف عروج کرتے ہیں۔ ایکدن میں جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی راہ ہے (معارج ع۱) اُس کے فضل و کرم کے صدقے کہ اُس نے اتنی بڑی راہ کو دو قدم بنا دیا۔ ایک پاس انفاس دوسرا پاس حواس اور تیسرا قدم منزل مقصود ایسکو بھی اُس نے فرما دیا انھم یرونہ بعیدا ونراہ قریبا لوگوں کے نزدیک تو یہ راہ دور ہے مگر خدا کے نزدیک قریب جس کو اس نے کر دکھایا۔ سبحٰن اللہ وبحمدہٖ۔

معالجہ امراض قلبی

مریض روحانی جب رجوع کرے تو امام ربانی یا مرشد ربانی کو لازم ہے کہ اولاً تشخیص مرض کرے کہ طالب میں امراض قلبی ہیں یا امراض نفسی۔ اگر قلب کی بیماریوں میں سے جو اوپر بیان ہوئیں کوئی بیماری یا بیماریاں ہو تو خدائے ہادی حقیقی کی طرف رجوع کرے ومالنصر الا من عند اللہ مدد تو خدا ہی کے پاس سے ہے (ال عمران ع۱۳) تو خدا ہی سے طلب گار مدد ہو۔ پھر قرآن مجید کی طرف متوجہ ہو کہ یہی شفاء لما فی الصدور ہے۔ اور امراض روحانی کی تریاق ہے

جسمانی امراض کے متعلق تم نے ایسا دیکھا ہوگا کہ ایک ہی نسخہ مقوی ارواح اور بہتیرے امراض میں مفید ہے صرف مختلف بیماریوں میں اُس کا بدرقہ بدلتا رہتا ہے۔ یہ ایسی خدائی اصول پر ہے جو خدا نے امراض روحانی کے معالجہ کے لئے بتایا ہے۔ خدا کا تعلیم کردہ نسخہ ذکر کلمۂ طیبہ یا اسم ذات ہے جو مقوی ارواح اور مفرح قلب اور بہتیری بیماریوں میں مفید ہے جس کا بیان اس کے بعد آئے گا اور ذکر اسمائے صفاتی باری تعالیٰ یہ بدرقے ہے جو ہر بیماری کا بدلتا رہے گا۔ ۹۹ ننانوے نام اسماء حسنیٰ مشہور ہیں ان میں ۷۹ اُناسی نام وہ ہیں جو قرآن مجید میں صریحاً بیان ہوئے ہیں یہ ذکر کے لئے ہیں ۸ نام آیتوں سے مستخرجہ ہیں۔ یہ صفات باری ہیں یعنی یہ آیتیں مراقبہ کی ہیں۔ اور بارہ اسماء قرآن سے ثابت نہیں حدیث میں ہیں تو خدا کے اور بہتیرے اسماء صفات ہیں جو ان کے علاوہ ہیں مگر طالب کے ریاضات کے لئے یہی بہت ہیں۔ ذکر کے لئے تو کلمہ طیبہ یا اسم ذات کافی تھا پھر خدا نے یہ اپنے نام کیوں بتائے اور کیوں حکم دیا وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا (اسمائے حسنیٰ اللہ ہی کے ہیں اس کو انھیں ناموں سے پکارو) یہ اسی لئے کہ یہ اسماء صفاتی۔ مرض مریض کو ڈہانپ لے اور مریض صفت خداوندی میں پناہ لے کر بامراد ہو۔

مرشد کو چاہئے کہ اولاً ذکر کلمہ طیبہ یا اسم ذات کی تلقین کرے۔ جو ذکر کہ خفی ہو بقوت طلب ہو بہ تضرع ہو خشوع و خضوع کے ساتھ ہو۔ خدا کی عظمت و جلالت کے دھیان کے ساتھ ہو پاس انفاس کی نگہداشت کے ساتھ ہو اور ہر وقت ہو اوقات معینہ پر محدود نہ ہو فنا ہو کر ہو اور علیٰ ہذا جیسا کہ ذکر کے بیان میں بیان کیا جائے گا۔ یہ کل امراض کا علاج ہے مگر اجمالاً اور اشتراکاً۔ اس لئے اگر کوئی خاص مرض جو راسخ ہو اس کے لئے بدرقہ قوی کی ضرورت ہے۔ مرشد کو چاہئے کہ مرض مریض کو اسمائے حسنیٰ کے آگے پیش کرے۔ اور ان اسماء میں سے جو صفت دافع مرض نظر آئے اور اس سے مریض کی مناسبت و موافقت بھی ہو اور دلچسپی بھی اس کو چن لے۔ اور اس کی موقت ذکر کی ہدایت کرے۔ یہ اشتراک کے اور مسترشد کو ہدایت کرے کہ لن تجد من دونہ ملتحدا (خدا کے سوا اور کہیں پناہ نہ پاؤ گے (کہف ع ۲) تو اسی کی صفت میں پناہ ڈھونڈھو کہ وہ تم پر متولی ہو کر تم کو پناہ میں لے لے۔ مثلاً اگر مسترشد کو فکر رزق مارے ڈالتی ہو کہ اس کی طلب و عبادت میں حارج ہو تو اس کو علی الدوام ذکر کلمہ طیبہ یا ذکر اسم ذات کے ساتھ موقت ذکر یا رزاق کی بھی

تلقین کرنی چاہیئے۔ یا جس کو دوڑ دھوپ کی ناکامیوں نے مجبور کر رکھا ہو۔ اس کو یا وہاب کی۔ اگر
یاس پیدا ہو گئی ہو تو یا قدوس کی۔ بیماریاں یا بیمار داریاں پریشان کر رہی ہوں۔ کہ وہ ہوش نہیں
درست کر سکتا۔ تو یا شافی کی۔ مصیبتیں تباہ کن ہوں تو یا رحیم کی۔ طرح طرح کے عیوب میں
گرفتار ہو۔ اور ناپاکیوں میں آلودہ تو یا قدوس کی۔ جہالت قلب ہو تو یا علیم کی۔ کوری قلب
ہو تو یا نور کی۔ غفلت ہو تو یا صمد کی ذکر تلقین کرنی چاہیئے۔ مدرقہ بدلنے کے یہ معنی ہیں
کہ ذکر اس طرح ہو کہ اس میں تبتل حاصل ہو اور فنا و یکسوئی اور بہر حال منہیات قرآنی سے پرہیز لازم
ہے۔ ورنہ بدپرہیزی علاج کو کارگر نہ ہونے دے گی۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب آگاہ ہو کہ خدا کے ذکر ہی سے قلوب مطمئن ہوتے ہیں۔ یہ ذکر
بیماری کو دور کر کے اطمینان بخشے گا۔ اور ایمان کامل تم کو مطمئن کر دے گا کہ ہمارا کام اس دنیا میں
فرائض انسانی اور حقوق و ہبات ربانی کی ادائے گی کے سوا جیسا کہ اخلاق کے زیر سرخی
بیان ہوا زیادہ نہیں ہے۔ ہم ایک خدائی مشین ہیں کہ ہمارا کام سلسلہ اسباب کا جوڑنا اور فرائض
کا انجام دینا ہے۔ اور بس۔ باقی ہوتا جو کچھ ہے وہ سب افعال الٰہیہ ہیں۔

اے لوگو۔ اس معالجہ کا مستحق ہونا تو بدیہیات میں داخل ہے۔ ایسے حتمی معالجہ کی تعلیم خدا ہی نے
فرمائی اور وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا فرما کر دریا کو کوزہ میں بند کر دیا۔ ذکر تو دلوں سے
خدا کو پکارنا ہی ہے۔ اس لئے فادعوہ بہا کے یہ معنی نہیں کہ ویسے پکارو جیسے تم ایک دوسرے کو
پکارتے ہو۔ بلکہ یہ صریح ذکر اسماء حسنیٰ کی تعلیم ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ چاہے کوئی بھی ذکر کرو۔ پھر قلب میں لکھا ہوا جو پاؤ گے۔ وہ کلمہ طیبہ ہی کو۔
اور قلب سے ذکر کی آواز جو بہت زور دار بھی تم کو سنائی دے گی۔ تو وہ اسم ذات ہی کی
اس کی وجہ سائنس والوں سے دریافت کرنی چاہیئے۔ جو قیاسات کے بلوں پر اوڑنا خوب
جانتے ہیں۔ مگر وہ تو سرے سے انکار ہی کر دیں گے۔

غرض ذکر امراض قلبی کا علاج ہے۔ اور فکر امراض نفسی کا۔

جب امراض طحال و جگر دونوں ہوں تو کسی ایک کی غفلت مار ڈالنے کو کافی ہے۔ اس لئے
علاج امراض قلبی کے ساتھ۔ امراض نفسی سے کبھی غفلت نہ کرنی چاہیئے۔ بلکہ ابتداءً ذکر کے
ساتھ فکر فی الانفس یعنی مراقبہ کی بھی ہدایت ضرور ہے اور امراض نفسی کے علاج کی بھی جو
علاج امراض نفسی میں بیان ہوگا۔

معالج کو یہ دیکھتے رہنا چاہیے کہ معالجہ فائدہ کر رہا ہے یا نہیں اور صحت آ رہی ہے یا نہیں یعنی گرمش اور روشش پیدا ہو رہی ہے یا نہیں۔ اور قلب محبت قدس سے معمور ہو رہا ہے یا نہیں کیونکہ یہی پاک محبت ہے جو خدا تک رسا ہوتی ہے۔ یہ خیال نکرو کہ محبت وہبی چیز ہے کسب سے حاصل نہیں ہوسکتی ہر چیز اپنی حقیقت کے اعتبار سے وہبی ہے اور عالم اسباب کے اعتبار سے کسبی۔ اس کو تو تجربۃً بھی دیکھ سکتے ہو مثلاً کسی سے اگر جھوٹوں بھی محبت کا دعویٰ کیا کرو تو تھوڑے دنوں میں تم اپنے دل میں اس کی محبت محسوس بھی کرنے لگو گے۔ دیکھو خدا نے بھی ان الذین آمنوا وعملوا الصلحت سیجعل لھم الرحمن ودا جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے تو خدا انھیں عنقریب مودت و محبت عنایت فرمائے گا (مریم ۹۶) ایمان و اعمال صالحہ سے خدا کی محبت پیدا ہوتی ہے تو محبت کسبی بھی ہوتی ہے۔ باطن جب امراض سے صحت یاب ہو جاتا ہے تو یہی باطنی طلب قوت صحت سے توانا ہو کر محبت ہو جاتی ہے اگر مریض قلب رو بصحت ہوا اور اس میں گرمش و روشش پیدا ہوئی اور اس کے اعمال اعمال صالحہ سے بدلے اور اس کو محبت عنایت ہوئی تو معالج کو چاہیے کہ محبت کو بے راہ روی سے روکے اور اسکی ہستی کو عبودیت میں لگائے۔

آجکل مریض کو راہ کی تلقین کر دی جاتی ہے۔ اور معالجہ امراض ہوتا نہیں۔ اس لئے ریاضات لوگ کرتے ہیں مگر امراض کے سبب انکی راہ کھوٹی رہتی ہے۔ عمر گذر جاتی ہے اور وہیں کے وہیں۔ مریض مر جاتا ہے اور الا من اتی اللہ بقلب سلیم کے استثنا میں داخل نہیں ہوتا اس کے سوا قرآن مجید موجود ہے کلام الٰہی جس کی ہر آیت کا آخر ٹکڑہ موصل الی المطلوب ہے۔ اس میں تدبر و تفکر کرو راہیں پاؤ گے۔ مرادیں پاؤ گے۔ زیادہ لکھنے سے تو یاد نہیں رہتا اس لئے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

ذکر

صوفیہ فرماتے ہیں کہ خدا نے فرمایا ہے اور بہت جگہ فرمایا ہے فاذکروا اللہ خدا کا ذکر کیا کرو۔ امر کا صیغہ ہے مستلزم وجوب اس لئے ہر شخص پر ذکر کرنا فرض ہے۔ اس پر اہل حدیث معترض ہوتے ہیں کہ فاذکروا اللہ کے معنی ہیں خدا کو یاد کرو۔ تو نماز پڑھتے ہی ہو۔ خدا کا تذکرہ کرتے ہی وعظ و نصیحت کرتے ہو۔ حدیث پڑھتے پڑھاتے ہی ہو۔ بس ہوا۔ اس سے وہ ذکر تو ہرگز ثابت نہیں ہوا۔ جو صوفیہ کرام کرتے ہیں اور جس کو ذکر اصطلاحاً کہا جاتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہوئی کہ

میں ذکر کی نسبت قرآن مجید سے بیان کروں تاکہ اس معترضانہ شکوک پیدا کرنے سے
طالبین کی راہ ماری نہ پڑے ! اور اہل حدیث کو بھی اگر ان کا قرآن مجید پر ایمان ہے ذکر
کرتے ہی بنے۔

خدا نے فرمایا اقراء باسم ربک الذی خلق اپنے خدا کا نام پڑھا کرو جس نے تمہیں پیدا
کیا (علق ۱) یہ صریح ذکر لسانی کی تعریف ہے۔ اول تعلیم ذکر لسانی ہی کی ہے خدا نے
اقرا اور اسم ربک فرمایا یعنی اس کے نام کو پڑھا کرو۔ یہ ذکر لسانی نہیں تو اور کیا ہے یعنی زبان
اللہ اللہ کی رٹ لگاؤ یہی اللہ کا نام پڑھتے رہنا ہے۔ یہ ذکر کی بسم اللہ ہے اگر دل میں
اس کا نام پڑھتے رہو تو یہ ذکر قلبی ہے۔

خدا نے فرمایا واذکر ربک خدا کا ذکر کیا کرو۔ (اعراف ۲۳) اور یہ بھی فرمایا واذکر اسم ربک خدا کے
نام کا ذکر کیا کرو (مزمل ۱) دونوں آیتوں کے دو معنی ہیں۔ ایک میں خدا کے یاد کرنے کو کہا۔
اور دوسری میں اس کے نام کو یاد کرنے کو کہا گیا۔ دونوں دو حکم ہیں۔ دونوں کی تعمیل فرض
پہلا حکم تو یہ کہ اس کو یاد کرو اب جیسے یاد کرو اور جسطرح وہ تمہیں یاد آئے۔ یہ بہت عام ہے
تلاوت قرآن سے ہو۔ نماز سے ہو۔ مروجہ ذکر و فکر سے ہو۔ تذکرہ سے ہو۔ جیسے ہو وہ
تمہیں اختیار ہے اس میں ہم مجاز کئے گئے۔ اور دوسرا حکم ہے کہ اس کے نام کو یاد کیا کرو
اس کے نام کو یاد کرنا ذکر مصطلح کے سوا اور کچھ تعلیم نہیں کرتا یہ تو صاف واضح ہو گیا کہ ہم کو اسکے
نام کا ذکر کرنا ضرور ہے تو اسکے نام کا ذکر ہم کس طرح کریں تو خدا فرماتا ہے یھدی الیہ
من اناب ہ الذین امنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

وہ ہدایت کرتا ہے اپنی ذات کی طرف اس کو جو اُدھر رجوع ہوا۔ یہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور
ان کے قلوب ذکر خدا سے آرام پاتے ہیں سن رکھو کہ ذکر اللہ ہی سے قلوب آرام
پاتے ہیں (رعد ۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر کو تعلق قلب سے ہے اس لئے
جہاں پر ذکر کا لفظ آئے اور وہ صریح اور مفہوم پیدا نہ کرے۔ وہاں سمجھنا چاہیے کہ خدا ذکر قلبی
ہی کو فرما رہا ہے یعنی ذکر اسم ذات قلب سے کرنا چاہیے۔

اس کے سوا ذکر قلبی خدا کے نام کا ذکر ہے۔ اور خدا کو یاد کرنا بھی ہے۔ اسلئے یہ دونوں آیتوں
کی تعمیل ہے پھر اس سے کسی کو انحراف کی کیا وجہ ہے سوائے اس کے کہ وہ خدا کے
ذکر سے اعراض کرتا ہے اور من اعرض عن ذکری کی تہدید میں داخل ہوتا ہے۔ بغیر جمعیت قلبی کے

خدا کی راہ نہیں مل سکتی۔ کیونکہ اضطرار سے ذکر و فکر سب کا ہی دروازہ بند ہو جاتا ہے اور جمعیت خاطر ذکر قلبی سے ہی حاصل ہوتی ہے اسی لیئے خدائی راہ کے رہرو چاہے انکی روش الٹی یا سیدھی ہو یعنی کسی مذہب کے طالب خدا کو لو۔ جوگی ہوں یا رہبان یا مسلمانوں میں صوفیہ کا کوئی فرقہ ہو تمام میں ذکر قلبی جاری ہوا۔ جاری ہے اور جاری رہے گا۔

میں نے خدا کے نام کے ذکر کو بیان کیا اور اس کو بھی کہ اس کا تعلق قلب سے ہے یعنی ذکر قلبی کو بھی بیان کیا تو یہ ذکر قلبی کس طرح یاد کیا جائے تو خدا فرماتا ہے اذکروا اللہ کما علمکم اور یہ اذکروا اللہ کما ھدا کم خدا کو اس طرح یاد کیا کرو جس طرح اس نے تم کو تعلیم کی اور ہدایت کی تو اب قرآن مجید میں ڈھونڈنا چاہیئے کہ کس طرح اس نے ذکر کی تعلیم و ہدایت کی ہے۔

تو خدا فرماتا ہے فاذکروا اللہ کذکرکم اباءکم او اشد ذکرا۔ خدا کو اس طرح یاد کیا کرو جسطرح اپنے باپ کو یاد کرتے ہو۔ خدا کی یاد تو اس سے بھی شدید تر ہونی چاہیئے (بقرہ ع ۲۵) یہ آیت تدبر کرنے کی ہے۔ دنیا میں باپ خالق مجازی ہے اور مجاز سیڑھی ہے حقیقت کی یا آئینہ ہے حقیقت کا۔ اسی لئے تو پیدائش کے لیئے والدین کا ذریعہ اور سلسلہ خدا نے قائم کیا تا کہ دور افتادوں کے لئے یہ مجاز حقیقت کی طرف رہنما ہو۔ تو والدین کو انسان محبت کے ساتھ یاد کرتا ہے مگر کیسی محبت جس میں شان ہوتی ہے عظمت کی رنگ ہوتا ہے تقدس کا جس میں جلوہ ہوتا ہے جمال و جلال کا اور کیفیت ہوتی ہے۔ امید و بیم اور خوف و رجا کی۔ تو خدا کے ساتھ ایسی ہی محبت کے ساتھ یاد کرنے کا حکم ہے۔ بلکہ کامل تر یعنی اس سے بھی شدید تر کیونکہ حقیقت و مجاز کا فرق ہے۔ خدا کو ایسی ہی محبت کے ساتھ یاد کیا کرو۔ عام ہے اس کی یاد مصطلحہ ذکر و فکر سے کرو۔ یا تلاوت قرآن۔ یا نماز میں یا جسطرح وہ محبت نہیں جو دوست احباب بھائی بہن۔ زن و شو اور صورت مرئیں ہوتی ہے کیونکہ خالقیت کے شریک نہیں اور خالق کی محبت کی یہ مجاز صورتیں نہیں ہیں۔ آجکل شہوت پرستی کے سبب ماں کی محبت۔ باپ کی محبت دلوں سے جاتی رہی ہے۔ اور زن پرستی نے دلوں پر قبضہ کر لیا ہے اس لیئے خدا کے ساتھ بھی اسی شان کی محبت ہوتی جاتی ہے جو خلاف شان ربوبیت ہونے کے سبب خلاف غیرت خداوندی ہونے کے سبب سراسر نارسا ہے۔ رادھا۔ چھیلا۔ سنولیا وغیرہ الفاظ غلط نسبت پیدا کرتے ہیں جس سے جوانی کا جوش ابال کھاتا ہے مگر اس میں تقدس نہیں۔ اور عظمت کبریائی نہیں۔ اس لیئے یہ نارسا ہے۔ بنی کے چھرے کے دو پیا

ان باتوں کی صحت کرلو۔

انسان والدین کو کس عظمت اور پاک محبت سے یاد کرتا ہے۔ بلکہ والدین کی چیزوں کے ساتھ جو والدین سے منسوب ہوں کس طرح کا ادب کرتا ہے کہ والدین کے پلنگ پر نہیں سوتا والدین کی جگہ پر نہیں بیٹھتا۔ والدین کا ملبوس نہیں پہن لیا کرتا۔ اسیطرح خالق حقیقی کے ساتھ ادب اور شعائر اللہ کی عظمت ملحوظ رکھنا اور اقتضائے عبودیت سمجھنا چاہیے من یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب ہ جو کوئی شعائر اللہ کی عظمت کرتا ہے تو وہ دل کی پرہیزگاری سے کرتا ہے (حج ع ۴) جس طرح والدین کے ساتھ ظاہری اور باطنی دونو ادب کرتے ہو کم سے کم ظاہری ادب تو فروگذاشت نہیں کرتے جو والدین کا ادب نہیں کرتا وہ خلق اللہ میں ملعون سمجھا جاتا ہے اسیطرح بلکہ اس سے بھی زیادہ تر خالق حقیقی کا ادب ملحوظ رکھو۔ ظاہری اور باطنی دونوں یعنی شریعت اور طریقت دونوں کی نگہداشت کے ساتھ ورنہ کم سے کم ظاہری ادب سے تو نہ چوکو کہ روسیاہ نہ سمجھے جاؤ۔ اس لئے نماز روزہ اگر ظاہری ہی ادب کے ساتھ ہوسکے تو اس سے تو فروتر نہیں جو ظاہری ادب والدین کے ساتھ برتتے ہو۔ مگر یاد رکھو کہ جسم بے روح مردہ ہے عبادت بے اخلاص و حضور قلب۔ علیم ظاہر و باطن کے حضور میں کوئی ہستی نہیں رکھتی۔ مگر ظاہر بینوں سے تمہارا چھٹکارا ہو جائیگا۔

غرض ایسی ہی محبت کے ساتھ خدا کا ذکر کیا کرو۔ اس نے فرمایا قد افلح من تزکی ہ و ذکر اسم ربہ فصلی ہ بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا ہ والاخرۃ خیر و ابقی ہ ان ھذا لفی الصحف الاولی صحف ابراھیم و موسی ہ بے شک وہ مراد کو پہونچا جس نے تزکیہ کیا اور خدا کے نام کا ذکر کیا اور نماز پڑھی بلکہ تم مقدم رکھتے ہو حیات دنیاوی کو حالانکہ آخرت کہیں بہتر اور پائدار ہے۔ یہی بات تو اگلے صحیفوں میں تھی۔ یعنی صحیفہ ابراہیم اور موسی میں بھی (اعلی) اگر ذکر کے خدا کو یاد کرنے کے معنی لئے جائیں۔ تو اسم کا لفظ بیکار ہو جاتا ہے۔ اس لئے نام کو یاد کرنے کے معنی مصطلحہ ذکر ہی کے ہیں۔ اس کے سوا تزکیہ کو تعلق ذکر مصطلحہ سے ہی ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ قوم ذکر مصطلحہ سے واقف تھی اس لئے مصطلحہ ذکر کو بتانے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ کیونکہ خدا نے فرما دیا۔ کہ جس نے تزکیہ کیا وہ بامراد ہوا یعنی جس نے ذکر اسم ذات کیا اور نماز پڑھی اور اس کاروبار دنیاوی پر مقدم کیا اور آخرت کو بہتر اور باقی سمجھا۔ یہ کوئی نئی ہدایت نہیں کی گئی یہی ہدایت حضرت ابراہیم کے صحیفہ میں اور توریت میں اور کل اگلے صحف میں پہنچی تھی

اسی سے کل دینوں میں مصطلحہ ذکر کا وجود پایا جاتا ہے گو چہ بگڑ کر وہ غیر اللہ کے لئے ہو گیا۔
فویل للقسیة قلوبھم من ذکر اللہ اولئك فی ضلل مبین۔ افسوس ہے جن کے قلوب ذکر اللہ کی طرف سے سخت ہیں (کہ وہ مرض سخت دلی کے سبب ذکر نہیں کرتے) تو وہ صریح گمراہی میں ہیں (زمر ۳۔) کیا اس سے صاف نہیں واضح ہوتا کہ ذکر کو تعلق ہے قلب سے جس کا قلب سخت ہوتا ہے وہ ذکر نہیں کرتا۔ ورنہ یاد کی طرف سے قساوت قلبی کے کیا معنی کون کافر ہے کہ باہمہ کفر و شرک بھی کم سے کم تذکرہ کے وقت مصیبت کے وقت اس کو خدا نہ یاد پڑ جاتا ہو۔

فالٰھکم الہ واحد فلہ اسلموا وبشر المخبتین الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم لوگو! تم سب کا خدا خدائے واحد ہے تو اپنے کو اسی کو حوالہ کرو۔ اور عاجزی کرنے والوں کو بشارت دو عاجزی کرنے والے وہ ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ (یعنی جب وہ ذکر کرتے ہیں) تو انکے قلوب ڈر جاتے ہیں (حج ۵۔) اگر ذکر مصطلحہ کو خدا نے نہیں فرمایا ہوتا تو وجلوا فرماتا یعنی خدا کے نام سے وہ دل جاتے یا ڈر جاتے ہیں اور جب وجلت قلوبھم فرمایا تو اس کے معنی یہی ہیں کہ وہ ذکر جس کو تعلق قلب سے ہے۔ ذکر کر کے دیکھ لو کہ اس آیت کی وضاحت یوں ہوتی ہے یا ذکر مصطلحہ سے ہوتی ہے اگر وہ باقاعدہ کیا جائے۔
خدا نے اس کو اور بھی صاف کر دیا ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا اور نہ کہا مانیو اس کا جس کے قلب کو ہم نے ذکر سے غافل کر دیا (کہف ۲۸) ذاکر ہوتا ہے قلب۔ اور غافل ہوتا ہے۔ یہ غفلت قلب کی سخت بیماریوں میں سے ہے تو قلب کو یاد سے غافل کرنے کے کیا معنی ہوں گے آدمی یاد سے غافل ہوتا ہے خیال اور دھیان یاد نہیں کرتا۔ وہ غافل ہے اور قلب غافل ہوتا ہے ذکر قلبی سے۔ توریت میں آنحضرت کی پیشین گوئی ہے اس میں آپ کا نام احمد تک موجود ہے صلی اللہ علیہ وسلم مگر عیسائیوں نے اس کا ترجمہ کر دیا حمد کیا گیا۔ اور معرفہ کو نکرہ بنا دیا۔ اسی طرح جس کا جی چاہے ہر جگہ فکر کا ترجمہ یاد کرنا کر دے تو وہ آپ گھاٹا اٹھائے گا کہ وہ ہر وقت قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم خدا کی یاد کا دعویٰ تو کرے گا مگر وہ عند اللہ محض بولا دعوے ہو گا۔
الم یان للذین اٰمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل من الحق کیا مومنوں کیلئے وہ وقت نہیں آیا کہ اللہ کا ذکر کرتے وقت اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت انکے دل گداز ہو

(حدید ع ۲) یعنی ذکر کے وقت دل کو گداز ہونا چاہیے۔
واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا اُس کے نام کا ذکر کیا کرو۔ اور اُس کے ساتھ جٹ جاؤ
جو جٹنے کا حق ہے (مزمل ع ۱) یہ مصطلحہ ذکر کا حکم ہے اور تبتل حقیقت ذکر ہے۔ مذکور میں
فنا ہو جانا۔ وہ ذکر نہیں کہ تیلی کے بیل کی طرح معمولاً بے خبری سے چکر لگاتے رہو کہ چلے بھی
اور نہ بھی چلے۔ جہاں تھے وہیں کے وہیں۔ ایسا ذکر کیا کہ مذکور کی طرف دل جا سکے تک
نہیں۔ ایسا ذکر کیا کہ مذکور کو دل پکارے تک نہیں۔ ذکر تو وہ کہ ہر دفعہ دل پکار اُٹھے کہ
اے مقصود تو کہاں ہے۔ اے محبوب تو کدھر ہے یہاں تک کہ مذکور میں فنا اور تبتل حاصل
ہو۔ یہ ذکر مقصود تک رسا ہوگا۔ ذکر ہی فکر کا دروازہ کھولتا ہے۔ یہی غفلت سے بے پناہ
دشمن پر فتحیاب کرتا ہے۔ یہی وہ پہرہ دار ہے کہ جب یہ پہرہ پر ہوتا ہے تو رات دن ہمارے
سوتے جاگتے ٹہلتا رہتا اور کسی چور اور ڈاکو کو راہ نہیں دیتا ہے۔ یہی ذکر طلب خالص ہو کر
سوزت ہو کر محبت ہو کر عظمت ہو کر محبوب میں فانی اور عبودیت ہو کر محبوب کے ساتھ باقی
ہو جاتا ہے اللہ اللہ تو کیا ہے اور تیرا ذکر کیا۔ قربان تیرے اور صدقے تیرے نام کے یہی
تبتل حقیقت ذکر اور فنا ہے۔ فنا کے معنی معدوم ہونے کے نہیں بلکہ تام ترکیسو ہو سکنے کے ہیں۔
تو گویا ذکر کی یہی نعمت۔ سانس کی غافلانہ آمد و شد اور ضرب کی بعبتانہ پھول کی چھڑیوں سے
نہیں حاصل ہونے کی اس میں کوشش درکار ہے کہ ہو اور صحیح ہو اور بہت ہو۔ یا ایہا
الذین اٰمنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا وسبحوہ بکرۃ واصیلا مومنو! اللہ کا بہت
زیادہ ذکر کیا کرو۔ اور اس کی تسبیح کیا کرو۔ صبح و شام (احزاب ع ۶) یہ تو منافقوں کی
شان ہے کہ وہ خدا کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔ لا یذکرون اللہ الا قلیلا ۔
(نساء ع ۲۱) خدا نے بہت ذکر کرنے کو کہا اور تسبیح کو بھی اور صبح و شام۔ تو جس طرح اسکی
تسبیح کرو اسی طرح اس کا ذکر کرو۔ مگر اس کی تسبیح سبحان اللہ سے کرو۔ تو اس کا ذکر بھی
اللہ اللہ سے کرو اور کم سے کم صبح و شام تو کر لیا کرو۔ دوسری جگہ خدا نے دوام ذکر کی
آیتیں دی ہیں۔ وہ بیان کی جائیں گی۔
اوپر کی آیت میں یہ خیال ہو سکتا تھا کہ صبح و شام کس ذکر کے مامور ہیں تو خدا نے فرمایا
واذکر اسم ربک بکرۃ واصیلا خدا کے نام کا صبح و شام ذکر کیا کرو۔ (الدھر ع ۲) اے
اسلام کے فرقو! ایسا نہیں کہ صوفیوں سے اختلاف کے پیچھے ان آیات کی تعمیل سے بجائے

ان آیتوں سے نافرمان بن کر بارگاہ خداوندی سے مردود ہوا اور ذکر کی بیقدری کرو۔ ذکر تو خدا کی یاد ہی ہے تو یاد رکھو۔ لذکر اللہ اکبر خدا کا ذکر سب بڑی چیز ہے اس سے غفلت نہ کرو کم سے کم صبح و شام تو کر لیا کرو۔

ادعوا ربکم تضرعا و خفیۃ خدا کو بہ تضرع پکارو اور آہستہ (اعراف پ ۸) ذکر کیا ہے خدا کو پکارنا ہی ہے وہ تو دل کی آواز کو سنتا ہی ہے پھر اسے زور سے کیوں پکارو۔ خدا نے اس کو خود ہی واضح بھی کر دیا۔ واذکر ربک فی نفسک تضرعا و خیفۃ ودون الجہر من القول بالغدو والاصال ولا تکن من الغفلین۔ خدا کو اپنے نفس میں یاد کیا کرو بہ تضرع اور بہ خفا۔ زور سے نہیں۔ پکار کے نہیں۔ کم سے کم صبح و شام تو یاد کر لیا کرو۔ کہ غافلوں میں نہ ہو (اعراف پ ۲۴) یہ میں کیونکر بتاؤں کہ ذکر قلبی ترقی پا کر ذکر نفسی ہو جاتا ہے کہ ذاکر کا نفس اور اس کا سارا وجود ذاکر ہو جاتا ہے جس کو اس آیت میں خدا نے فرمایا۔ میں اسے کیونکر بتاؤں جس نے میٹھا چکھا نہ ہو اسے میٹھا س کیونکر بتا سکتے ہو۔ جب تک چکھاؤ نہیں۔ سارے کیفیات کا یہی حال ہے خدا نے واذکر ربک فی نفسک فرمایا تم اس ترجمہ سے تسکین کر لیتے ہو۔ کہ خدا کو جی میں یاد کرو تو خیفہ بیکار ہو جاتا ہے فی نفسک بھی اور خیفہ بھی کیا معنی تو درحقیقت خدا ذکر نفسی کو فرما رہا ہے جس کا کچھ بیان سلطان الذکر میں آئے گا۔

تتجافی جنوبہم عن المضاجع یدعون ربہم خوفا و طمعا۔ مومنین کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے وہ خوف و رجا کے ساتھ خدا کو پکارتے رہتے ہیں (السجدہ پ ۲۱) یعنی خدا کا ذکر خوف و رجا کے ساتھ کرنا چاہیئے یدعون کا لفظ ہے کوئی کسی کو پکارتا ہے تو نام ہی سے کر اس لئے یہ بالعموم یاد کی نسبت نہیں بلکہ ذکر کی نسبت ہدایت ہے۔

لا تلہکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ مال اور اولاد خدا کا ذکر بھلا کر ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ (المنفقون پ ۲۸) کاروبار میں یا اولاد کے متعلق کاموں میں یعنی سارے کاموں میں ذکر جاری رہے۔ دل بیار و دست بکار ایسا نہ ہو کہ مال و اولاد کی مشغولی تمہیں خدا کا ذکر بھلا دے اور تم ہلاکت میں پڑو یعنی ذکر سے غفلت موجب ہلاکت ہے۔ اسی طرح ذکر میں بھی غفلت نہ ہونی چاہیے۔ کہ ذکر ہو بھی تو غافلانہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کو خدا نے فرمایا لا تنیا فی ذکری میرے ذکر میں غفلت نہ کرنا (طہ پ ۱۶) غافلانہ ذکر ذکر نہیں ہے

وہ رسم و رواج کے مطابق خدا کے مسخر کرنے کا عمل ہے یا گنتی پوری کرنے کی تاثیر مطلوب ہوتی ہے۔ اور یہ طلب کی بے راہ روی ہے۔ طالب تاثیرات و مقامات طالب خدا نہیں ہوتا۔ طلب میں اخلاص لازم ہے۔

اولوالالباب کو خدا نے فرمایا ہے الذین یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً و علیٰ جنوبہم و یتفکرون فی خلق السمٰوات والارض عقلمند وہ ہیں جو کھڑے بیٹھے لیٹے (یعنی ہر وقت) خدا کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور نظام آسمان و زمین میں فکر کرتے رہتے ہیں (آل عمران ہے) اس آیت میں خدا نے صاف ذکر و فکر کی ہدایت فرمائی ہے۔ ہر وقت ذکر مصطلحہ کرنے کے معنی نہیں۔ بلکہ بالعموم ہر وقت یاد کرنے کے معنی لو۔ بالعموم تو وہ فکر میں آجائے گا جس کی ہدایت الگ سے موجود ہی ہے اور فکر کو الگ کردو تو ایسی یاد ناممکن۔ اس لئے بالضرور یہ ذکر مصطلحہ یعنی ذکر قلبی کی ہدایت ہے۔ اور غایت ذکر فکر ہی ہے غرض کھڑے بیٹھے لیٹے ہر وقت ذکر کرنا ہدایت باری ہے صرف ترجمہ کر دینے اور اختلافات مفسرین کو پڑھ دینے سے کام نہ چلے گا عمل درکار ہے عمل تو کبھی تم نے اس ہدایت ربانی پر غور کیا ہے اس پر چلنے کی کوشش اگر کی ہے تو بتاؤ تو سہی کہ تم کس طرح اس پر کامیاب ہوئے۔ تم کس طرح کامیاب ہو سکتے ہو۔ کیونکہ تم یا تو ترجمہ ہی کر دینے کو عمل سمجھتے ہو اس لئے ذکر و فکر کرنے سے کیا کام۔ یا چونکہ فرقہ صوفیہ ان ہدایات پر عمل کرنے کے پیچھے جان دئے ہوئے ہے تو تعصب تم کو کس طرح انکی مشابہت کی اجازت دے۔ یا تم ایسے ذکر و فکر کو محال سمجھتے ہو کہ کاروبار بھی اور ذکر بھی۔ تم اس پر ایمان لا ہی نہیں سکتے رجال لا تلھیھم تجارۃ و لا بیع عن ذکر اللہ خدا کے بندے ایسے ہیں کہ انھیں ذکر خدا سے نہ تجارت مانع ہے نہ بیع (النور ہے)

ذکر کا لگاؤ سانس کے ساتھ کیوں دیا گیا۔ اس کو پاس انفاس کی سرخی میں بیان کروں گا یہاں پر اتنا ہی کہہ دینا کافی ہوگا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے کہ یہ ذکر قلبی مفروضہ ازلی ہے۔ صحف ابراہیم اور صحف موسیٰ علیہ السلام سب میں یہ حکم تھا چونکہ یہ حکم ازلی ہے۔ اس لئے حکم دیا گیا کہ خدا کے نام کا ذکر کیا کرو تو قوم ذکر کے اصطلاح سے واقف تھی عامل ہوئی اور اسی لئے سارے مذہب میں یہ پایا بھی جاتا ہے۔

ذکر کیونکر کیا جائے۔ خدا نے کس طرح ہماری ہدایت فرمائی ہے وہ میں نے کسی قدر بیان کر دیا مختصراً یہ کہ ابتداً اللہ اللہ کی رٹ لگاؤ زبان سے ہو یا دل میں یہ بھی بیان کیا کہ ذکر کو تعلق

قلب سے ہے۔ تو اللہ کے نام کا ذکر اسم ذات قلب سے کیا کرو یہی ترقی پاکر ذکر نفسی
ہو جائے گا جس کو سلطان الاذکار کہا جاتا ہے۔ یہ ذکر محبت کے ساتھ ہو اس کی عظمت
و جلالت کے خیال کے ساتھ ہو۔ اس کی تنزیہہ و تقدیس کے دھیان کے ساتھ ہو
ادب ظاہری اور باطنی کے ساتھ ہو خشوع و خضوع کے ساتھ ہو تبتل کے ساتھ یعنی ذکر
میں فنا ہو کر ہو۔ کثرت کے ساتھ ہو۔ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر وقت ہو۔ بتضرع و بخفا ہو
بخوف و رجا ہو۔ کم سے کم صبح و شام ضرور ہو۔ ورنہ ہر وقت ہو۔ غفلت کے ساتھ نہ ہو
ذکر میں اور کوئی وسوسہ یا خیال نہ آئے کہ موجب ہلاکت ہو۔ تبارک اسم ربک ذی الجلال
والاکرام۔ جس طرح ذکر اسم ذات ہے ذکر کلمہ طیبہ بھی ہے۔

ذکر کلمہ طیبہ

الم تر کیف ضرب اللہ مثلا کلمة طیبة کشجرة طیبة اصلها ثابت وفرعها فی السماء
تؤتی اکلها کل حین باذن ربها ویضرب الامثال للناس لعلهم یتذکرون۔
کیا تم نے خیال نہیں کیا کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال دی کہ کلمہ طیبہ اک پاک درخت
کے مانند ہے۔ اسکی جڑ مضبوط ہے اور اسکی شاخ آسمان میں ہے۔ حکم خداوندی سے ہر وقت
وہ پھل لاتا ہے۔ اللہ لوگوں کے لئے مثال بیان فرماتا ہے کہ لوگ سوچیں سمجھیں اور یاد
ذکر کیا کریں۔ (ابراھیم ع ۳)
کلمہ طیبہ سے یہی ذکر کو خدا نے بیان فرمایا ہے۔ اسی کی جڑ دل میں ہے۔ ایسی مضبوط جس کو
کوئی اکھاڑ نہیں سکتا۔ بادشاہ وقت بھی نہیں کیونکہ کسی کی دسترس وہاں تک ہو ہی نہیں سکتی
جب اس کی صفت بلفظ ثابت بیان کی گئی ہے اور اسکی شاخیں آسمان میں ہیں تو کیس کی
صفت ہو سکتی ہے۔ بجز ذکر کے جس کا مذکور اعلیٰ سے اعلیٰ ہے۔ ہر وقت وہ پھل لاتا ہے
کونسا درخت ہو سکتا ہے بجز ذکر پاس انفاس کے مثالاً خداوند عالم نے ذکر کلمہ طیبہ اور اسکے
پاس انفاس کو صریح اور صاف بیان فرمایا ہے یہ پاس انفاس کی دائمی لذت ہر وقت کا
پھل لاتا ہے ورنہ دنیا میں کوئی درخت بتاؤ جو ہر وقت پھل لاتا ہو اور ان صفات سے متصف ہو
خدا نے خود بھی فرما دیا کہ ہم نے کلمہ طیبہ کو مثالاً کیوں بیان کیا تا لوگ سوچیں سمجھیں اور
ذکر کیا کریں۔

کلمہ طیبہ کا ترجمہ اچھی بات کر دینا ویسی ہی ہے۔ جیسے صلوٰۃ وزکوٰۃ سب کا ترجمہ کر دو کہ
صلوٰۃ کے معنی دعا اور زکوٰۃ کے معنی پاک کرنا تو چلو صلوٰۃ وزکوٰۃ سب سے چھٹی ہوئی
حالانکہ صلوٰۃ وزکوٰۃ کی طرح کلمہ طیبہ کی اصطلاح بھی قولاً اور متواتراً ثابت ہے کہ کس کو کہتے
ہیں۔ اسی کے کہنے اور اسی پر یقین کرنے سے لوگ مسلمان ہوتے آئے اور مسلمان ہوتے
ہیں۔ اگر ایسا نہ سمجھا جائے تو ایسے اہم بالشان کلمہ کی سند قرآن مجید میں نہ ملے گی۔
علاوہ اس عمل متواتر کی سند کے کہ کلمہ طیبہ ایمان کے لئے پیش کیا جاتا تھا۔ اس اصطلاح کو بھی
سمجھے دکھاتا ہے کہ کلمہ طیبہ کا مفہوم لا الٰہ الا اللہ تھا بھی اور ہے بھی۔
تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد پنجم سورۂ ابراہیم کی تفسیر صفحہ ۲۴۹ میں لکھا ہے جہاں اس آیت کی
تفسیر بیان کی ہے قال ابن عباس الکلمۃ الطیبۃ ھی قول لا الٰہ الا اللہ۔
اسی کو یوں بھی دیکھو کہ اس کے بعد دوسری آیت میں کلمہ خبیثہ کا بیان ہے۔ مثل کلمۃ خبیثۃ
کشجرۃ خبیثۃ اجتثت من فوق الارض ما لہا من قرار اور مثال کلمہ خبیثہ کی یہ ہے کہ
وہ درخت خبیثہ کے مانند ہے جو پتھر پر ہے کہ اس کو قرار نہیں یہ کلمہ کفر ہے۔ اور اس کے
مقابل میں وہ کلمہ ایمان۔
ان دونوں آیتوں کے بعد فرماتا ہے یثبت اللہ الذین اٰمنوا بالقول الثابت
فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ خدا ایمان والوں کو دنیا و دین دونوں میں ثابت رکھے گا
قول ثابت وہی ہے جس کو اوپر کی آیت میں خدا نے فرمایا اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء
یعنے کلمہ طیبہ خواہ [illegible] ہو اگر شخص ذکر کلمہ طیبہ جاری رکھیں گے تو دنیا و دین دونوں میں
وہ بھلے حال میں رہیں گے۔
دوسری آیت خدا نے فرمائی الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ کلمہ طیبہ خدا کی
طرف عروج کرتا ہے اور عمل صالح اسے بلند کرتا ہے (فاطر ع ۲) اتقان فی علوم القرآن
للسیوطی جلد اول چھاپہ مصر صفحہ ۱۱۹ بیان معانی لغات القرآن میں لکھا ہے۔ الکلم الطیب
ذکر اللہ والعمل الصالح اداء الفرائض۔ [illegible] کلم جمع ہے۔ اس لئے
کلم الطیب سے ذکر اللہ مراد لینے کے بجائے ذکر کلمہ طیبہ سمجھنا چاہیے اور عمل صالح سے بھی
فرائض مراد لینا بھی قرآن کی تعلیم کو مشخص کرتا ہے۔ عمل صالح کے معنی عمل بالقرآن کے
ہیں۔ احکام وہدایات سے غرض [illegible] کلمہ طیبہ کے فوائد عمل صالح ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔

تفسیر کبیر جلد ہفتم مطبوعہ مصر صفحہ ۳۳ میں کلم الطیب کو لکھا ہے۔ لا الہ الا اللہ اور پکی دو تو
آیت یعنی القول الثابت اور الکلم الطیب میں الف لام موجود ہے یہ بھی خاص [illegible]
کلمہ طیبہ کو ہی بتا رہا ہے اور یہ الفاظ اسی معنی کو ساتھ بتا رہے ہیں۔

سورۃ النبا میں خدا نے فرمایا۔ یوم یقوم الروح والملئکۃ صفا لا یتکلمون الا من
اذن لہ الرحمن وقال صوابا۔ جس دن روح اور فرشتے قطار باندھ کر کھڑے ہوں گے
کسی کے منہ سے بات تو نکلے ہی گی نہیں مگر جسے خدا اجازت دے اور جس نے کلمہ طیبہ
پڑھا ہو۔ قول صواب کے معنی اتقان میں لا الہ الا اللہ کے لکھے ہیں۔

غرض قول ثابت کلم الطیب اور قول صوابا سے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ ہی سے مراد ہے
اور کلمہ طیبہ کے ذکر ہیں سے اوپر کی آیت میں بیان کیا ہے اس سے سب اسی ذکر کی
طرف اشارہ کرنے والی آیتیں ہیں۔

اذ جعل الذین کفروا فی قلوبہم الحمیۃ حمیۃ الجاہلیۃ فانزل اللہ سکینتہ علی
رسولہ وعلی المؤمنین والزمہم کلمۃ التقوی وکانوا احق بہا واہلہا وکان اللہ
بکل شیء علیما۔ جبکہ کافروں نے اپنے دلوں میں ضد کی ٹھان لی وہ بھی جہالت کی
ضد تو اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں پر اپنی تسکین بھیجی اور ان کو کلمہ تقویٰ کو لازم یعنی
جاری کر دیا کیونکہ وہ اسکے حقدار اور اہل تھے اور اللہ تو ہر شے کا دانا ہے مال سے۔
والفتح ع۳ ۔ خدا نے اپنی تسلی اتاری اور تسکین کی نسبت اس نے فرمایا الا بذکر اللہ
تطمئن القلوب سن لو کہ خدا کے ذکر ہی سے تسکین دل حاصل ہوتی ہے (رعد رکوع ۴)
اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت کے قلوب ذاکر رہتے تھے جس سے ان کو تسکین
ہوئی۔ اور الزمہم کلمۃ التقوی صاف کلمہ طیبہ کے پاس انفاس سے لازم اور جاری ہونے
کو بتا رہا ہے۔ اس نے یہ بھی فرما دیا کہ چونکہ وہ اس کے حقدار اور اہل تھے اس لئے خدا نے
ان کا ذکر جاری کر دیا۔ کہ جس کو جس وقت کرنے والا اس کا اہل ہو جاتا ہے۔ تو ذکر اپنا
لازم ہو جاتا ہے جیسے حیات کے لئے نفس کی آمد و شد۔ مراد یہ کہ ذکر [illegible] ہو سکتا ہے کہ
دم کے ساتھ ہے جو ذکر جاری و لازم [illegible] ہو سکتا ہے۔ اسی لئے خدا نے فرمایا وکان
اللہ بکل شیء علیما یعنی خدا ہر شے کا جاننے والا ہے کلمہ طیبہ کا ہی نام
کلمہ تقویٰ بھی ہے۔ [illegible] فرمایا ہے [illegible]

بہتری اور پرہیز ہے۔ اور یہی کمال تقوےٰ ہے۔ یہی صحیح معنی اس آیت کے ہیں۔ جب ایسا نہ تاویل
کی گئی ہے نہ مرادی معنے لئے گئے ہیں۔

واذکر ربک اذا نسیت وقل عسیٰ ان یھدین ربی لاقرب من ھذا رشدا۔ اپنے
پروردگار کا ذکر کرتے رہو۔ اس وقت بھی کہ بھول جاؤ اور کہو امید ہے کہ خدا مجھے اس سے بھی
قریب تر راہ رشد کی ہدایت کرے (کہف ع۳)۔ حالت نسیان اور بےصبری میں بھی ذکر
کرتے رہنا اس کی صورت سوائے اس کے نہیں کہ قلب ذاکر ہو کر ایسا جاری ہو جائے کہ اٹھتے
بیٹھتے سوتے جاگتے غفلت اور بھول میں بھی ذاکر رہے۔ جب ذکر حالت نسیان میں بھی ہونے لگا
صحیح معنی موجود ہیں۔ تو تاویل اور توڑ مروڑ کیوں کرو۔ نہایت ذکر فکر ہو جاتی ہے اور
یہی فکر رشد کی قریب تر راہ ہے۔ جس کی امید کی گئی ہے۔ آیت صاف اور واضح ہے
اور پکار ہادی اسے اللہ ہے۔ اس آیت میں ذکر پاس انفاس اور پاس انفاس پر
استقامت کی ہدایت ہے اور پاس انفاس کے لئے یا ذکر اسم ذات ہے یا ذکر کلمہ طیبہ
اور اذکار اسماء حسنیٰ تو موقت ہیں حسب اقتضائے مرض بدلتے رہیں گے۔

وھدوا الی الطیب من القول وھدوا الی صراط الحمید۔ وہ ہدایت کئے
گئے کلمہ طیبہ کی۔ اور انہی صراط اللہ دکھائی گئی (حج ع۳) میں نے آغاز کتاب تصوف قرآنی
میں بیان کیا ہے کہ صراط مستقیم صراط الحمید یہ سب نام ہیں صراط اللہ یعنی تصوف کے اور
اس کی آیتیں وہاں دی گئی ہیں تو خدا کا مطلب یہ کہ صراط اللہ یعنی تصوف کے رہرو کو
کلمہ طیبہ کے ذکر کی ہدایت کی گئی۔ قول طیب کلمہ طیبہ ہے جو موصل الی المطلوب ہے۔

ضرب

خدا فرماتا ہے ان الشیطن لکم عدو فاتخذوہ عدوا۔ شیطان تمہارا دشمن ہے تو اس سے
دشمنانہ برتاؤ کرو۔ (فاطر ع۱) اس برتاؤ کو خدا نے میری رائے پر چھوڑا ہم جیسے چاہیں
اس سے مقابلہ کریں اس کو زیر کریں۔ اور صراط اللہ کو بے خطر بنائیں اس لئے شیطان سے
ہم مختلف موقعہ مختلف برتاؤ کرتے ہیں شیطان غلط امیدوں اور ناشدنی ہوسوں کا سبز
باغ دکھا کر غافل کرنے آتا ہے۔ تو ہم اپنے کو مرتا ہوا اور پھر مرا ہوا۔ اپنے جنازہ کو
اٹھتا ہوا۔ پھر مدفون ہوتا ہوا۔ جنازہ کے گرد اپنوں اور بیگانوں کو روتا ہوا۔ پھر ان کو اپنے

دھندوں میں مصروف الگ سے کھڑے دیکھتے ہیں۔ اور اس ہادم اللذات کے آلات حرب
سے شیطان کے دھوکے کی ٹٹیوں کو کاٹ کاٹ گرا دیتے اور غفلت اور ناروا ہوسوں
سے محفوظ ہوجاتے ہیں۔ جب دشمن دور ہوتا ہے تو توپ اور بندوق سے کام لینا پڑتا ہے
اور جب نزدیک ہوتا تو تلوار و سنگین سے۔ تو شیطان جیسا پوشیدہ دشمن اور اس سے
جیسی پوشیدہ جنگ ہے۔ اس کے لئے ویسے ہی آلات حرب بھی درکار ہیں۔ ورنہ
صرف شیطان کو شیطان کہنے اور اسکی شیطنت کو بیان کرنے سے نہ وہ بھاگے گا
نہ تم اس کی شیطنت سے بچو گے۔

عبادت و ریاضت کے وقت دشمن بھی جد و جہد کرتا اور ٹرینچ میں بیٹھا مشین گنیں چلاتا رہتا
ہے۔ تم ذکر کے بیلوں پر اذکر پہونچو۔ اور اسکی سزا کرو۔ ضرب کے معنی مارنے کے ہیں۔ یہ
گویا زیلین کے سے دشمن کے ٹرینچ میں بم پھینکنا ہے کہ وہ اپنے ہل چل میں پھنسے اور تمہارا
دھیان بکسو ہو اور اولئك كتب في قلوبهم الايمان (مجادلہ ع ۳) کلمہ ایمان کے نقش
نگاہ ہٹنے نہ پائے اور مقصود کی طلب سے توجہ ہٹنے نہ پائے تاکہ ایمان کامل اور
کامل تر ہو۔ اور طلب کی راہ سے کانٹے دور ہوں۔ یہ مجاز کردہ صورت میں مجاہدہ ہے
اس ضرب سے مقصود اسیقدر ہے کہ دھیان ادھر ادھر ہو تو مجتمع ہوجائے کہ بغیر اجتماع
دھیان کے راہ پانی دشوار ہے جب شیطان بھاگتا جاتا اور دھیان مجتمع ہوجاتا ہے۔
تو ضرب آپ سے آپ دھیمی پڑکر بند ہوجاتی ہے اور فکر کا دروازہ کھل جاتا ہے کوئی
شیطان سے دشمنی نہ رکھے۔ یارانہ ہی رکھے تو وہ جائے جہنم میں۔ اس کو نہ خدا طلبی نہ
مجاہدہ سے مطلب تو وہ اس آیت کا مخاطب نہ وہ میرا مخاطب۔

اس کے سوا ذکر کے بیان میں ہم نے سورہ اعلی کی آیت دیدی ہے کہ خدا کے
نام کا ذکر یعنی ذکر مصطلحہ ازلی ہے یہی صحیفہ ابراہیم اور صحیفہ موسی علیہم السلام میں
تھا اور دیکھتے بھی ہیں کہ یہی مصطلحہ ذکر جس میں ضرب بھی ہو اور ادیان میں بھی پایا جاتا ہے
جو دین ضائع ہوکر بت پرستی تک کو پہونچ گئے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ذکر مصطلحہ
اسلام ازلی کا فرض ہے اور ازلی فرض ہے خدا نے واذكر اسم ربك وتبتل اليه تبتيلا ۰ (مزمل ع ۱)
فرمایا تو ہم اصطلاح سے واقف تھی حکم سن کر عامل ہوئی۔ یہ سوال پیدا ہی نہوا کہ شجرہ
یا رسول اللہ ما الذکر اسی سے لئے شجرہ بویں سے وہی ذکر مختلف طریقوں سے پہنچا ہو

جاری ہے۔ چونکہ اس کی وضاحت قرآن مجید کی بہت سی آیتوں سے شرعًا حق
پوری کی گئی ہے۔

پاس انفاس

احکام ذکر میں بیان کر چکا کہ یہ مفروضہ خداوندی ہے اور یہ بھی کہ جس طرح اور کن کن وقتوں
کی نگہداشت کے ساتھ اس کی تعمیل فرض ہے۔ ساتھ اس کے خدا نے فرمایا فاذا قضیتم
الصلوٰۃ فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبکم فاذا اطمانتم فاقیموا الصلوٰۃ ان
الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا ۰ جب تم نماز پوری کر چکو۔ تو اللہ کا ذکر کرتے
رہو کھڑے بیٹھے اور لیٹے یعنی ہر وقت۔ پھر جب تم مطمئن ہو تو نماز قائم کرو بے شک نماز
مومنوں پر فرض موقت ہے (النساء ع ۱۵) اگر فاذکروا اللہ کے معنی اُوپر مطلب کے لو
اور صرف اس کا لغوی ترجمہ کرو یعنی یاد کرنے کے معنی لو تو یہ صحیح ہوگا کیونکہ اقم الصلوٰۃ
لذکری کی نماز تو خود خدا کی یاد کے لئے ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جب خدا کو
یاد کر چکو تو یاد کرو ہر وقت اس لئے میری سمجھ میں آتا ہے کہ خدا دو فرض کو بیان فرماتا ہے
ایک موقت ہے اور دوسرا ہر وقت موقت تو یہ نماز ہے۔ بعد نماز ایسا سمجھ کر چلو کہ چھٹکارا ہو گیا۔
بلکہ اب ہر وقت ذکر کرتے رہنا ہے کہ خدا کسی وقت نہ بھولے یہاں تک کہ سہو و نسیان
کی حالت میں بھی جیسا کہ اوپر سورہ کہف کی آیت واذکر ربک اذا نسیت میں بیان ہوا ہے
خیر جو کچھ سمجھو تو اس کی تعمیل بھی تو کرو۔ چاہے اس کے معنی ذکر کے سمجھو یا یاد کرنے کے
ذکر بھی تو یاد ہی کرنے کا ایک آلہ ہے۔ جیسے یاد کرو۔ مگر ہر وقت یاد کرنا تو ضرور ہے صرف
ترجمہ کر دینے یا چھوڑنے سے یہ کیفیت حاصل نہیں ہونے کی لیکن تم ہر وقت کیونکر یاد کر سکتے
ہو تمہارا تو خیال ہوگا کہ یہ خیال ہے بغیر کاروبار دنیا کی چھوڑے ہوئے اور رہبانیت
اختیار کئے ہوئے یہ نہیں ہو سکتا مگر خدا نے فرمایا رجال لا تلہیہم تجارۃ ولا بیع عن
ذکر اللہ ایسے لوگ ہیں۔ جن کو معاملات دکاروبار ذکر خداوندی بھلا کر اس سب میں نہیں
ڈالتے یعنی غافل نہیں کر دیتے (النور ع ۵) تاہم اس میں شک نہیں کہ ہر وقت خدا کو یاد کرنا
ریاضت طلب اور وقت طلب ضرور ہے کیونکہ خدا نے بہتیرے حقوق بھی ذمہ لگا دیئے ہیں
اپنے لئے اور ادائے حقوق کے لئے کاروبار لازم اور ناگزیر ہے۔ اس پر شیطان ایمان کا دشمن

اور نفس گھر کا رہزن ایسے حال میں کامیابی مشکل نہیں بلکہ مشکل تر ہے۔ ان دقتوں کو اگلوں نے
سمجھا اور فقہائے ربانی اور امام ربانی نے اس آثار کو پایا تو انکا علم ذکر کے تعمیل کی عقلاً ایک
راہ نکالی۔ انہی فکر نے اس اسرار کو کھولا کہ خدا نے سانس کی آمد و رفت بیکار نہیں دی زندگی
بے سانس کے بھی ہو سکتی تھی مگر خدا نے ایسا نظم کیوں کیا کہ سانس کی اس آمد و رفت سے
کسی حال میں چھٹکارا نہیں۔ یہ تو اس کا فعل ہے کہ ظاہر میں سانس کی چیز لی ہے کہ کھڑے
بیٹھے لیٹے ہر وقت جاری ہے اسی کے مطابق وہ ذکر کی ہدایت اسی طرح کرتا ہے کہ کھڑے
بیٹھے لیٹے ہر وقت کرتے رہو کہ وہ لازم ہو جائے اس کے قول و فعل میں لگاؤ۔ بدیہی ہے اس
اگر ذکر کا لگاؤ سانس سے دیدہ تو جسطرح سانس ناگزیر ہے ذکر بھی ناگزیر ہو جائے گا جس طرح
سانس ہر حال میں چلتی رہتی ہے۔ ذکر بھی ہر وقت جاری ہو جائے گا۔

اس تفقہ کی صداقت پر اعمال نے شہادت دی اور تجربوں نے مہر کی اس عقلی اور قطعی تفقہ
سے بہتر کوئی راہ دوام ذکر کی نکل سکتی ہے کسی نے نکالی غرض ہے دوام ذکر کے تعمیل حکم سے
اگر کوئی اور کسی طریقہ سے ذکر کو اسطرح لازم بنائے تو مضایقہ نہیں مطلب حصول مقصود سے
ہے۔ وہ جیسے حاصل ہو میں اس طریقہ کی بھی حمایت کرونگا اور اُسے بھی ایک تفقہ ہی سمجھونگا۔
باوجودیکہ نماز ایسا مہتم بالشان حکم ہے مگر اس میں اختلافات ہوئے اسکے طریقوں میں اختلافات
ہوئے بلکہ اختلافات سے تو کوئی حکم بھی نہ بچا اور باوجودیکہ روحانی طریقوں میں بھی اختلافات
ہوئے اور بہتیرے فرقے پیدا ہو ہو گئے مگر طریقہ ذکر میں کہ ذکر کا لگاؤ سانس کے ساتھ ہو
نہیں اختلاف ہوا کیونکہ اس سے بہتر کوئی راہ نکل نہ سکی۔ گویا اس تفقہ نے ایسی قطعیت
پیدا کرلی ہے کہ عقل کو دوسری راہ جو اس سے بہتر ہو خدا کے حکم ذکر کی تعمیل کی ملتی ہی نہیں۔
جو لوگ اس طریقہ کے منکر ہیں اور ذکر کے معنی ہر جگہ خدا کو یاد کرنے ہی کے لیتے ہیں اور
واذکر ربک اور واذکر اسم ربک میں تفرقہ نہیں کرتے کیا وہ بشہادت خداوندی خدا کے
حضور میں اس کا دعوے کر سکتے ہیں کہ وہ ہر وقت خدا کو یاد کرتے ہیں وکفی باللہ شہیدا۔

اگر تم تفقہ کے نام سے گھبرا اٹھو تو یہ ایک بات بھی قابل توجہ ہے کہ رہبانوں میں
ہندوؤں میں تمام ذکر پایا جاتا ہے اور اسی سانس کے لگاؤ کے ساتھ اس سے معلوم ہوتا ہے
اسطرح کا ذکر حقیقی دین اسلام کا ذکر ہے جو ازلی ہے میں نے شرعۃ الحق میں قرآن مجید کی
متعدد اور صریح آیتوں سے بلا کسی تاویل کے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام ازلی مذہب ہے ساری

قوموں میں دین اسلام آیا جس نے صراط مستقیم یا صراط اللہ کی ہدایت کی مگر مسلمانوں کے سوا سب نے کتاب اللہ ضائع کی تو سب کا اسلام بگڑ گیا۔ تو جس طرح سب کا اسلام بگڑا اور کفر و شرک کی حد کو پہنچا اسی طرح سب کا ذکر بھی بگڑا اور اس نے بھی کفر و شرک کا رنگ اختیار کیا۔ مگر اب تک اس طریقے سے ذکر کا وجود کہ ذکر کا تعلق سانس سے ہو ان سب میں رہ گیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حکم ذکر ازلی اور قطعی ہے۔ اور ذکر اصطلاحاً اسی کو کہتے ہیں اس لئے جب خدا نے ذکر فرض کیا تو یہی اصطلاحی ذکر فرض ہوا۔ اسی لئے قوم نے یہ سوال پیش ہی نہ کیا کہ خدا کے اس حکم کا ہر وقت ذکر کیونکر کیا جائے۔ اسکی تعمیل آسان تھی اس لئے اگر قوم جانتی نہ ہوتی اور اس اصطلاح سے واقف نہ ہوتی تو ضرور اس کا سوال اٹھاتی۔ اس بیان کی وضاحت شرح حقیقۃ الحق میں صلوٰۃ کی زیر سرخی دیکھو۔

غرض ذکر کا سانس کے ساتھ قایم ہو جانا کہ وہ سانس کی طرح ناگزیر ہو جائے اور کوئی سانس بے ذکر کے خالی نہ جائے پاس انفاس سے یعنی پاس انفاس اس آیت کی تعمیل ہے۔ فاذکروا اللہ قیاماً و قعوداً و علی جنوبکم۔ خدا کا کھڑے بیٹھے لیٹے یعنی ہر وقت ذکر کیا کرو۔

سلطانُ الذکر

افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ فویل للقاسیۃ قلوبھم من ذکر اللہ اولئک فی ضلل مبین ۰ اللہ نزل احسن الحدیث کتٰباً متشابھاً مثانی تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر اللہ ذالک ھدی اللہ یھدی بہ من یشاء و من یضلل اللہ فمالہ من ھاد ۰ کیا وہ شخص جس کا خدا نے اسلام کے لئے انشراح صدر کیا ہو کہیں سخت دل کے برابر ہو سکتا ہے۔ وہ تو خدا کی روشنی پر چلتا ہے۔ تو افسوس ہے اُنپر جن کے قلوب یاد خدا سے غافل ہو کر سخت ہو گئے ہیں یہی لوگ تو صریح گمراہی میں ہیں۔ خدا نے بہتر کلام نازل فرمایا یعنی ایک کتاب جس کی آیتیں ملتی جلتی بھی ہیں اور سمجھانے کے لئے بار بار دہرائی بھی گئی ہیں۔ تو جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں اس کو سننے سے اُن کے جلد کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر اُن کی جلدیں اور انکے قلوب نرم ہو کر ذاکر ہو جاتے ہیں۔

یہ ہے خدا کی ہدایت۔ اس سے ہدایت کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور جسے اللہ گمراہ کرے۔

اُس کا کوئی ہادی نہیں (زمر ع۳) سارا جسم یعنی رواں رواں ذاکر ہوجائے یہی سلطان الذکر ہے۔ اس کی دوسری صورت بھی ہے کہ پنا سارا وجود ذاکر ہوجائے کیفیات کے متعلق تصدیق صحت اور اطمینان قلبی کے لئے قرآن مجید کا یہ اشارہ اور کنایہ بس ہے چونکہ قرآن مجید کی یہ روش نہیں کہ وہ کیفیات میں الجھائے کہ طلب میں نقص واقع ہو اس لئے مزید تفصیل اس کی نہیں تو میں بھی مزید تشریح کا مجاز نہیں اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ سر من الاسرار ہے بلکہ کیفیات بیان کی چیز نہیں کیونکہ وہ کما حقہ بیان ہونے ہی کے نہیں مثلاً حسن ہے۔ ذائقہ ہے۔ انھیں اک قوت ہی کہو گے تو سمجھ میں کیا آیا یہی حال سارے کیفیات کا ہے۔ اُس کیفیت میں پڑو تو اُس کو جانو وہ بیان میں کس طرح آئے۔

اس آیت میں خدا نے انشراح صدر کو فرمایا ہے چونکہ یہ فکر فی الانفس یعنی مراقبہ کی چیز ہے۔ اس لئے میں اسے مراقبہ میں بیان کرونگا اسوقت فھو علی نور من ربہ بھی سنگت میں تھا

القائے ذکر

اولئک الذین یعلم اللہ ما فی قلوبہم فاعرض عنہم وعظہم وقل لہم فی انفسہم قولاً بلیغا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے جو انکے دلوں میں ہے تو اُن سے اعراض کرو۔ اُن کو وعظ و نصیحت کرو اور اُن کے دلوں میں قول بلیغ کہو وہ قول جو دل میں پہونچے (النساء ع۹) وعظ و نصیحت کے حکم کے بعد دل میں کسی کا کہنا جو پہونچکر رہے القائے ذکر کی بھی ہدایت کرتا ہے۔ ورنہ تعلیم کافی نہ تھا۔ تاکید مقصود ہوتی تو قل لہم کافی تھا۔ اس لئے فی انفسہم اور قولاً بلیغا محتاج تدبر ہے اور تدبیر کرنے سے القائے ذکر ہی کی ہدایت ظاہر ہوتی ہے۔

نئے تعلیم یافتوں کو القا کی تسلیم میں عذر ہوگا کیونکہ روحانیت کی ساری باتیں اُن کو عقل میں نہ آنے والی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر اُن کی ضمیر کو ہم یورپ کی طرف پھیر دیں تو جلد سمجھ میں آجائیگا دیکھو مسمریزم یا ہپناٹزم سے تماشہ گر برابر علانیہ القائے کیفیت اور القائے خیالات کے تماشے دکھاتے ہیں میں نے سمجھانے کے لئے سفلیات سے مثال دی ہے۔ غرض مرشد روحانی القائے ذکر القائے انوار اور القائے کیفیات و جذبات کو اپنے فرائض میں داخل سمجھتا ہے۔ اسی القا سے گردش آتی ہے اور اوصاف بدلنے لگتے ہیں۔ اور یہی روش ہو کر

موصل الی المطلوب ہوتی ہے اس آنکھ سے دیکھو تو ساری راہ مرشد ہی کو طے کرنی پڑتی ہے
القائے ذکر سے ذکر جاری ہو جاتا۔ القائے انوار سے قلب مجلےٰ ہو تا رفتہ رفتہ سارا جسم
بلکہ سارا وجود ہی مجلےٰ ہو جاتا اور طالب اک نئی زندگی میں آجاتا ہے۔ اور القائے کیفیات جذبا
کی نیرنگیاں بیان کرنا طول فضول ہے تو عظام کی تعمیل تو ہر کوئی کرسکتا ہے مگر قل لھم (اور)
فی انفسھم (اور) قولاً بلیغا کے قیود ات کے ساتھ ہر کوئی نہیں کرسکتا۔ بلکہ ہر کوئی سمجھ بھی
نہیں سکتا کہ نفس میں کیونکر کہا جاتا ہے۔ ترجمہ کرنے والے ترجمہ کر جاتے ہیں جن کے دماغ
میں فی انفسھم کا کوئی مفہوم نہیں آتا۔

اسمائے حسنےٰ

میں نے اوپر ثابت کیا ہے کہ ذکر کلمہ طیبہ یا ذکر اسم ذات ہر وقت کرنا ضرور ہے۔ یہ فرض ازلی ہے
جس سے چھٹکارا نہیں اور صفات خداوندی جس کی قرآنی اصطلاح اسمائے حسنےٰ ہے ان میں سے
اس اسم یا صفت کا جو مستولی ہو کر مرض طالب کو غائب کر دے بلکہ صفات سے بدل دے۔ ذکر
ہر وقت کرنا ضرور ہے مگر اس دھیان کے ساتھ کہ دھیان کی قوت یا تبتیل کامل اس کو اپنے
میں فنا کرے۔

ذات وصفات دونوں الفاظ تشریح طلب ہیں۔ کیونکہ خدا نہ ذات میں آتا نہ صفات سماتا ہے
اس کی نسبت کیا کہا جائے۔ سارے صفات سے پاک و منزہ وہ سبحان اللہ سارے
صفات کا مالک وہ الحمد للہ اور سارے جذبات اور لیاقتوں سے اعلیٰ وارفع وہ
اللہ اکبر۔ المختصر سبحان اللہ عما یصفون ہم کو تو اس کی تعریف کرنی بھی اسکی کسر شان
معلوم ہوتی ہے۔ میں کہاں سے کہاں پہونچا میری غرض اسم ذات سے وہ اسم ہے جو
مجمع صفات تسلیم ہوا ہے یعنی اللہ اور صفات سے میری غرض اُن اسماء صفاتی سے ہے
جو وسائل تقرب ہیں اور امراض باطنی کے نسخے۔ اسی لئے خدا نے فرمایا وللہ الاسماء الحسنیٰ
فادعوہ بھا وذروا الذین یلحدون فی اسمائہ۔ اسمائے حسنیٰ اللہ ہی کے ہیں۔ تو اُس کو
اُنھیں ناموں سے پکارو اور اُنھیں چھوڑ دو۔ جو اُس کے ناموں میں الحاد کرتے یعنی کج راہ
چلتے ہیں (اعراف ۲۲) پکارنے کے یہ معنی نہیں جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو شور سے
پکارتے ہو کیونکہ وہ تمہارے رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہے اب اگر اس کو زبان

پکارو تو ذکر جہری کہا جائے گا اور دل میں پکارو تو ذکر خفی کہا جائے گا اس لئے فادعوہ بہا کے معنی ہیں کہ اُس کا ذکر کرو اسماءِ حسنیٰ میں سے کسی اسم کا بھی قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن ایا ما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ کہہ دو کہ اللہ کا ذکر کرو یا رحمٰن کا جس نام کا ذکر کرو سب اسماءِ حسنیٰ تو اُسی کے ہیں (بنی اسرائیل ع۱۲) یہ نہ سمجھو کہ انہیں دو ناموں کے ذکر کی اس ہدایت فرمائی بلکہ سورۃ الحشر کے آخر رکوع میں اپنے بہت سے نام بتا کر اس نے فرمایا۔ ھو اللہ الخالق البارئ المصور لہ الاسماء الحسنیٰ اللہ ہی خالق اور موجد اور صورت بنانے والا ہے۔ یہ سارے اسماءِ حسنیٰ تو اُسی کے ہیں۔ تو ان ناموں سے کسی دوسرے کو نہ پکارو۔ پیرو مرشد کو بھی نہیں۔ اللہ لا الہ الا ھو لہ الاسماء الحسنیٰ ایک خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اسماءِ حسنیٰ تو اُس کے ہیں (طہٰ ع۱) ذکر کے لئے تو ایک ہی نام کافی تھا یہ اللہ نے اتنے نام کیوں بتائے۔ اسی لئے کہ یہ روحانی قرابادین ہے۔ باکل امراض باطنی کا علاج ہے جیسا کہ میں نے واضح کیا تبارک اسم ربک ذی الجلال والاکرام میں چاہتا ہوں کہ اسماءِ حسنیٰ کو لکھ دوں تاکہ طالبین روزانہ ان ناموں کو پڑھا کریں اور فادعوہ بہا کی ظاہری تعمیل سے بھی نہ چوکیں مگر سمجھ کر پڑھیں کہ طوطا کا رٹ لینے سے مسلمان نہ ہو جائیگا پھر سمجھ کر پڑھنے میں تدبر و تفکر کو کام فرماویں اور علاج باطنی کی طرف مصروف ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱	یا اللہ	اللہ	بسم اللہ الرحمن الرحیم والھکم الہ واحد لا الہ ھو الرحمن الرحیم۔	بقرہ ع۱۹
۲	یا رحمٰن	نہایت رحم والا		
۳	یا رحیم	بہت مہربان		
۴	یا مالک	بادشاہ	ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس	حشر ع۳
۵	یا قدوس	تمام عیبوں سے پاک	السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر	
۶	یا سلام	تمام نقصانات سے محفوظ	سبحان اللہ عما یشرکون ھو اللہ الخالق البارئ	
۷	یا مومن	امن و امان دینے والا	المصور لہ الاسماء الحسنیٰ یسبح لہ ما فی	
۸	یا مھیمن	نگہبان	السموات والارض وھو العزیز الحکیم	

نمبر	اسم	معنی	آیت	حوالہ
۹	یا عزیز	صاحب سطوت		
۱۰	یا جبار	مصلح اور صاحب غلبہ		
۱۱	یا متکبر	عظمت و بزرگی والا		
۱۲	یا خالق	ہر چیز کا پیدا کرنے والا		
۱۳	یا باری	ہر چیز کا موجد۔		
۱۴	یا مصور	مخلوقات کی صورتیں بنانے والا		
۱۵	یا غفار	بخشنے والا۔	رب السموات والارض وما بینہما العزیز الغفار	ص ع۵
۱۶	یا قہار	زبردست۔	وما من الہ الا اللہ الواحد القہار۔	ص ع۵
۱۷	یا وہاب	بخشش کرنے والا۔	ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ہدیتنا وہب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوہاب	ال عمران ع۱
۱۸	یا رزاق	روزی دینے والا۔	ان اللہ ہو الرزاق ذو القوۃ المتین ۰	ذاریات ع۳
۱۹	یا فتاح	مشکل کشا۔	ثم یفتح بیننا بالحق وہو الفتاح العلیم	سبا ع۳
۲۰	یا علیم	بہت جاننے والا۔		
۲۱	یا سمیع	بہت سننے والا۔	ولہ ما سکن فی اللیل والنہار وہو السمیع العلیم	انعام ع۲
۲۲	یا بصیر	بہت دیکھنے والا	واللہ بصیر بالعباد۔	ال عمران ع۱
۲۳	یا لطیف	باریک بین۔	وہو یدرک الابصار وہو اللطیف الخبیر	انعام ع۱۳
۲۴	یا خبیر	دانا آگاہ۔		
۲۵	یا حلیم	بردبار۔	واللہ غنی حلیم	بقرہ ع۳۶
۲۶	یا عظیم	بزرگ۔	ولا یؤدہ حفظہما وہو العلی العظیم	بقرہ ع۳۴
۲۷	یا غفور	بخشنے والا۔	انہ غفور شکور	فاطر ع۴
۲۸	یا شکور	بڑا قدر شناس		
۲۹	یا علی	بہت اونچا۔	وہو العلی الکبیر	سبا ع۳
۳۰	یا کبیر	بڑا		
۳۱	یا حفیظ	نگہبان	ان ربی علی کل شیء حفیظ	ہود ع۵
۳۲	یا مقیت	روزی پہونچانے والا	وکان اللہ علی کل شیء مقیتا	النساء ع۱۱
۳۳	یا حسیب	کافی	ان اللہ کان علی کل شیء حسیبا	ایضاً

نام	معنی	آیت	حوالہ
۳۴ یا کریم	بزرگ	ومن کفر فان ربی غنی کریم	النمل ع۳
۳۵ یا رقیب	موکل و نگران	ان اللہ کان علیکم رقیبا	النساء ع۱
۳۶ یا مجیب	دعا قبول کرنیوالا	ان ربی قریب مجیب	ہود ع۶
۳۷ یا واسع	وسیع الاحسان	ان ربک واسع المغفرۃ	النجم ع۲
۳۸ یا ودود	دوست رکھنے والا	وھو الغفور الودود	بروج ع۱
۳۹ یا مجید	بزرگ تر	انہ حمید مجید	ہود ع۷
۴۰ یا شہید	حاضر	وانت علی کل شیء شہید	مائدہ ع۱۶
۴۱ یا حق	ثابت و درست	ثم ردوا الی اللہ مولٰھم الحق	انعام ع۸
۴۲ یا وکیل	کارساز	حسبنا اللہ ونعم الوکیل	ال عمران ع۱۸
۴۳ یا قوی	تام القدرت شدید القدرۃ	اللہ لطیف بعبادہ یرزق من یشاء وھو القوی العزیز	الشوریٰ ع۲
۴۴ یا متین	استوار	ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین	ذاریات ع۳
۴۵ یا ولی	محب و مددگار	وینشر رحمتہ وھو الولی الحمید	شوریٰ ع۴
۴۶ یا حمید	ستودہ حمد		
۴۷ یا محیی	زندہ کرنے والا	ان ذالک لمحیی الموتیٰ	روم ع۵
۴۸ یا حی	زندہ	اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم	ال عمران
۴۹ یا قیوم	قائم بالذات		
۵۰ یا واحد	تنہا و یگانہ	وما من الہ الا اللہ الواحد القہار	ص ع۵
۵۱ یا صمد	بے نیاز	قل ھو اللہ احد اللہ الصمد	اخلاص
۵۲ یا قادر	صاحب قدرت	قل ھو القادر	انعام ع۸
۵۳ یا مقتدر	صاحب مقدرت	فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر	قمر ع۳
۵۴ یا اول	سب سے پہلا	ھو الاول والآخر والظاھر والباطن	حدید ع۱
۵۵ یا آخر	سب سے پچھلا		
۵۶ یا ظاہر	آشکارا		
۵۷ یا باطن	پوشیدہ		
۵۸ یا متعالی	مخلوقات کی صفات سے منزہ	عالم الغیب والشہادۃ الکبیر المتعال	رعد ع۱

۵۹ یا بَرّ	نیکی کرنے والا	انّہ ھو البرّ الرحیم	طور ع۱
۶۰ یا توّاب	توبہ قبول کرنے والا	انک انت التواب الرحیم	بقرہ ع۱۵
۶۱ یا عفو	گناہوں کا مٹانے والا	ان اللہ کان عفواً غفوراً	النساء ع۶
۶۲ یا رؤف	بہت شفقت کرنے والا	ان اللہ بالناس لرؤف الرحیم	بقرہ ع۱۷
۶۳ یا ھادی	ہدایت کرنے والا	ان اللہ لھادی الذین اٰمنوا الٰی صراط المستقیم	حج ع۷
۶۴ یا جامع	مخلوقات حشر میں جمع کرنیوالا	ربنا انک جامع الناس	ال عمران ع۱
۶۵ یا غنی	بے پرواہ	واللہ غنی حلیم	بقرہ ع۳۶
۶۶ یا نور	روشن کرنے والا	اللہ نور السمٰوٰت والارض	النور ع۵
۶۷ یا حکیم	بہت بڑا حکمت والا	انّہ انا اللہ العزیز الحکیم	النمل ع۱
۶۸ یا والی	تمام امور کا متولی	مالھم من دونہ من وال	رعد ع۲
۶۹ یا مالک الملک	ملک کا مالک	قل اللھم مالک الملک	ال عمران
۷۰ یا ذوالجلال والاکرام	بزرگی و عزت والا	تبارک اسم ربک ذی الجلال والاکرام	الرحمٰن ع۳

یہی اسماء باری تعالیٰ ہیں جو قرآن مجید میں آئے ہیں۔ اور یہی اسماء حسنیٰ ہیں جو ذکر کے لئے اور معالجہ امراض روحانی کے لئے ہم کو ملے ہیں۔ ان میں بھی آخر کے دو اسماء، یا مالک الملک اور ذوالجلال والاکرام اسم کی صورت میں نہیں ہیں۔ بلکہ خدا کی صفتوں کے دو جملے ہیں۔ جو فکر کے لئے عنایت ہوئے ہیں یا مالک الملک کی فکر دنیا کی ہر چیز میں کرتے رہنا چاہیے اس انہماک کے ساتھ کہ مالک کی تجلی میں ملک فنا ہو جائے گا۔ اور یا ذوالجلال والاکرام کی تجلی آشکارا ہو۔ اگر ذوالجلال کی تجلی میں کھو گیا تو جذب سے مغلوب الحال ہو گا۔ اور اگر ذوالاکرام کی تجلی نے سنبھال لیا تو سلوک کا غلبہ ہو گا۔ غرض جب یہ دونوں اسماء فکر کے لئے عنایت ہوئے ہیں تو یہ اسماء نہیں بلکہ دو جملے ہیں۔ تو اسم ذات چھوڑ کر رہ گئے ۶۷ اسماء بس یہی ذکر کے لئے ہیں۔ اللہ کے اعداد بھی ۶۷ ہی ہیں یعنی اللہ مجمع صفات ہے اور یہی معنی اسم ذات کے ہیں۔ گرچہ لفظ اللہ مشتق ہو اور اس کے معنی یا معانی بھی ہوں مگر قرآن مجید میں بطور اسم ذات ہی کے مستعمل ہوا ہے مثلاً بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ رحمٰن و رحیم صفت ہے اللہ کی علیٰ ہذا ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو اللہ کی صفت بیان ہوئی ہے

تمام یہ اسم اعظم بطور رواۃ ہی کے مستعمل ہوا ہے۔

ان اسماء کے سوا ١٤ اسماء ایسے بیان کئے جاتے ہیں جو قرآن مجید میں تو نہیں ہیں۔ مگر اُنکے مشتقات مذکور ہیں۔ تو یہ اسماء آیتوں سے مستخرج کر کے اپنی طرف سے وضع کئے ہیں یعنے خدا نے ان ناموں کو اسماء حسنی میں داخل نہیں کیا۔ ہر چند خدا کے سارے اسماء صفاتی ہی ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر صفت اُس کا ایک اسم ہے۔ اُس کی صفت کی تہاہ نہیں تو اُس کے اسماء کی بھی تہاہ نہیں۔ بات یہ ہے کہ خدا نے اپنی بعض صفتیں جسطرح ذکر کے لئے بتائی ہیں اور جسطرح فکر فی الآفاق کے لئے بتائی ہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا اسی طرح بعض صفتیں یا بعض آیتیں اُس نے فکر فی الانفس یعنی مراقبہ کے لئے بھی ہیں مراقبہ میں اُن صفات کا دھیان کرو۔ اُن صفات سے نام کیوں مستخرج کرو۔ خدا کے نام رکھنے کا کسی کو کیا حق ہے۔ اُن آیتوں اور اُن ناموں کو بھی میں لکھ دیتا ہوں۔

١	القابض	تنگی اور محدود کرنے والا	واللہ یقبض و یبسط والیہ ترجعون (مبسط بھی نام مستخرج ہوسکتا ہے)	بقرہ ٣٢
٢	الباسط	فراخ و کشایش کرنیوالا		
٣	الرافع	بلند کرنے والا۔	یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات (رفیع الدرجات بھی نام مستخرج ہوسکتا ہے)	مجادلہ ٣
٤	المعز	عزت دینے والا۔	تعز من تشاء وتذل من تشاء	ال عمران ٣
٥	المذل	ذلیل کرنے والا۔		
٦	الحکم	حاکم۔	واللہ یحکم لا معقب لحکمہ (لا معقب لحکمہ بھی ہوسکتا ہے)	رعد ع ٢
٧	الباعث	مردوں کو اُٹھا کر کھڑا کرنے والا	وان اللہ یبعث من فی القبور	حج ع ١
٨	المحصی	ہر چیز کو احاطہ علم میں کرنیوالا	واحصی کل شیء عددا (محاسب بھی نام مستخرج ہوسکتا ہے)	جن ع ٢
٩	المبدی	ابتدا پیدا کرنے والا	انہ ھو یبدئ ویعید	بروج
١٠	المعید	دوبارہ پیدا کرنے والا		
١١	الممیت	مارنے والا۔	واللہ یحیی ویمیت	ال عمران ١٦
١٢	المنتقم	بدلا لینے والا	فانا منھم منتقمون	زخرف ٤
١٣	المقسط	منصف	قائما بالقسط	ال عمران ١
١٤	المغنی	بے پروا کرنے والا	ان یکونوا فقراء یغنھم اللہ من فضلہ	النور ٤

۱۵	الباقی	باقی رہنے والا		ویبقیٰ وجہ ربک ذی الجلال والاکرام (ذی الجلال اور ذی الاکرام دو نام اور مستخرج ہو سکتے ہیں)	الرحمٰن ۱
۱۶	الصبور	متحمل		ان فی ذلک لاٰیٰت لکل صبار شکور (آیت میں تو خدا کی صفت ہی بیان نہ ہوئی) صبور کا مخرج مجھے ملا اشارہ تو کیا ہے یہی نہیں	سبا ۲
۱۷	الوارث	باقی رہنے والا ۔		انا نحن نحیی و نمیت و نحن الوارثون	حجر ۲

خدا کی خاص صفت یعنی اُس کا علام الغیوب ہونا جس صفت میں قطعًا کوئی شریک نہیں وہ متروک کیا گیا مثلاً واللہ یعلم غیب السمٰوٰت والارض۔ کیوں نہیں علام الغیوب بھی اسما میں داخل کیا گیا علی ہذا یعلم سرکم وجہرکم یعنی عالم السر اور عالم الجہر قرآن مجید ہی سے اور کتنے اسما نکل سکتے ہیں۔ یہ اسما معلوم نہیں کیوں نظر انداز کیے گئے۔
ذیل میں بارہ وہ اسماء مذکور ہوتے ہیں جن کے مشتقات بھی بعینہٖ قرآن مجید میں نہیں ملتے ہاں مادے پائے جاتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ مشہور نودونہ ۹۹ نام پورے کر دیے جائیں۔

۱	الخافض	پست کرنیوالا	۶	المقدم	آگے کرنیوالا	۱۱	النافع	خالق نفع و ضرر
۲	العدل	منصف	۷	الموخر	پیچھے ہٹانیوالا	۱۲	الرشید	صاحب رشد
۳	الجلیل	بزرگ قدر	۸	المعطی	عطا کرنیوالا			
۴	الواجد	غنی	۹	المانع	روکنے والا			
۵	الماجد	صاحب بزرگی	۱۰	الضار	خالق ضرر			

یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ خدا کے اسماء صفاتی اکثر صفت مشبہ کے صیغوں میں ہیں۔ اسواسطے کہ صفت مشبہ کا صیغہ ثبات و استمرار پر دلالت کرتا ہے اور اسم فاعل حدوث پر۔ تم سامع و باصر۔ عالم و قادر ہو سکتے ہو کیونکہ تم حادث تمہارے صفات حادث۔ خدا ہر وقت سنتا ہر وقت دیکھتا ہر وقت علم رکھتا اور ہر وقت قدرت رکھتا ہے۔ تم آنکھ سے دیکھتے ہو آنکھیں بند ہو گئیں نہیں دیکھ سکتا۔ کان سے سنتے ہو کان بند کر دو یا کان سے کام لینے والا دماغ کام نہ دے تم نہیں سن سکتے۔ تم علم رکھتے ہو جو اس کے معطل ہونے میں یا غفلت کے

عالم میں علم نہیں رکھ سکتے قدرت رکھتے ہو۔ ایک تو وہ کبھی یونہی اور نیند کی حالت میں نہیں
نہیں اس لیے تم نے سمجھا ہوگا کہ خدا کی صفتیں ہماری جیسی نہیں جیسا وہ ویسی اسکی صفت وہ دیکھتا ہے
اور ہر وقت دیکھتا ہے مگر آنکھ سے نہیں وہ سنتا ہے اور ہر وقت سنتا ہے مگر کان سے نہیں
وہ بہت بڑا جاننے والا ہے اور ذرہ ذرہ کا علم ہر وقت رکھتا ہے مگر دماغ سے نہیں۔ وہ
ہر وقت اور ہر آن ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے اور بلا کسی آلے کے سمجھو جیسا وہ خود غیر محدود و
اور بے کیف و کم ہے۔ ویسے ہی اس کے صفات غیر محدود و اور بے کیف و کم ہیں۔ اس لیے
اس کی کسی صفت کو اپنی صفت جیسی ناقص ناتمام محتاج قوے و قوت نہ سمجھنا سبحان اللہ عما یصفون
اے خدا سچ یہ ہے کہ نہ ہم تیری کوئی صفت جان سکتے نہ ہم تیری تعریف کر سکتے ہیں۔ تیری
تعریف کریں تو تیری غیر محدود صفت محدود و الفاظ محدود و معانی و مفہوم میں اگر تیری عظمت
و کبریائی کی شان سے گر جاتی ہے اور دل پشیمان ہو جاتا ہے۔ تیری تعریف تو نہیں ہو سکتی
مگر تیرے صفات کے ذکر و فکر سے روحانی شفا و دوام حضور اور قرب و محبت تو حاصل ہو جاتا
ہے سبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر

ذکر نہ کرنے والوں کی تہدید

مناسب ہوگا اگر میں ذکر نہ کرنے والوں یا ذکر سے اعراض کرنیوالوں کی نسبت بھی
چند آیات خداوندی بیان کردوں شاید اُن کا دل ایمان لائے اُنکے دلوں میں خوف خدا
پیدا ہو اور یہ باعث ہو توفیق خداوندی کا۔ لوگ آپس کے اختلافات اور جھگڑوں سے
ٹوٹ کر تفرقہ فرق کو خیرباد کہہ کر ذکر کی طرف جھکیں اور مراد کو پہنچیں یہ یاد رہے کہ ذکر عام ہے
مصطلح اور غیر مصطلح دونوں کو دونوں سے مطلب یہ کہ دل خدا کی یاد سے متاثر ہو اور اکثر پر
خدا فرماتا ہے وهم بذكر الرحمن هم كافرون حالانکہ یہی ذکر خدا سے منکر ہیں (انبیاء ع ۳)
بل هم عن ذكر ربهم معرضون بلکہ یہی ذکر خدا سے اعراض کرتے ہیں (انبیاء ع ۴) ذکر سے
انکار و اعراض یہ کافروں اور منکروں کی شان ہے شیعہ سنی وغیرہ سمجھ لینا۔ پہلے
اس آیت سے ذرا اپنے حال کو ملا لو کہ تمہارا شمار مومنوں میں ہے یا منکروں میں ہے۔

ومن يعش عن ذكر الرحمن نقيض له شيطانا فهو له قرين جو شخص ذکر خدا سے
آنکھ چراتا ہے تو اس پر ہم ایک شیطان تعنات کر دیتے ہیں کہ اسکے ساتھ رہتا ہے۔

(زخرف ۳۶) یعنی ذکر خدا سے آنکھ چرانے والا شیطان کے چھپیٹ میں رہتا ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ خدائی گپ خدا کا ذکر ہے کیونکہ خدائی گپ میں بھی تمہارا دل حاضر نہیں ہوتا۔ اُس کا تذکرہ بھی کرتے ہو تو غافلانہ۔ اللہ اللہ زبان سے کہتے ہو مگر مذکور کا بھولے سے بھی دھیان نہیں آتا۔

فویل للقاسیة قلوبهم من ذکر الله افسوس ہے اُن پر جن کے دل خدا سے غافل ہو کر سخت ہو گئے ہیں (الزمر ۲۲) ذکر سے غفلت دل کو سخت کر دیتی ہے اور یہ قساوت قلبی امراض قلبی میں سے ہے جیسے امراض قلبی میں بیان کیا ہے۔

ومن یعرض عن ذکر ربه یسلکه عذابا صعدا۔ جو شخص ذکر خدا سے روگردانی کرے گا تو خدا اُس کو سخت عذاب میں مبتلا کرے گا (جن ۲) اے لوگو! کیا خدا کے عذاب سے بھی تم نڈر ہو گئے ہو ہوشیار رہنا تمہاری یہ روگردانی سرگردان ہی کرتی رہے گی۔ اگر ذکر سے یہ معنی سمجھو کہ خدا کا تذکرہ تو اس سے تو کافر بھی اعراض نہیں کرتا۔ باہمہ کفر و شرک خدا کا تذکرہ تو وہ بھی کرتا ہے۔ ہاں ذکر مصطلح سے اعراض کرنے والے نظر آتے ہیں۔ جو قرآن و حدیث چھانا تو بدعت نہیں سمجھتے مگر ذکر مصطلح سے جو اُن کو ہر وقت ذاکر بنا دینے والی چیز ہے اور علم ذکر کی تکمیل ہے اُن شرائط کے ساتھ جو ذکر کے بیان میں بیان ہوئے وہ بدعت کہہ کر اعراض کرتے ہیں۔

لا تطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا واتبع هواه اُس کے کہے میں نہ آنا جس کے قلب کو ہم نے ذکر خدا سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنے ہوا و ہوس کا ہو رہا (کہف ۴) بہت صحیح ہے کیونکہ وہ جو کچھ کہے گا بربنائے نفس و ہوا کہے گا اس میں نہ صداقت ہوگی نہ کامیابی یہی لوگ ہیں جن کی باتیں مبنی بر ہوس ہوا کرتی ہیں۔

فاعرض عمن تولی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوٰة الدنیا۔ اس سے کنارہ کشی اختیار کرو جو ہمارے ذکر سے روگردانی کرے اور دنیاوی زندگی کے سوا اُس کو کسی بات سے غرض و مطلب نہ ہو (نجم ۳) فی الحقیقت جس نے اسی دنیا کو ابتدا اور انتہا سمجھ لیا ہے اُس کی زندگی حیوانی زندگی ہے تو سمجھ لو کہ حیوانوں میں رہ کر اگر حیوانی زندگی بسر کرو تو تمہاری حیوانیت میں کیا کلام رہے گا۔

من اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا ونحشره یوم القیٰمة اعمیٰ قال رب لم حشرتنی اعمیٰ وقد کنت بصیرا قال کذلک اتتک اٰیٰتنا فنسیتها وکذلک الیوم تنسیٰ جس نے میرے ذکر سے اعراض کیا تو اُس کی زندگی تنگ

گذرے گی۔ دولت ہو تو سلطنت ہو تو ہر طرح کی فارغ البالی ہو تو۔ کیونکہ یا تو وہ اور آگے بڑھنے میں بےچینی سے سرگرداں ہوگا۔ یا حاصل کئے ہوئے کی طرف سے خطرناک۔ اطمینان قلبی تو ذکر سے ہوتا ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب اور یہ اس کو نصیب ہے نہیں) اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ اے خدا تہیں تو نے اندھا کیوں اٹھایا ہم تو دنیا میں آنکھ کرتے تھے۔ خدا فرمائے گا ایسا ہی ہونا چاہیئے ہماری آیتیں تیرے پاس آئیں اور تو نے خبر نہ لی اسطرح آج تیری بھی خبر نہ لی جائے گی۔ (طہ ۶) ذکر قلبی ہو یا ذکر نفسی۔ اس عام ذکر میں سب داخل ہیں۔ وہ ذکر داخل نہیں جس سے زبان تو آشنا ہو اور دل بےخبر۔

مسلمانو! اپنے کو سنی کہو یا شیعہ اہل حدیث کہو یا اہل قرآن خدا کے سکھے ہوئے نام کو چھوڑ کر اپنا جو نام رکھ لو مگر قرآن ایمان اگر فرض جانتے ہو تو ذکر سے جسکو تعلق قلب سے ہو اور جو ہر وقت اور ہر آن ہو جس کو میں نے اوپر بتایا ہے تم کو چھٹکارا نہیں ہے قرآن سے چشم پوشی اور تعصبانہ علیحدگی نہیں کرنیں چھکائے گی۔ ترجمہ کرتے چلے جانا اور قرآن مجید کو اس طرح پڑھنا جسطرح طوطوں نے اُس فلسفی سے سیکھا تھا ہرگز کام نہ دے گا کلمہ پڑھنے والے طوطے مسلمان نہیں ہو جاتے۔ وہاں تمہارے اعمال ہی پوچھے جائیں گے اور دلی معاملات ہی دیکھے جائیں گے نہ خلافت کے جھگڑوں سے سوال ہوگا۔ نہ امامت کے جھگڑوں سے۔ نہ آمین بالجہر و بالخفا سے سوال ہوگا۔ نہ رفع یدین کرنے نہ کرنے سے اب بھی ہوش کرو اور پولیٹیکل مذہب سے توبہ کرو۔ خلافت کا جھگڑا تو پولیٹیکل جھگڑا ہے۔ اسیطرح نفسانی مذہب سے تائب ہو جاؤ جس میں انسانی اختلافات اور جھگڑوں کے انبار لگے ہوں۔ اور خدا کے پاک اور مقدس کو قبول کرو اور اُس کے ذکر و فکر کے دریا میں غوطے لگاؤ۔ آپس کے جھگڑوں پر تھوک ڈالو اور نفس و شیطان کے مقابلہ کو تیار ہو جاؤ کہ دشمن کی فوج اپنا پرا جمائے سامنے کھڑی ہے۔ پاس انفاس کا پہرہ دار سو گیا پاس حواس کا قلعہ لٹ جائے گا اور تم خدائے مالک الملک کے حضور میں نامراد جاؤ گے۔ اے خدا قوم کی ہدایت کر اور اپنی رحمت کے دامن میں ڈھانک لے۔

ذکر کے اعتراض کرنے والوں کی نسبت جو کچھ میں نے بیان کیا ہے بہت کافی ہے۔

معالجہ امراض نفسی

میں نے بیان کیا ہے کہ کسطرح امراض قلبی کا علاج ذکر سے ہوتا ہے تو امراض نفسی کا علاج بھی مختصراً اسی اصول پر سمجھ لو۔ شافی حقیقی کے سوا نہ شفا ہی کہیں ملتی ہے نہ کارساز حقیقی کے سوا مدد ہی۔ نہ کوئی پناہ دینے والا ہے نہ پناہ دینے کی قوت ہی کسی میں ہے۔ اس لئے امراض قلبی میں جسطرح تم نے خدا کے حضور میں پناہ لی تھی امراض نفسی میں بھی اُسی کے حضور میں پناہ لو۔ الیہ المرجع والمآب۔

ولی مرشد کو لازم ہے کہ امراض نفسی میں سے کوئی مرض یا اس مرض سے اور عارضے جو مسترشد میں پائے تو اسے صفات یا اسماء خداوندی کے آگے پیش کرے۔ اور ان اسماء میں سے کوئی اسم مرض مریض کے علاج کے مناسب چن لے جو مزاج مریض کے بھی مناسب ہو یعنی اُسکی دلی دلچسپی بھی اُسکے ساتھ پائی جاتی ہو یا پیدا کرنے سے پائی جائے اُس اسم مقدس کی فکر جو فکر معمولاً موقت ہو جاتا ہے فکر فی الانفس جاہے فکر فی الآفاق یعنی فکر و مراقبہ کی ہدایت کرے کہ وہ صفت خداوندی مسترشد میں مستولی ہو اور مریض کو اپنے فیوض و برکات میں ڈھانپ لے میری غرض یہ ہے کہ جسطرح ذکر اسماء حسنیٰ علاج امراض قلبی ہے۔ اسی طرح فکر و مراقبہ اسماء حسنےٰ علاج امراض نفسی ہے۔

یہ علاج تیر بہدف ہے کبھی خطا نہیں کرنے کا کیونکہ یہ طریقہ علاج خدائی قرابادین کا ہے۔ فاللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا اسماء حسنیٰ خدا ہی کے ہیں تو خدا کو انھیں ناموں سے پکارو (اعراف ۲۳) اسی لئے خدا نے فادعو فرمایا فاذکرو فرمایا نہ فتفکروا فرمایا کیونکہ اس کو زبان سے پکارو تو ذکر جہری ہے۔ دل میں پکارو تو ذکر قلبی ہے اور مفہوم کو پہونچکر دھیان سے پکارو تو ذکر نفسی یعنی فکر ہے اس لئے یہ فادعو سب کو شامل ہے اس کو دل اور دھیان کی زبان سے پکارو وہ سنے گا۔ دل کی پکار اور سر کی ندا اُس کے سوا اور کون سننے والا ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ امراض نفسی کا علاج فکر ہے اور مراقبہ ہے جس کا بیان آگے آئیگا مگر اس کے سوا خدا نے اور طریقہ علاج بھی بتا دیا ہے۔

خدا نے فرمایا ورتل القرآن ترتیلا ہ انا سنلقی علیک قولاً ثقیلا ہ ان ناشئۃ اللیل ھی اشد وطأ و اقوم قیلا ہ قرآن کو خوب ٹھیر ٹھیر کر پڑھا کرو ہم عنقریب تم پر ایک

تمہاری حلم کا بوجھ ڈالنے کو ہیں یعنی تبلیغ رسالت اب بے شک رات کا اٹھنا خوب ہی نفس کو زیر کرتا ہے
اور اسوقت تلاوت بھی ٹھیک ادا ہوتی ہے (مزمل ۱) قیاد سے لوگوں نے دُعا مراد لی ہے تو دعا تو دل کی
مانگ ہے جس وقت دل مانگنے کو اٹھے اس کا وہی وقت ہے اور یہی تلاوت ترجمہ میں لکھا ہے چونکہ دعا کا یہاں
مذکور نہیں اور تلاوت کی نسبت فرمایا گیا ہے ورتل القرآن ترتیلا دوسرے صرف رات کے اٹھنا سے یہ نہیں بات کو اٹھنے سے کیا
ہوتا ہے مطلب ہے رات کو اٹھ کر عبادت کرنا یہی تہجد کی نماز مطلب ہے جو آپ پر لازم ہی کر دی تھی غرض یہ ہے کہ رات
کو اٹھ کر تہجد پڑھنی اور بعد تہجد کی نماز مطلب ہے جو آپ پر لازم ہی کر دی تھی غرض یہ ہے کہ رات کو
اٹھ کر تہجد پڑھنی اور بعد تہجد قرآن کی تلاوت کرنی نفس کو سرکشی سے روکتا
اور زیر کرتا ہے اس کے بعد خدا نے فرمایا ان لک فی النہار سبحا طویلا واذکر اسم
ربک وتبتل الیہ تبتیلا اور دن کے وقت تو تم کو وعظ و نصیحت کا بڑا اشغل رہتا ہے اور
خدا کے نام کا ذکر کرتے رہو۔ اور مذکور میں فنا ہو جاؤ یعنی یکسو ہو جاؤ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ
دن کو تو رسالت کا کام رہے گا تو رات کو خدا کے نام کا ذکر کیا کرو وہ وقت بھی مناسب ہے کہ
اس وقت مذکور کے ساتھ یکسو ہو سکو گے یعنی رات کو اٹھ کر تہجد اور بعد تہجد تلاوت یا ذکر جو مذکور میں
فنا ہو کر ہو موجب تزکیہ نفس ہے۔ ذکر کی انتہا فکر بھی ہے اور فکر امراض نفسی کا علاج ہے۔
امراض نفسی کا اور طریقہ علاج بھی خدا نے بتایا ہے جو مشہور و معروف ہے کہ خواہش نفسانی کی
پیروی نکرو (لا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ نفس کی پیروی نکرو یہ تمہیں خدا کی راہ سے
بھٹکا دے گا (ص ۲) کیونکہ ان النفس لامارۃ بالسوء نفس تو برائیوں پر ابھارتا ہی رہتا ہے
(یوسف ۸) جب نفس کی نہ سنوگے تو وہ عاجز اور نامراد ہو کر اصلاح پر آجائے گا اور پھر
تمہاری سننے لگے گا۔ اسکی سنتے رہوگے تو وہ تمہارا معبود ہو جائے گا افرایت من اتخذ
الھہ ھواہ کیا تم نے اسے دیکھا نہیں جس نے اپنی خواہشوں کو معبود بنا لیا ہے (جاثیہ ۲)
نفس پہلے تو آرزوں کی گنڈ ڈالتا ہے وغرتکم الامانی۔ تم کو آرزوں نے دھوکے میں رکھا
(حدید ۲) جب آدمی آرزوں کے پیچھے پڑ لیتا ہے تو اُس کے اعمال اُس کی آنکھوں
میں بھلے دکھائی دینے لگتے ہیں اور اسکی اصلاح کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ یہ معنی ہیں توبہ کے
دروازے بند ہونے کے افمن کان علی بینۃ من ربہ کمن زین لہ سوء عملہ واتبعوا
اھواءھم۔ کیا جس کی رفتار قرآن پر ہے وہ اُسکے برابر ہے جو اپنی خواہشوں کا تبع ہے اور
اُس کے برے کام اُس کی آنکھوں میں بھلے دکھائے گئے ہیں (محمد ۲) تو ایسا شخص گمراہ ہے

ومن اضل ممن اتبع هوٰه بغیر هدی من اللہ۔ اس سے گمراہ تر کون ہے جو اپنی
خواہشوں پر چلے بغیر اس ہدایت کے جو خدا کی طرف سے اس کو ملی ہو (قصص ع۵)
اگر وہ نفس کو خدائی ہدایت پر لگاسکے تو باثمر ہوگا ورنہ نامراد۔ اور اگر خدائی ہدایت ہی
اس کی خواہش ہو جائے تو اس کا نفس مسلمان ہو گیا۔ مگر نفس مسلمان ہوتا ہے مرض سرکشی سے
صحت یابی کے بعد الختصر واما من خاف مقام ربه ونهی النفس عن الهوی فان
الجنة هی الماوی۔ جو خدا کی حضوری میں خائف رہا اور نفس کو نفسانی خواہشوں سے روکتا
رہا۔ تو بے شک اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے (یعنی وصال گاہ) (النازعات ع۲)
اصول اخلاق پر ریاض کرنے سے تزکیہ نفس ہوتا ہے یہ صحیح ہے۔ مگر اسی کے ساتھ یہ بھی
صحیح ہے کہ اصول اخلاق مع اپنے ارکان و دوائر کے اسی وقت صحیح برتا جاسکتا ہے جب
تزکیہ نفس ہو۔ تزکیہ نفس سے یہی مراد ہے۔ نعمائے الہیہ کا صحیح استعمال ہونا نعمائے الہیہ کا
بیان تھوڑی سی تکلیف گوارا کر کے پھر پڑھ جاؤ۔ دہرانے سے طوالت ہوگی۔ اور مقصود یہ ہے
مختصراً غرض یہ ہے کہ قوت خیال و ادراک قوت شہوت و خواہش۔ قوت جلال و غضب
اور قوت انضباط و اکتساب کا صراط مستقیم پر قایم ہونا جس کی پوری تصریح نعمائے الہیہ
کے بیان میں ہوئی۔ یہ تزکیہ نفس ہے اور ان قوتوں کا افراط و تفریط کی راہ چلنا نفس
بدراہی ہے اور اصلاح طلب اور اصلاح نہیں ہو سکتی جب تک نفس مذموم بدل کر نفس محمود
نہ ہو جائے یہی مجاہدہ و طلب ہے نفس جب تک اصلاح پذیر نہیں ہوا تو وہ رہزن ہے
تو وہ سمجھو کہ شیطان بن کر تمہاری راہ روکے گا۔ تم اس سے جھگڑوگے وہ تم سے جھگڑے گا۔
تم اپنی قوت صرف کرو گے وہ اپنی قوت صرف کرے گا اس جنگ و فساد میں کامیابی بھی ہوگی تو ایک مدت میں
اور جان جوکھوں جھیلنے کے بعد اس لئے اس سے جھگڑو نہیں کہ وہ کاٹے کھائے
دہن سگ بلقمہ دوختہ بہ۔ اس کو روکنے کی عادت کرو جس کی خدا نے ایک مہینہ روزہ
فرض کر کے اس کی تربیت کی ہے۔ اگر نفس شیطان بن کر آیا ہے تو تعوذ سے بھی بھاگے گا
مگر تعوذ یہ نہیں ہے کہ زبان سے اعوذ باللہ رٹا کرو اس سے وہ اکثر بھاگتا
تعوذ سے بھاگنے کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے حضور میں پناہ لو اور اس کی صورت
یہ ہے کہ شیطان جس ساز و سامان سے آئے آنے دو اس کو اپنے سامنے بٹھاؤ۔
اور اس پر شکر کی آنکھ ڈالو۔ موم آگ پر جس طرح پگھلتا ہے نفس شیطان اس سے زیادہ

جلد پانی ہو ہو کر بہ جائیں گے۔ اُدھر نظر گردی اُدھر ہوا نہیں ہیں کہ خدا سے پناہ مانگو تو شیطان بھاگ جاتا ہے۔

ان صورتوں کے سوا علاج امراض نفسی فکر ہے میں اوّلاً ان آیتوں کو بیان کرنا چاہتا ہوں جن میں فکر و مراقبہ ایک جگہ بیان ہوئے ہیں پھر مزید تفصیل کے خیال سے الگ الگ بیان کروں گا۔

فکر فی الآفاق و فکر فی الانفس

سنریہم اٰیٰتنا فی الآفاق وفی انفسہم حتیٰ یتبین لہم انہ الحق اولم یکف بربک انہ علیٰ کل شیٍٔ شہید۔ الا انہم فی مریۃ من لقاء ربہم الا انہ بکل شیٍٔ محیط۔ عنقریب ہم اُن کو اپنی نشانیاں آفاق میں اور خود اُن کے نفس میں دکھائیں گے۔ یہاں تک کہ اُنکو منکشف ہو جائے گا کہ خدا ہی حق ہے۔ کیا تمہاری تسلی کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا خدا ہر شے پر شاہد حال ہے سنو جی یہ لوگ تو لقاء رب ہی سے مشکوک ہیں۔ ہوشیار رہو کہ خدا ہر چیز کو محیط ہے (حم السجدہ ۲۴ ع ۹) سبحان اللہ یہ آیت تدبر کرنے کی ہے اور اُسکے اسرار و لطائف پانے ہی کے ہیں۔

خدا کی نشانیاں آفاق میں بھی ہیں۔ اور خود انسان کے نفس میں بھی انھیں نشانیوں پر فکر کرنے سے آدمی خدا کو پائے گا اور اُس پر کھل جائے گا کہ خدا ہی حق ہے اس انکشاف کے باعث اُس کو لقاء رب کے طرف سے اور اُن کی طرح شک نہ رہے گا اور اُس کو منکشف ہو جائے گا کہ خدا ہر چیز کو محیط ہے۔

فکر فی الآفاق اور فکر فی الانفس کی ہدایت کی گئی۔ فکر فی الآفاق کو اصطلاحاً فکر کہتے ہیں اور فکر فی الانفس کو مراقبہ۔ بات واحد ہے اصطلاح کا پھیر ہے اس فکر و مراقبہ سے ایمان بالغیب حاصل ہوتا ہے کہ لاریب خدا ہی حق ہے اور لاریب خدا ہی ہر شے کو محیط ہے۔ نہایت تحمل اختیار رکھنے سے بے صبر اور ناامید نہ ہونا طلب کے پاؤں چلنا اور رحمت کی طرف دیکھتے رہنا جب تک حتیٰ یتبین لہم انہ الحق منکشف نہ ہو عقل تمہیں مایوس کرے گی کہ تمہاری ہستی کیا اگر تم اس کو دیکھنا اور اس کی قدرت و رحمت کے امیدوار رہنا چاہو۔ کیا تم سے کچھ دور ہے وہ تو ہر شے کو محیط ہے۔ مراقبہ میں اسکی احاطت تمہیں نظر آئے گی

اور اس پر ثبت کرو استقامت سے تمہیں دوام حضور حاصل ہوگا اور دوام حضور کی استقامت کے دوام تم ہو۔
یہ خدائی وعدہ ہے جلد پچیس کی آیت میں بیان ہوا کہ فکر و مراقبہ کرنے والوں کو خدا
وصول الی المطلوب نشانیاں دکھاتا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ قرآن مجید کی حقانیت کا
انہیں یقین ہو جیسا کہ لوگوں نے خیال کیا ہے اور انہ الحق کی ضمیر کو قرآن کی طرف
پھیرا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ خدا کے حق ہونے کا انکشاف ہو کیونکہ نشانی تو خدا کی ہے جسے
وہ دکھائے گا پھر اس سے آدمی اس کو پائے گا جس کی نشانی ہے یا دوسرے کو
انہ الحق کے ماقبل اس آیت میں کہیں قرآن کا تذکرہ نہیں کہ ضمیر ادھر راجع ہو اور مابعد کا طرز کلام
بھی صاف صاف یہی بتا رہا ہے کہ ہو کی ضمیر خدا ہی کی طرف ہے۔
سنکر تمہیں ایمان و یقین حاصل ہو تو وہ بھی ایمان ہے لیکن اگر تم نشانیاں بھی دیکھ پاؤ تو تمہیں
ایمان و یقین کامل حاصل ہوگا۔ اولئک هم المومنون حقا لهم درجت عند ربهم۔ یہی سچے
مومن ہیں خدا کے یہاں انکے بڑے درجے ہیں (انفال ع۱) کیونکہ اگر تم شاہی خیمہ و خرگاہ
اپنی آنکھوں دیکھ لو تو بادشاہ کے ہونے کا تم کو ایسا یقین ہو جو کسی کے متزلزل کئے متزلزل
نہیں ہونے کا۔

اس اوپر کی آیت میں خدا نے فرمایا الا انهم فی مریة من لقاء ربهم سن لو یہ لوگ لقاء رب ہی
سے مشکوک ہیں۔ لقاء رب سے اور تو اور مسلمان بھی شک شکوک میں پڑے تو فلسفیانہ اگر مگر کے
دلدل میں گر پڑے اور لقاء رب کو آخرت پر منحصر کیا۔ قرآن کی تعمیم جو دونوں جہان کی تھی اس کو
آخرت اٹھا کر تعمیم قرآن کی تخصیص کر دی اور نار واحد بندی۔ کیونکہ وہ اس دھوکے میں پڑے کہ
محدود انسان غیر محدود خدا کو نہیں دیکھ سکتا۔ محال ہے آخرت میں دیکھ سکتا ہے۔ کیونکہ وہاں
سب محال ممکن ہے۔ مگر یہ نہ سمجھے کہ انسان نہیں دیکھ سکتا مگر خدا تو دکھا سکتا ہے اسکے نزدیک تو
محال ممکن ہے۔ دوسرے جن آنکھوں آخرت میں دیکھ سکتا ہے۔ وہ آنکھیں خدا یہاں بھی دے سکتا ہے
دوسرے لقاء کے لئے دیکھنا ضروری بھی نہیں۔ ملاقات تو اندھے بھی کرتے ہیں ملاقات میں صورت
دیکھنے کی ضرورت نہیں مجالست کافی ہے اس لئے لقاء رب کے معنی حضوری اور قرب کے
ہیں۔ لغت میں لقاء کے معنی دیکھنے کے لکھے ہیں۔ مگر دیکھنا اس کو بھی کہا جاتا ہے جس کو ہم
ان آنکھوں نہ دیکھیں جیسے اندھے کہیں کہ ہم برابر یوں ہی دیکھتے آئے اس کے سوا دیکھنے والا
نہ دیکھنے والا تو قلب ہوتا ہے۔ فانها لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور

بحث و مباحثہ میری غرض نہیں۔ غرض یہ ہے کہ لقاء رب سے مشکوک نہ ہونا چاہیئے اور نہ لقا کو
کسی عالم کے لئے مخصوص کرنا چاہیئے بس جیسے خدا نے فرمایا ویسے ہی ایمان لاؤ۔

خدا نے فرمایا فی الارض ایٰت للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون۔ ایمان و یقین
رکھنے والوں کے لئے دنیا میں اور خود تم میں خدا کی نشانیاں ہیں کیا تم دیکھتے نہیں (الذاریات)
دنیا کی نشانیوں کی طرف متوجہ کرنا فکر کی تعلیم ہے اور اپنے نفس کی نشانیوں کی طرف
متوجہ کرنا مراقبہ کی تعلیم۔ اس تعلیم کے بعد اور آیات اللہ کی طرف متوجہ کرنے کے بعد خدا
فرماتا ہے "کیا تم دیکھتے نہیں" ہاں تم دیکھنا چاہتے نہیں۔ وہ تعصبات فرق کے سبب ان آیات
کی تعمیل کو اپنے فرقہ میں نہ پا کر بدعت سمجھتی ہے جسے بصیرت نہ ہو جسے بصارت نہ ہو وہ اللہ کی
آیتوں کے ترجمہ ہی کر دینے پر قناعت نہ کرے تو کیا کرے اسے خدا تو ہی رحم کر۔

اب میں فکر مراقبہ کو الگ الگ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ زیادہ وضاحت آ سکے اور
طالب پر ان کی حقیقت زیادہ واضح ہو کر ان کو روحانی ہدایات خداوندی پر چلا کر دریافت
کرنے کا ڈھنگ آ سکے۔

فکر

فکر کے معنی غور کرنے کے ہیں۔ یہ فکر اصول ہے۔ ہر چیز پر ہم کو غور و فکر کی نگاہ ڈالنی چاہیئے
کہ کیوں ہے کس لئے ہے کس طرح ہے اور کیا ہے۔ اگر یہ نگاہ خدا کے ساتھ اور خدا کیلئے
ہوگی تو اس میں خدا کی عجیب پر کیف نشانیاں ملیں گی اور ان نشانیوں پر فکر کی رفتار قائم رکھنے
سے خدا تک رسائی ہوگی اور اس کا قرب در قرب نصیب ہوگا۔ فاما ان کان من
المقربین فروح وریحان وجنة نعیم تو اگر وہ مقربوں میں ہوا تو راحت ہے اور
رزق ہے اور نعمت کی بہشت ہے (الواقعہ ع ۳) اور اگر فکر خدا کے لئے نہیں بلکہ دریافت
ماہیت الاشیاء کے لئے ہوگی تو یہ علوم و فنون کے ذخیرے پائے گی ایجادات اختراعات
و تحقیقات پائے گی۔ اسی لئے جہاں جہاں خداوند تعالیٰ و تقدس نے آیات اللہ کو بیان
فرمایا ہے اس تفرقہ کو بھی بیان فرما دیا ہے مثلاً ایٰت لقوم یومنون۔ ایٰت لقوم یتفکرون
ایٰت لقوم یعقلون۔ ایٰت لقوم یعلمون وغیرہ وغیرہ تو جیسی فکر ویسا پھل۔

حرارت اور انجروں کی قوت اسی فکر کی یافت ہے جس سے انجن چلتے ہیں ریلیں اور
طرح طرح کے کارخانوں کی جان ہے۔ اسی سے بجلی کی قوت اور اس کی حرکت تار بجلی

برقی روشنی اور اس کے بہتیرے کرشمے عالم ظہور میں آئے اور ابھی آئیں گے۔ پھر بھی یہ فکر کی ابتدائی رفتار ہے کیونکہ خلق لکم مافی الارض جمیعا خدا نے زمین کی سب چیزوں کو تمہارے لئے پیدا کیا ہے (بقرہ ع۳) ابھی زمین کی ساری دولتیں کہاں ظاہر ہوئیں اسی کرے فلکیات کی فضائی اور کروں کی ماہیت دریافت کی یہی فکر علم کی ابتدا ہے۔ اور یہی علم کی انتہا۔ اسی فکر کی جانب خدا نے ہدایت کی تھی ومن کل شئی خلقنا زوجین ہر چیز کو ہم نے جوڑا پیدا کیا ہے (الذاریات ع۳) علم بوٹنی نے آج پتہ لگایا ہے کہ انسان و حیوان ہی کیوں نہیں۔ بہتیرے نباتات میں بھی جوڑے ہیں۔ یہ اس علم میں فکر کی رفتار اور تیز ہوگی تو معلوم ہوگا کہ بہتیرے نہیں بلکہ کل کائنات میں جوڑے ہیں سبحان الذی خلق الازواج کلہا مما تنبت الارض ومن انفسہم ومما لایعلمون پاک ذات ہے خدا جس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے نباتات میں سے اور خود انکی قسموں میں سے اور ان چیزوں سے بھی جن کو وہ جانتے نہیں۔ (یس ع۳) اپنے سوا کسی میں وحدت نہیں رکھی۔ اسی لئے فرمایا سبحن الذی کہ ایک خدا ہی کی ذات جوڑے سے پاک ہے فکر کی رفتار اور تیز ہوگی تو ایک دن یہ بھی دریافت ہو جائے گا کہ جمادات میں بھی جوڑے ہیں۔ ومن کل شئی خلقنا زوجین ہر چیز کو ہم نے جوڑا پیدا کیا ہے (الذریت ع۳) بنانے والے سے زیادہ واقف کون ہو سکتا ہے جس نے بنایا اس نے بتا بھی دیا۔ اور ان دریافتوں کی کنجی بھی عنایت کی یعنی قوت فکر۔

فکر نے ابھی تک تو زمین ہی کے پورے خزانے نہیں کھولے ہیں اور فلکیات تو بالکل ہی باقی ہیں۔ حالانکہ سخر لکم مافی السموات ومافی الارض۔ آسمان و زمین کی کل چیزوں کو ہم نے تمہارے کام میں لگا دیا ہے (جاثیہ ع۲) تو سب کے تعلقات کو سمجھو۔ اس فکر نے خشکی و تری ہی سے کام نہیں لیا۔ حرارت و بجلی ہی سے کام نہیں لیا بلکہ وہ ہوا سے بھی کام لینے کا حوصلہ کر رہی ہے ہوائی جہاز کے طرف فکر کا حوصلہ بلند ہو رہا ہے۔ بہت کچھ ہوا اور بہت کچھ ہوتا ہے اور بہت ہو کر رہے گا ابھی آسمانی دولتوں کا خزانہ کھلنا بالکل ہی باقی ہے۔

اگر اسی طرح فکر ترقی کرتی رہی تو ایک دن یہ پتہ لگا چھوڑے گی کہ ساری قوتیں کیا آب و ہوا کی قوت کیا برقی اور مقناطیسی قوت کیا ارضی و سماوی قوت۔ ساری قوتیں ایک ہی قوت اعلیٰ کی مختلف شانیں ہیں جیسے بانسری کی ایک پھونک مختلف سوراخوں میں پھونک ایک ہے

اور آواز میں طرح طرح کی۔

یہ تو فکر کے وہ رموز ہیں جو مادیات اور احاطہ حواس سے باہر نہیں ہیں فکر کی رفتار قانون فطرت میں
اور قانون فطرت کے اندر ہوتی ہے تو اُسے فکر عقلی کہو اس فکر سے اقرار روحانیت ثبوت نہ
اچھوتے ہیں وہ اسرار جو عالم قلب و سر اور عالم خفی و اخفیٰ میں پوشیدہ سے پوشیدہ روح
کی طرح ہیں وہ اس فکر میں آشکارا ہوتے ہیں جو اس فکر سے بالاتر جو اس باطنی سے کیجائے
اسکی رفتار قانون قدرت کے احاطہ میں جا پڑتی ہے اور اسلئے وہ مخصوص ہو جاتی ہے۔ اب اعلیٰ سمجھئے
اُسے فکر قلبی یا فکر روحی کہو اس راہ کا رہرو نہ صرف عالم اسرار کے بھیدوں اور خبروں کو جو اسے
راہ میں ملتے ہیں سرسری نگاہوں دیکھتا ہے بلکہ مقصود کے سوا سارے جہان و ما تعلق بہا سے
بے نیاز ہو جاتا اور چشم پوشی کرتا ہے ما زاغ البصر و ما طغیٰ چونکہ راہ روحانی پراسرار ہے اسلئے
خدا نے اسکی تعلیم بھی کردی جو بیان کیجائیگی اور کچھ بیان ہو چکی۔

جب ذکر جاری ہو جاتا ٹھیک اُترتا اور رسا ہوتا ہے اصلها ثابت و فرعها فی السماء
جیسا کہ ذکر کلمہ طیبہ میں بیان ہو چکا ہے۔ تو وہ مذکور کا متلاشی ہوتا ہے۔ جب طلب و تلاش آئی تو
خدا نے اپنی نشانیاں بھی بتادیں کہ وہ آفاق میں بھی ہیں اور خود تم میں بھی انہیں نشانیوں سے
ہمیں پا سکتے ہو۔ اس کے لئے فکر و مراقبہ کی تعلیم کی کذلک نفصل الآیات لقوم یتفکرون
فکر کرنے والوں کے لئے اپنی نشانیاں ہم کھول کھول کر بتا دیتے ہیں (یونس ع ۳) کیا خدا
اپنی نشانیاں بیکار بتاتا ہے کیا اس لئے بتاتا ہے کہ تم صرف ترجمہ کہہ دو اور کچھ نشانیوں کی
فہرست گن دو یا اس لئے کہ تم ان پر فکر کرو اور اُن نشانیوں سے خدا کو پاؤ۔ اگر فکر کے لئے
خدا نے نشانیاں بتائیں تو سوائے فرقہ صوفیہ کرام کے جنہیں اے فرقہ اہل حدیث تم بدعتی
کہتے ہو کس نے فکر کی اور کون فکر کرتا ہے کس نے ان ہدایات ربانی کی تعمیل کی اور
کون تعمیل کرتا ہے۔ اسی لئے اس فرقہ کے سوا کس نے خدا ہی کا فضلہ طلب کیا اور کون
مراد کو پہونچا اولئک هم الفائزون یبشرهم ربهم برحمة منه و فضل و جنت
لهم دیکھو۔ خداوند تعالیٰ و تقدس کس کس طرح فکر کی تعلیم کرتا ہے اور فکر کرنے والوں کی
تمجید کرتا ہے۔ کاش مسلمان ہدایات ربانی سے مستفیض ہوتے اور تعمیل کرکے بامراد
ہوتے خدا فرماتا ہے ان فی السموات والارض لآیت للمؤمنین بیشک مومنوں
کے لئے آسمان و زمین میں خدا کی نشانیاں ہیں (جاثیہ ع ۱) تو مسلمانو اس کی

نشانیوں سے اعراض کرو۔ ان الذین لا یرجون لقاءنا ورضوا بالحیوۃ الدنیا
واطمانوا بہا والذین ھم عن اٰیٰتنا غٰفلون اولٰئک ماوٰھم النار بما کانوا
یکسبون جو ہم سے ملنے کے اُمیدوار نہیں یعنی طالب خدا نہیں۔ اور وہ دنیا ہی کی
زندگانی پر راضی اور مطمئن ہو گئے اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں تو ایسوں کا
ٹھکانا اُن کے کرتوتوں کے سبب جہنم ہے (یونس ۱)

ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنہار لاٰیٰت لاولی
الالباب الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبھم ویتفکرون
فی خلق السموات والارض خلقت آسمان وزمین اور اختلاف لیل ونہار میں
ذی عقل کے لئے خدا کی نشانیاں ہیں۔ ذی عقل وہ ہیں جو خدا کو کھڑے بیٹھے اور لیٹے
ہر وقت یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمان وزمین کی بناوٹ میں فکر کرتے رہتے ہیں۔
(آل عمران ۲۰) ذکر علی الدوام یعنی پاس انفاس سے طلب سرگرم تلاش ہوتی ہے
تو خدا نے فکر کی راہ سجھائی جب وہ فکر میں پڑ جاتی ہے تو خدا کی نشانیاں ملتی ہیں۔ یہ
نشانیاں جب ملی ہیں اُس سے حضور تک پہنچا دیتی ہیں۔ یہ سمجھو کہ علی الدوام ذکر
وفکر یعنی پاس انفاس اور پاس حواس سے تمہارے دنیاوی کام بگڑ جائیں گے نہیں بلکہ
دنیوی کام دینی ہو جاتے ہیں۔ اور مزید جمعیت خاطر کے ساتھ انجام پائیں گے۔ اس
حال میں پہنچکر تم اپنے کام میں خدائی جاندار مشین کی طرح چلتے رہو گے اور سارے
کام بہ احسن وجوہ بلا مشائبہ وحشت نامرادی انجام پائیں گے۔ کم سے کم وہ خدائی
لگاؤ کا رشتہ جسے خدا نے عروۃ الوثقیٰ لا انفصام لہا فرمایا وہ تو ہاتھ آجائے گا
جیسے تم نے پنہاریوں کو دیکھا ہوگا بھرا گھڑا سر پر لئے جاتی ہیں۔ باتیں بھی کرتی جاتی ہیں
راہ بھی چلتی جاتی ہیں مگر دھیان کا لگاؤ اُس گھڑے کی طرف کچھ ایسا ہوتا ہے کہ
اُس کا بیلنس عدم دہی سے توجہی میں جاتا رہتا وہ نہیں جانے پاتا۔

ان فی اختلاف الیل والنہار وما خلق اللہ فی السموات والارض
لاٰیٰت۔ اختلاف لیل ونہار اور اشیاء ارضی وسماوی میں خدا کی نشانیاں ہیں [illegible]
ساری چیزوں میں فکر کی ہدایت قرآنی اور پہلی آیت میں انتظام [illegible]
فکر کو فرمایا گیا۔

وکاین من آیۃ فی السموات والارض یمرون علیہا وھم عنہا معرضون
خدا کی کتنی نشانیاں آسمان و زمین میں ایسی ہیں کہ ان نشانیوں پر لوگوں کا گذر تو ہوتا ہے مگر
وہ اعراض کرتے ہیں (یوسف ع۱۲) یہ انقلاب و حادثات میں فکر کرنے کو فرمایا۔

اولم ینظروا فی ملکوت السموات والارض کیا لوگ ملکوت آسمان و زمین یعنی نظام عالم
میں فکر نہیں کرتے (اعراف ع۲۳) جو ناسوت ہی میں سرگرداں رہنا چاہتے تو ان کے لئے ملکوت
کا دروازہ نہیں کھلتا۔ ترجمہ ہی کرتے نہ جاؤ ذرا مطلب بھی سمجھاؤ کہ ملکوت آسمان و زمین میں دیکھنے
کے کیا مطلب ہیں۔ بادی النظر میں آسمان و زمین تو ہر کوئی دیکھتا ہے یہ ملکوت آسمان و زمین
میں دیکھنا کیا ہے۔

خدا جانے قرآن مجید میں کتنی جگہ لعلہم یتفکرون اور لعلکم تتفکرون موجود ہے اور کتنی
طرح سے خدا نے ہم کو فکر کی تعلیم کی ہے جہاں جہاں خدا نے اپنی نشانیاں بتائی ہیں وہ ہماری
فکر ہی کے لئے ہیں۔ فکر کی ہدایتوں سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے جس کی تشریح کے لئے یہ کتاب
کافی نہیں۔ اس لئے بنظر اختصار اتنا کہہ دینا ضرور ہے کہ انسان حیوان نباتات۔ جمادات
کیفیات ارضی و سماوی۔ کیفیات بری و بحری۔ حادثات عالم۔ مصائب و آلام خدا نے ساری
قوتوں اور ساری جذبات میں فکر کی تعلیم فرمائی ہے۔ سورہ روم میں رکوع کا رکوع انعام میں
رکوع کا رکوع جاثیہ میں رکوع کا رکوع فصلت میں شوریٰ میں عنکبوت میں یونس میں
بلکہ کونسی بڑی سورہ ہے جس میں فکر کی ہدایت اور تعلیم نہیں کی گئی۔

قصے جو قرآن مجید میں خدا نے بیان فرمائے ہیں تو یہی فرما دیا ہے فاقصص القصص لعلہم
یتفکرون لوگوں سے قصے بیان کر دو تاکہ لوگ ان پر فکر کیا کریں۔ (اعراف ع۲۲) قصوں میں
فکر کرنے سے طرح طرح کی موثر ہدایتیں معلوم ہوتی ہیں۔

مثالیں بھی خدا نے دی ہیں تو یہ فرما دیا ہے تلک الامثال نضربہا للناس لعلہم یتفکرون
ہم نے لوگوں کو مثالیں دے دے کر سمجھایا ہے تاکہ لوگ فکر کریں (حشر ع۳) سارے قرآن مجید
ہی میں تدبر و تفکر کرنا چاہئے۔ قصوں پر بھی مثالوں پر بھی خدا کے لئے قرآن مجید کو چھوڑ دو
نہ پڑھو اگر پڑھو تو تدبر و تفکر کی آنکھوں سے۔ اندھوں کی طرح نہ پڑھو ھل یستوی الاعمی
والبصیر افلا تتفکرون کیا آنکھ والے اور اندھے برابر ہیں کیا تم اس پر فکر نہیں کرتے (انعام ع۵)
خدا نے فرمایا ھو الذی انزل علیک الکتاب منہ آیت محکمات ھن ام الکتاب

وأُخر متشٰبهٰت فاما الذين في قلوبهم زيغ فيتبعون ماتشابه منه ابتغاء
الفتنة وابتغاء تاويله وما يعلم تاويله الا الله والراسخون في العلم يقولون اٰمنا
به كل من عند ربنا وما يذكر الا اولوا الالباب ۔ وہ خدا ہی ہے جس نے تم پر قرآن مجید
اتارا جس کی بعض آیتیں محکم ہیں۔ یہ آیتیں تو ام الکتاب ہیں (یعنی احکام وہدایات کی آیتیں)
اور بعض متشابہ ہیں۔ تو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جو اس میں
متشابہات ہیں۔ بہ نیت فساد اور بہ نیت تاویل۔ حالانکہ اس کے اصل مطلب کا علم خدا ہی کو ہے
اور راسخین علم کو بھی جو کہتے ہیں کہ ہم کو اس پر ایمان ہے اور سب کچھ خدا کی طرف سے ہے
اور اس سے ذی عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں (آل عمران ۱) آیات محکمات پہلے نازل
ہوئیں اور آیات متشابہات بعد۔ آیات متشابہات سے حروف مقطعات سمجھنا صریح بے انصافی
ہے۔ حروف مقطعات تو حروف ہیں آیت نہیں۔ دوسرے لفظ خود بتا رہا ہے کہ متشابہ آیتیں وہ ہیں
جن میں تشابہ پایا جائے جیسے صفات خداوندی جو بیان ہوئے ہیں وہ انسانی صفات سے
مشابہ ہیں اکثر آیتوں کا اختتام انہیں متشابہات پر ہوا ہے۔ متشابہات اس کے صفات ہیں
مثلاً خدا کا جاننا اس کا دیکھنا سننا۔ اس کا بیٹھنا اٹھنا اس کے منہ اور ہاتھ ہونا۔ اس کا راضی
ہونا غصہ ہونا۔ خوش ہونا خفا ہونا اس کا معاف کرنا اور بدلا لینا وغیرہ وغیرہ سارے ہی صفات
ہم انسان کے صفات سے مشابہ بیان ہوئے ہیں۔ تو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ سمجھے کہ
اس کے ہاتھ منہ ہمارے جیسا ہے۔ اس کے آنکھ کان ہمارے جیسے ہیں وہ صورت میں ہماری
صورت کا اور سیرت میں ہماری سیرت کا ہے۔ اور ہو بہو ہمارا مشابہ ایک دیوتا تخت پر بیٹھا
سلطنت کر رہا ہے مگر اس کی تنزہ کی آیتیں مجبور کرتی ہیں تو وہ تاویل کی طرف جھک پڑتے ہیں کہ
اس کی ساری صفتیں ہیں تو ہماری ہی سی مگر بے کیف ہیں۔ بے کیف کا لفظ اس لئے بولا گیا کہ
بہتیرے سوالوں کے جواب نہ دینا پڑیں۔ کیونکہ کام تو سوال وجواب سے ہی ٹھہرا کہ معترض کا
منہ بند ہو۔ یہ ساری منہ بولی باتیں ہیں۔ آیات متشابہات خدا نے فکر و مراقبہ کے لئے نازل
فرمائی ہیں۔ اسی لئے اس نے فرمایا فاما الذين في قلوبهم زيغ یعنی اس کو تعلق ہے
قلب سے۔ تو جس کا قلب بیمار اور کج ہو گیا ہے وہ تو اندھا رہے گا اور جس کے قلب کی
آنکھیں روشن ہیں وہ حقیقت حال کو دیکھ لے گا فانها لا تعمى الابصار ولكن تعمى القلوب
التي في الصدور۔ آنکھیں نہیں دیکھتیں بلکہ قلب دیکھتا ہے جو سینہ کے اندر ہے (حج ۶)

یہی راسخین علم ہیں جن کو آیات متشابہات پر قلب کی آنکھوں دیکھ کر ایمان حاصل ہوتا ہے اور یہی اولوالالباب ہیں جو آیات متشابہات پر فکر کرنے سے نصیحتیں حاصل کرتے ہیں۔ اور جو اہل قلب نہیں وہ تاویلوں اور پیچ پیچیلیوں میں پڑ کر فتنے اٹھاتے رہتے ہیں۔

سو جو وہ ریاضات صوفیہ میں چند ہی صفات ریاضتاً داخل ہیں مثلاً قدرت و اماطت وغیرہ اور قرآنی تصوف خدا کی تعلیم کردہ صراط اللہ ہے اس لئے وسیع تر بھی ہے۔ آیات متشابہات فکر و مراقبہ کی آیتیں ہیں جیسے اس کی ہر صفت یعنی اسماء حسنیٰ کا ہر ایک اسم جس طرح ذکر کے لئے ہے فکر کے لئے بھی اور مراقبہ کے لئے بھی ہے۔ ذکر انفاس سے، فکر حواس سے اور مراقبہ اس اسم میں کھو کر اور فنا ہو کر ہوتا ہے جس کو تبتل کہتے ہیں مسلمانو! قرآنی تصوف کی وسعت کو ملاحظہ کرو کہ یہ خلاق فطرت کی تعلیم کردہ ہے ہر ایک کی فطرت اک خاص معجون مرکب ہے اور اک خاص کیفیت رکھتی ہے۔ جب اسم صفت کی طرف اس کی نسبت قایم ہو وہی اس کے لئے کشود کا باعث ہے ایک ہی ڈھرے پر دنیا نہیں چلتی اس کو چلانے والا ہی خوب جانتا ہے۔

فکر کی ہدایت تو معلوم ہوئی مگر یہ کیونکر کی جائے یہ معلوم نہ ہوا کیونکہ فکر دو تلاش کی ایک راہ ہے نہیں تو ذکر جب تک طلب پیدا نہ کرے فکر نہیں آنے کی اور بعد طلب یہ خود ہی آجاتی ہے اس لئے فکر کیونکر کی جائے خداوند عالم نے اس کی تعلیم نہیں فرمائی تو تم مجاز ہو جیسے کرو فکر کرو مجھے بھی چاہیے کہ میں بھی اس سے متعلق کچھ نہ بیان کروں مگر قرآن مجید میں جابجا اس کے اشارہ پائے جاتے ہیں اس لئے مثالاً اس کو کسی قدر واضح کر دیا کہ سمجھ میں بھی کچھ آجائے روشن قرآنی سے باہر نہیں ہے۔

مثلاً کسی درخت پر فکر کی نگاہ ڈالو۔

بعض کی رفتار منطقی ہوگی کہ درخت خود بخود تو پیدا ہوا نہیں کیونکہ خود بخود کوئی چیز اس عالم اسباب میں پیدا ہوتے دیکھی گئی نہیں اس لئے ضرور ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا بھی کوئی ہو اور وہی خدا ہے اور اگر چند علتوں کے اجتماع سے یہ پیدا ہوا تو ان علتوں کا بھی ضرور کوئی پیدا کرنے والا ہوگا۔ غرض پیدائش کی انتہا جہاں پر جا کر منتہی ہو وہی علۃ العلل خدا ہے یہ اک منطقی فکر تمام علما کی ہے وہ اس پر قانع ہیں۔ اس لئے خدا کی خالقیت پر ایمان لانے کے بعد وہ احکام و ہدایات فکر سے نکل گئے۔ اور اب ان کو بے ضرورت فکر کرنا نہیں رہا۔ اس لئے اس فکر سے

اُن کو بجز درس طلبا کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اس فکر سے اُن کا رُخ نہ ماہیت الاشیاء کی طرف نہ حقیقت الاشیاء کی طرف نہ خدا کی طرف ہوتا ہے بلکہ محض اپنے نفس کی طرف ہوتا ہے یا اپنی طبع زادیوں کی طرف۔ اسی لئے اُن کی بے جذبہ فکر کا رنگ بھی شوخ نہیں ہوتا۔

بعض کی رفتار عقلی ہوگی کہ اس درخت کی ماہیت کیا ہے؟ یہ تو اجزائے ارضی کی ایک صورت ہے مگر اجزائے ارضی ہی نہیں اس میں اجزائے ارضی بھی ہیں رطوبت مائی بھی ہے حرارت ارضی بھی ہے حرارت شمسی بھی ہے اور قوت نموی بھی ہے۔ اور ان سب کی کیفیت ترکیبی بھی ہے علاوہ اس نطفہ کے جو تخم زمین میں ڈالا گیا پھر ہر ایک کی اصطلاحی ماہیت جداگانہ اثر اور غیر محسوس قوت کیونکر منضم ہوئی اگر ان کی تاثیریں بتشریح صورت نباتیہ منضم ہوئیں تو کیا کام دیں گی تو کیا کیا نتائج پیدا کر سکتی ہیں اور ایجادات و اختراعات میں کیا کیا اضافہ ہو سکتا ہے۔ یہ ہر شے کی ماہیت کی تلاش اور انکی کیفیتوں کے ادھیڑبن میں لگا رہتا ہے اور انہیں حاصل کرتا ہے جیسے کیمیا کے متلاشی کو کیمیا تو ملتی نہیں۔ ہاں بہت سے نسخے اور نادر نسخے اسرار ہاتھ لگ جاتے ہیں جن سے وہ اشیاء جن کی خدمتوں کا ثواب عظیم حاصل کر لیتا ہے۔

اور بعض کی رفتار قلبی ہوگی کہ یہ درخت حقیقت میں ہے کیا اس کے پتے شاخ پھول پھل اور قسم قسم کی خوشبو ہوتے کیسے ہیں جب تک اس درخت کا وجود یوں قایم ہے پھر اس کا وجود کیا ہے؟ وجود کا یہ رنگ اصلی ہے یا عارضی کچھ ہی ہو مگر یہ نہ تھا اور اب ہے تو کیوں ہے اور کہاں سے یہ وجود لایا۔ تر و تازگی اس کی جان ہے تو یہ آئی کہاں سے کرشمے در کرشمے دکھا دیتے ہیں مگر جس کے یہ سارے کرشمے ہیں وہ دکھائی نہیں دیتا تو اس کے وجود میں ڈھونڈو شاید موجد نظر آئے اسکی جان میں ڈھونڈو شاید جان جان دکھائی دے جس طرح وہ ماہیت کی تلاش میں تھا یہ حقیقت کی تلاش میں ہے وہ فلسفہ کی راہ چلا اور یہ مذہب کی وہ طبیعیات سے نکل کر ملکوت میں پھر رہا تھا۔ اور یہ ملکوت سے نکل کر عالم ارواح یعنی جبروت میں پرواز کناں ہوتا ہے اور آخر اس کیمیا کو پاکر دنیا کے سارے خزانوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے گو چہ لاکھوں خزانے ثبت بھی کرے یوں رفتار قایم رکھنے سے وہ ظہور کے عروج و نزول کے آسمانوں کو طے کرتا ہوا صاحب وجود ہو جاتا ہے بالفنا ہے جس کی جیسی طلب اس کی ویسی رفتار اور اس کی ویسی یافت ہوتی ہے۔ سلوک میں کیا کیا انکشافات ہوتے ہیں۔ اس کو میں بیان کرتا مگر چونکہ راہرو راہ کے کیفیات دیکھے گا ہی۔ اسلیے قرآن شریف کی یہ روش ہی نہیں کہ کسی کیفیت کو بیان کرے اور جذبات الٰہی کے کسی جذبہ کو بتا کر اشارات

کمزور مخلوق اور خواہشوں کے پتلے کو طلب خداوندی سے ... اگر کیفیات وجذبات
انوار وتجلیات مکالمات ومکاشفات کا طالب بنا کر اسکی راہ کھوٹی کرے تو میں
کیوں اس کے خلاف کروں تاہم جو کچھ کیفیات سے متعلق لطائف قلبی کے اصول پر
لنبشت یہ فوادث کے اصول پر قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے میں فکر فی الانفس
میں بیان کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ جب انسان فکر فی الآفاق میں مشغول ہوتا ہے
تو جو اثرات ہونے لازمی ہیں۔ وہ ہوتے ہی ہیں۔ اک ذرا فکر کرکے دیکھو کہ کس طرح
ما ینفکونہ اجزا تجزی ہو ہو کر غائب ہونے لگتے ہیں اور وہ اک بحر بے پایاں میں ڈوب
جاتا ہے جس کی انعکاسی روشنی سے آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں۔ مگر واہ رے خدا جو اس
غشی نما حال میں بھی چھوڑ نہیں دیتا بلکہ یہدی اللہ لنورہ من یشاء زیادہ
کچھ لکھنا فضول ہے چکھنے کی چیز کو چکھو دیکھنے کی چیز کو دیکھو ڈھونڈ ہو گے پاؤ گے چلو گے پہونچو گے
مگر افسوس صد افسوس ان کثیرا من الناس عن اٰیٰتنا لغٰفلون اکثر لوگ ہماری
نشانیوں سے غافل ہیں (یونس ع ۹) ویریکم اٰیٰتہ فای اٰیٰت اللہ تنکرون
خدا تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تو اس کی کن کن نشانیوں کا تم انکار کروگے۔
(مومن ع ۹) لیکن لوگوں نے انکار بھی کیا اور جھٹلایا بھی۔ کفروا باٰیٰتنا۔ کذبوا
باٰیٰت ربھم (بنی اسرائیل ع ۱۱) + انفال) بلکہ وہ خدا کی نشانیوں میں
کرنے لگے ان الذین یلحدون فی اٰیٰتنا لا یخفون علینا گروہ خدا سے چھپے
ہوئے نہیں ہیں (حم السجدہ ع ۵)۔

لوگو ان احکام وہدایت کو سوچ سمجھو اور اپنے معاملات خداوند عالم کے ساتھ
بہ صدق واخلاص ورکھت کرو کہ بے صدق واخلاص کے کوئی عبادت بھی عبادت نہیں
الا للہ الدین الخالص علاوہ ان سب کے جو میں بیان کر چکا قرآن مجید کی تیرہ
آیتیں بھی فکر کے لئے عنایت ہوئی ہیں جن سے فکر کی قسمیں معلوم ہوتی ہیں مثلاً ع۱ فکر
تسبیحی سبحٰن اللہ۔ ع۲ فکر تحمیدی۔ الحمد للہ ع۳ فکر تکبیری۔ اللہ اکبر
ع۴ فکر تہلیلی لا الٰہ الا اللہ ع۵ فکر تنزیہی۔ لیس کمثلہ شئی ع۶ فکر قدسی
سبحان الملک القدوس ع۷ فکر نوری اللہ نور السمٰوات والارض ع۸ فکر
افعالی یفعل اللہ مایشاء ع۹ فکر ولایت وھو الولی الحمید ع۱۰ فکر فنا وبقا

وما عندکم ینفد وما عند اللہ باق ۱۱؎ فکر ملکوتی۔ الیھم مالک الملک ۱۲؎ فکر جبروتی۔ قل الروح من امر ربی ۱۳؎ فکر ربوبیت۔ الحمد للہ رب العلمین ۱۴؎ فکر کبریائی۔ ولہ الکبریاء فی السموات والارض ۱۵؎ فکر فعالی۔ فعال لما یرید ۱۶؎ فکر قدرت واللہ علی کل شئ قدیر ۱۷؎ فکر معیت وھو معکم اینما کنتم ۱۸؎ فکر احاطت۔ واللہ بکل شئ محیط ۱۹؎ فکر اقربیت نحن اقرب الیہ من حبل الورید ۲۰؎ فکر لاھوتی۔ وھو اللہ فی السموات وفی الارض ۲۱؎ فکر قرآنی وھو تلاوتہ حق تلاوتہ یعنی باللہ من اللہ الی اللہ

نشاید ترا جز بتو یافتن عناں باید از ہر دو برتافتن

جس طرح ذکر قلب سے کیا جاتا ہے فکر حواس سے کی جاتی ہے۔ سلطان الذکر یہ ہے کہ سر سے پاؤں تک سارا وجود ذاکر ہو جائے اسی طرح سلطان الفکر یہ ہے کہ دوام حضور اور دوام شہود حاصل ہو جائے میں نے پاس انفاس کو بیان کیا ہے تو کسی قدر پاس حواس کو بھی بیان کر دینا چاہتا ہوں۔

پاس حواس

پاس انفاس کو خدا نے بیان فرمایا کہ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر وقت خدا کا ذکر کیا کرو یہانتک کہ سوتے جاگتے جن کی آیتیں بیان ہوئیں جس کے معنی یہی ہیں کہ کوئی سانس ذکر خدا سے خالی نہ جائے تو یہ ریاضت و مجاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے خدا نے ہدایتیں دیں اور پاس حواس استیلائے فکر ہے جو فکر کی آیتوں کی تعمیل کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور آپ حاصل ہوتا ہے ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء یہ خدا کا فضل ہے جسے وہ عنایت کرے وہ عنایت کرتا ہے۔ اسی کو جسے فکر کا شعور آجائے اور جس کے طلب کی رفتار لنگڑی نہ ہوئی ہو۔ اس لئے اس کے فرمان کی ضرورت نہ تھی۔

جسطرح پاس انفاس ہے کہ کوئی سانس ذکر خدا سے غافل نہو۔ اسی طرح پاس حواس ہے کہ کوئی حواس فکر خدا سے غافل نہو۔ دنیا میں جو سب کرتے ہیں وہ تم کرو مگر خدا کے ہو کر سارا کچھ دیکھو مگر فکر کی آنکھ سے سب کچھ سنو مگر فکر کے کانوں سے۔ سب کچھ چکھو مگر اسی کی محبت کا ذائقہ لیکر جو کچھ سونگھو تو اسی کے کوچہ و گلزار کی بو۔ جو کچھ محسوس کرو تو اس کے ہر کیفیت میں

بےکیفی ہی کا رنگ۔ ہوش میں رہو تو اُس کے ہوکر بیہوش رہو تو اُس میں گم ہوکر غرض زندگی اُس کی ہو۔ موت اس کی ہو یہی پاس حواس ہے جو اشارۃ النص سے ثابت ہے یعنی ان صلواتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین۔

یہ نہ سمجھو کہ یہ رہبانیت کی راہ ہے۔ رہبانیت سے پاس حواس نہیں حاصل ہوتا کیونکہ حواس کو معطل کرنا پاس حواس نہیں۔ اُلٹی راہ ہے بلکہ حواس سے آداب خداوندی اور فکر کے ساتھ کام لینا جن کاموں کے لئے وہ ملے ہیں پاس حواس ہے جنگل میں کیا رکھا ہے جنگل سے زیادہ گھنا اور آزمائش کے لائق تو آبادی کا جنگل ہے۔ حواس کے آلات استعمال کرنے اور عاقبت کی کھیتی کے لئے زمین تو یہی آبادی کی ہے۔

تم کہو نہ کہو مگر تمہارا یہ خیال ضرور ہوگا کہ یہ باتیں ایسی صعب ہیں کہ ہونے کی نہیں یہ محض فلسفیانہ تخیل ہے اور ناممکن العمل تخیلات لطف آمیز الفاظ ہیں۔ اور نا شدنی توہمات۔ اے عزیزو ایسا نہیں ہے۔ پاس حواس مشکل بھی ہے ناممکن بھی ہے اور ساتھ اس کے آسان بھی ہے اور آسان تر بھی ہے۔ دو ریاضتیں ہیں مگر خدا کی عنایتوں سے اگر کامیاب ہو جائیں تو پاس حواس کا قلعہ بے لڑے جھگڑے تمہارے ہاتھ میں ہوگا۔ ایک تو پاس انفاس کا مشق اتنا دوسرے محبت الٰہی کا اس درجہ پیدا ہونا کہ تم پر غالب ہو تو تم سے مغلوب بھی نہ ہو۔ پاس انفاس کو بھی میں نے بیان کیا ہے اور طلب کے بیان میں کی قدر محبت کو بھی۔ پس انہیں دونوں نعمتوں کے حصول سے پاس حواس حاصل ہوتا ہے جس کی ابتدا فنا اور جس کی انتہا بقا ہے۔ جب بقا کا رنگ عروج کی تمیز کے ساتھ منیر ہوتا ہے تو تنزلات وجود کے مراتب منکشف ہوتے ہیں اور عبودیت کا نور چمک اٹھتا ہے فرق مراتب تب اپنی حقیقی حالت میں جلوہ آرا ہوتا ہے اُس وقت قرآن مجید عین طریقت اور عین حقیقت معلوم ہوتا ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ والقرآن کلام اللہ۔

مراقبہ

خدا نے فرمایا سنریہم اٰیٰتنا فی الاٰفاق وفی انفسہم حتی یتبین لہم انہ الحق عنقریب ہم اپنی نشانیاں انھیں دکھائیں گے آفاق میں بھی اور خود اُن کے نفس میں بھی یہاں تک کہ انکو منکشف ہوگا کہ خدا ہی حق ہے (حم السجدہ ع۹) آیات فی الآفاق

کے مطالعہ کو میں بتا چکا کہ یہ فکر ہے۔ اور آیات فی الانفس کا مطالعہ مراقبہ ہے اس کا نتیجہ بھی خدا نے فرما دیا کہ انکشاف حق ہے۔ مراقبہ کی ہدایت کے لئے کیا یہی ایک آیت جو صریح بلا تاویل ہے کافی نہیں۔

خدا نے فرمایا اولم یتفکروا فی انفسہم کیا لوگوں نے اپنے نفس میں فکر نہیں کی (روم ۸) لوگ فکر فی الانفس کیونکر کر سکتے ہیں جب اسے بدعت سمجھتے ہیں کیونکہ اس کا نام مراقبہ رکھ دیا گیا ہے اس کے سوا اختلافات و تعصبات فراہم۔ اس کے سوا ہر جیت کی آرزوئیں الگ تباہ کن۔ خدا نے تو خود فرمایا وغرتکم الامانی تم کو ناجائز آرزوں نے دھوکے میں رکھا (حدید ۱۴) دنیا اسی دھوکے میں پڑ گئی۔

یہ تو معلوم ہوا کہ اپنے نفس میں مراقبہ کرنا چاہیے مگر یہ معلوم نہ ہوا کہ کیونکر؟ تو ہم نے بیان کیا ہے کہ ذکر ہی کامل ہو کر فکر ہو جاتا ہے تو ذکر تو ہوتا ہے قلب سے اس لئے فکر بھی ہو گی تو قلب ہی سے ہی تو مراقبہ ہے یعنی فکر الانفس ان فی ذالک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع و ھو شہید اس میں نصیحت ہے اس کے لئے جس کو دل ہے اور جو کان لگا کر سنے (ق ۳۷)

مراقبہ میں اس کو دیکھو تو اس کی سنو بھی۔ آنکھ اور کان دونوں طلب و انتظار میں لگے رہیں۔

ذکر اسما حسنے اور ذکر کلمہ طیبہ جیسا کہ بیان ہوا قلب سے کرنا ہے تو ان کا مراقبہ بھی ظاہر ہے کہ قلب ہی میں کرنا ہو گا ان کے سوا آیات متشابہات کا بھی جیسا کہ فکر کے بیان میں بیان ہوا۔ لطائف کا بیان آگے آتا ہے۔

ذکر و فکر کی طرح مراقبہ بھی مختلف طرح اور مختلف کیفیات کا ہوتا ہے مثلاً۔

۱ مراقبہ قدرت۔ ان اللہ علی کل شئی قدیر اور ید اللہ فوق ایدیہم ۲ مراقبہ سمعیہ و بصریہ۔ ان اللہ سمیع بصیر ۳ مراقبہ علم یعلم خائنۃ الاعین و ما تخفی الصدور ۴ مراقبہ معیت۔ وھو معکم اینما کنتم ۵ مراقبہ قرب نحن اقرب الیہ من حبل الورید اور ان اللہ یحول بین المرء و قلبہ ۶ مراقبہ قدوسی سبحان الملک القدوس ۷ مراقبہ تحمیدی۔ للہ الحمد ۸ مراقبہ تہلیلی۔ لا الہ الا ھو ۹ مراقبہ تکبیری۔ اللہ اکبر ۱۰ مراقبہ کبریائی۔ ولہ الکبریاء فی السموات والارض ۱۱ مراقبہ نوری۔ اللہ نور السموات والارض ۱۲ مراقبہ فنا و بقا۔ کل شئی ھالک الا وجہہ ۱۳ مراقبہ استوی۔ الرحمن علی العرش استوی ۱۴ مراقبہ روحی

ونفخت فیہ من روحی ۱۵؎ مراقبہ قیومیت۔ آیۃ الکرسی ۱۶؎ مراقبہ احدیت
سورہ اخلاص ۱۷؎ مراقبہ وجودی۔ وھو اللہ فی السموٰت وفی الارض ۱۸؎ مراقبہ
شہودی شہد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو ۱۹؎ مراقبہ بے کیفی۔ لیس کمثلہ شئ ۲۰؎ مراقبہ
احاطت۔ واللہ بکل شئ محیط ۲۱؎ مراقبہ تکلم۔ قرآن مجید میں سے جو لطیفہ قرآن میں آپ سے
منکشف ہوتا ہے اگر مراقبہ اسم ذات ہی کرو جب بھی یہی صفات منکشف ہوتے ہیں۔

ان آیتوں کے معنی کہہ جاؤ اور سمجھ لو کہ یہ سمجھ میں بھی آگئیں تو یہ صحیح نہیں۔ یہ ساری آیتیں مراقبہ
کے لئے تعلیم ہوئی ہیں کیونکہ یہ مراقبہ ہی میں منکشف ہوتی ہیں اور جب تک انکشاف نہ ہو سمجھ میں
نہیں آسکنے کی مثلاً خدا ہر شئے کو محیط ہے اس کی احاطت بغیر انکشاف سمجھ میں کس طرح
آسکتی ہے۔ یوں بے سمجھی کو بھی سمجھو کہو تو اور بات ہے اسی ضرورت سے خدا نے فکر
فی الانفس یعنی مراقبہ کی ہدایت فرمائی جو باتیں حواس باطنی سے دریافت ہوں وہ حواس
ظاہری سے دریافت نہیں ہوسکتیں کیونکہ تم کان سے دیکھ سکتے نہ آنکھ سے سن سکتے ہو
جو جس کا کام ہے وہ کرے۔

لطائف

صوفیوں کے ریاضات میں جو لطائف ہیں پہلے میں ان کو بیان کرلوں تو آگے
بڑھوں تاکہ یہ واضح ہوسکے کہ آیا یہ لطائف قرآن مجید سے لئے گئے ہیں یا یہ امام ربانی کا
تفقہ یا انکی یافت یا ان کا انکشاف ہے۔ ان لطائف کی نسبت کہاں تک قرآن مجید سے معلوم ہوتی
لطیفے چھ ہیں قلب۔ روح۔ سر۔ خفی۔ اخفیٰ۔ نفس۔ نقشبندیوں کے یہاں ان کے علاوہ
دوائر بھی ہیں۔ دائرہ ظلال۔ دائرہ اولیٰ۔ دائرہ ثانی یہ تین پیشانی کے۔ دائرہ قرآن۔ دائرہ کعبہ
یہ دوسرے دوائر ہیں۔ ان کے سوا اور دوائر بھی ہیں جو آپ سے آپ کھلتے جاتے ہیں یہاں تک
ہر ذرہ لطیفہ ہوجائے اور اتنے لطائف و دوائر سے مقصود بھی یہی ہے کہ ہر شئے لطیفہ
ہوجائے۔ چونکہ ہر شئے میں بات اللہ ہے اس لئے ہر شئے لطیفہ ہے۔ ان لطائف و دوائر
کے انوار مختلف کیفیات مختلف اسرار مختلف اور فیضان مختلف ہیں۔

اب میں ان لطائف کو قرآن مجید کے آگے پیش کرتا ہوں۔

خدا نے فرمایا وفی الارض آیٰت للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون۔ مومنوں
کے لئے زمین میں اور خود تمہارے نفس میں آیات اللہ ہیں کیا تم دیکھتے نہیں (الذاریات)

خدا کی ہدایت معلوم ہوئی کہ ہم نفس میں ایات اللہ کو دیکھیں۔ مگر نفس میں دیکھنے کے معنی کیا ہیں
اس نے ستوجہہ کیا کہ ہم قرآن مجید میں جستجو اور تفکر کریں کہ خدا نے نفس کو کس کس
طرح بتایا ہے۔ پس اسی طرح ہم کو تعمیل کرنی چاہیے۔ کسی ایک معنی کو کیوں مخصوص
کریں کہ قرآن کی تعمیم کی تخصیص ہو جائے۔

۱۔ نفس کے ایک معنی قلب کے ہیں۔ تعلم ما فی نفسی تو جانتا ہے جو میرے دل میں
ہے (مائدہ ع ۱۶) اس لئے قلب میں فکر فی الانفس یعنی مراقبہ کی ہدایت ہوئی۔ یہ لطیفہ قلب ہے
۲۔ نفس کے دوسرے معنی روح کے ہیں۔ اللہ یتوفی الانفس حین موتھا
اللہ قبض کر لیتا ہے روح کو اس کے مرتے وقت (زمر ع ۵) اس لئے روح میں
فکر فی الانفس یعنی مراقبہ کی ہدایت ہوئی۔

۳۔ خدا نے فرمایا فاسرھا یوسف فی نفسہ تو چھپایا اس کو یوسف نے اپنے دل میں
(یوسف ع ۹) یا فرمایا اعلم بما اسروا فی انفسھم نادمین تو اس وقت وہ
پشیمان ہو گئے اس بات پر جو اپنے دلوں میں چھپاتے تھے (مائدہ ع ۸) نفس میں
انسان چھپاتا ہے اور نفس میں مراقبہ کی ہدایت ہے یعنی اپنے نفس کی چھپی باتوں یعنی
اسرار میں تفکر کیجئے کہ اصطلاحاً لطیفہ سر کہا گیا یہ مراقبہ ایات اللہ میں ہے بلکہ اسرار
میں کیا جاتا ہے مگر اسرار بھی تو آیات اللہ ہی ہیں۔ اس کو چاہیے اشارۃ النص کہو یا
امام ربانی کا تفقہ یا انکشافات یا تدبر فی القرآن۔

۴۔ نفس کے معنی خداوندی کے بھی ہیں (۱) علم ما فی نفسک میں نہیں جانتا جو تیرے
علم میں ہے (مائدہ ع ۱۶) خفی اخفی میں داخل ہے۔ خفی کے پوشیدہ اور اخفی کے معنی
پوشیدہ در پوشیدہ فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین تو کوئی نفس نہیں جانتا
جو آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے پوشیدہ رکھی گئی ہے (السجدہ ع ۱) مگر خدا جانتا ہے
اس لئے نفس میں جو معنی علم خداوندی ہے فکر کیا کرو تاکہ پوشیدہ انعام و اکرام کا
جو تمہارے ہی لئے پوشیدہ ہے تم کو علم و انکشاف ہو۔ یہ مراقبہ خفی اخفی ہے۔

۵۔ نفس بمعنی نفس ہی ہے ونفس وما سوھا فالھمھا فجورھا وتقوھا
قد افلح من زکھا قسم ہے نفس کی اور اسکی جس نے اس کو ٹھیک بنایا پھر اس کو
فجور و تقوے کا الہام کیا بے شک اس نے فلاح پائی جس نے تزکیہ نفس کیا۔

(الشمس) یہ مراقبہ لطیفہ نفس ہے۔

چھ وں لطیفے ہوئے۔ رہے دوائر تو یہ مکاشفات امام ربانی ہیں یا تقاضائے ربانی کا تفقہ۔ لطائف میں زیادہ ڈوبنے سے جو کیفیات ظاہر ہوتے ہیں۔ اسکے لئے الگ دائرہ قایم کر دیا۔ تاکہ لطائف کے انوار و تجلیات کے سبب ان کیفیات تک پہونچنے میں جو دقت ہوتی ہے وہ دور ہے اور طالب کے لئے سہولت کا موجب ہو۔ یہ دوائر قطعی نہیں ہیں کہ منکر کافر سمجھا جائے مگر تجربۃً ان کے نتیجہ خیز ہونے میں کلام نہیں رہا۔ ان مقامات کا قایم کرنا تو وہ مبنی بر مکاشفات ہے۔

اسی لئے سوائے لطیفہ قلب کے اور سارے لطائف دوائر کے مقامات میں اختلافات ہیں اختلافات چونکہ مجازی صورتوں میں ہیں اس لئے میں کسی کا منکر نہیں سب کو راہِ حق اور راہِ ثواب جانتا ہوں کیونکہ اسلام ازلی ہے۔ اس لئے یہ لطائف ستہ بھی ازلی ہیں جو یہودیوں اور ہندوؤں میں بھی پائے جاتے ہیں گرچہ یہ بھی کفر و شرک کی آمیزش سے نہ بچے۔ ہندو لطیفہ کو کنول بولتے ہیں لطائف ستہ میں اختلاف نہیں مگر ان کے مقامات میں اختلاف ہے۔ مقامات لطائف و دوائر جب قطعی نہیں تو ان کے مقامات کے بیان سے میں احتراز کرتا ہوں اور مرشدوں کے حوالہ کرتا ہوں۔

مگر لطیفہ قلب کا مقام قطعی ہے اس میں نہ مسلمانوں میں اختلاف ہے نہ ہندوؤں میں نہ یہودیوں میں قلب روحانی کو قرآن مجید کی آیتوں سے میں نے بیان کیا ہے اور اس کے مقام کو بھی یعنی قلب ایک نور روحانی ہے جس کا مقام یہی قلب جسمانی ہے ظرف مظروف کی جگہ بولا گیا یہی قلب نورانی بیمار ہوتا صحت یاب ہوتا۔ دیکھتا سنتا نصیحت حاصل کرتا اور ذاکر ہوتا ہے۔ اسی میں فکر کرنا لطیفہ قلب کا مراقبہ ہے فکر فی الانفس ہے

یہ لطیفہ قلب اور اس کا مقام اور اس میں طریقہ فکر قطعی ہے جس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں بعض طریقہ میں صرف یہی ایک لطیفہ ہے اور یہی معدن سارے لطائف کا اور یہی مخزن سارے مراتب کا ہے اسی ایک لطیفہ کا ریاض کرنے والا موصل الی المطلوب ہو سکتا ہے اور اسی طرح ہر ایک لطیفہ چونکہ مستند بسند قرآن اور اشارۃ النص سے ثابت کیا گیا ہے۔ اس لئے ہر ایک لطیفہ موصل الی المطلوب ہے۔ اپنی مناسبت کے سبب جس لطیفے سے فائز المرام ہو۔ ہر ایک لطیفہ کا رنگ جدا کیفیات جدا اور ہر کے جذبات

جدا ہیں۔ مقام میں اختلافات ہیں۔ مگر نام و مقام مقصود اصلی نہیں۔ مراقبہ ہونا چاہیے۔
قلب میں روح میں۔ اسرار نفس میں یعنی خفی و اخفی میں۔ اور نفس میں چاہیے ان سب کا
مقام قلب ہی میں سمجھو یا الگ الگ مختلف مقامات میں نفس قلب روح اور اُنکے
اسرار سب گویا ایک ہی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مختلف مقامات قرار دینے سے سہولت
مزید ہوتی ہے اور مختلف کیفیات ذرا جلد اور بآسانی ممیز ہو جاتی ہیں۔ صراط مستقیم
ایک ہی ہے مگر منزل قرار دینے سے مسافروں کو سہولت ہو جاتی ہے۔ [illegible]
مختلف مقام بننے سے غرض صرف اسقدر ہے کہ ہر جگہ اور ہر ذرہ لطیفہ ہو جائے اور
اُس کا شعور پیدا ہو کیونکہ ہر ذرہ آیۃ من آیات اللہ ہے اس لئے ہر ذرہ ایک
لطیفہ ہے جس پر فکر کرو اسی عالم کی کیفیت اور تشریح [illegible] پہنچ سکے [illegible]
یہ داخل بدیہیات ہے۔

جب انشراح صدر ہوتا ہے (انشراح صدر کو میں [illegible]
کروں گا) تو مقامات لطائف اور دوائر اور مقامات دوائر [illegible]
اولیاء اللہ ہیں۔ جو قرآن مجید کے نہ مخالف ہیں نہ حدود اللہ کو کم و بیش کرنے والے۔
طالب تقرباً الی اللہ ان پر ریاضات کرتا اور رفتار فکر کو حکم خدا سمجھ کر تیز کرتا ہوا
چلتا ہے اور چلا ہی جاتا ہے۔

اے دوست تو ہر دوری قرب ہے اور ہر قرب دوری ہے اور نہ دوری ہے نہ
قرب ہی۔ پھر بتاؤ طالب کیا کرے اس راہ غیر محدود میں جاناً چلے ہی جاتے ہیں۔
کچھ منزلیں طے ہوئیں کچھ بھی روز اول۔ وہ طلب و تلاش کے دائرہ میں چکر کھائے
تو کیا کرے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ ساری کائنات اسی طلب و تلاش میں چکر کھا رہی
ہے۔ اور ایک طرف کو رواں ہے۔ زمین مع اپنی سب چیزوں کے چکر کھاتی ہوئی
اور آفتاب بھی اپنے محور میں چکر کھاتا ہوا ایک طرف رواں دواں ہے۔ پس مرشد
کی طرف۔ پھر دوائر کو میں کیا بیان کروں۔ میدان طلب میں قدم ڈالو تو تمہیں تاریک
پگڈنڈیوں پر بھی چلنا ہوگا۔ پہاڑ بھی چڑھنا ہوگا۔ سمندر بھی طے کرنا ہوگا۔ پھر
گرداب و بھنور سے بھی مقابلے پیش آئیں گے۔ اور جو ہونے ہیں وہ ہو کر رہیں گے تو
کیا ضرور کہ میں دوائر اور اُن کی کیفیات کو بیان کروں۔ مرشدوں نے جو دوائر کی

ہدایت کی یہ من کان یرید حرث الاخرۃ نزد لہ فی حرثہ میں داخل ہے اور
من یشفع شفاعۃ حسنۃ میں داخل ہے اسلئے احاطہ قرآنی سے باہر نہیں۔

انشراح صدر

افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فہو علی نور من ربہ فویل للقاسیۃ قلوبہم من ذکر اللہ اولئک فی ضلل مبین۔ کیا خدا نے اسلام کے لئے جس کا انشراح صدر کیا ہے وہ اس کے برابر ہے جو ایسا نہیں ہے وہ تو خدا کی روشنی پر چلتا ہے جو اسے خدا کی طرف سے عنایت ہوئی ہے۔ تو افسوس ہے ان پر جن کے دل ذکر خدا کی طرف سے سخت ہیں۔ یہی لوگ تو صریح گمراہی میں ہیں (زمر رکوع ۳)۔ اس آیت سے اتنی باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ انشراح صدر بھی ایک چیز ہے اور سمجھنے کی چیز ہے جس کیفیت کو خدا نے انشراح صدر فرمایا۔

۲۔ فہو علی نور من ربہ وہ خدا کی روشنی پر چلتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انشراح صدر میں خدا کی طرف سے انوار و تجلیات عنایت ہوتے ہیں۔ قرآن کو دیکھو تو پاؤ گے کہ مراد کی معنی لینے کے گر اپنے کی قطعیت ہی کو کھو دو۔ یا سارا کچھ استعارہ و تشبیہات کے حوالہ کر دو۔

۳۔ فویل للقاسیۃ قلوبہم من ذکر اللہ۔ تو افسوس ہے ان پر جن کے دل ذکر خدا کی طرف سخت ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ذکر نہ کرنے والوں پر افسوس ہے۔ وجہ ذکر نہ کرنیوالا قساوت قلبی کا مریض ہے جس سے ذکر قلبی ہی سے انشراح صدر ہوتا ہے۔

۴۔ جن کے دل ذکر خدا سے غافل ہیں وہ گمراہ ہیں۔

واقعی انشراح صدر ایسی اہم بالشان چیز ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولو العزم پیغمبر نے بھی خداوند عالم سے اس کی آرزو کی رب اشرح لی صدری اے خدا میرا شرح صدر فرما۔ تو یہ سمجھنے کی چیز ہے کہ انشراح صدر کے معنی کیا ہیں۔ اگر انشراح صدر کے معنی انبساط خاطر کے ہیں تو دنیا میں ہر کوئی کبھی خوشدل اور کبھی غمگین ہوتا ہے۔ جیسے اچھے حال والا اور برے سے برے حال والا رنج و خوشی کا بحیثیات مختلف ساوی حصہ دار ہے۔ گو چہ ان الانسان لکفور مبین۔ یہ فطرتی ناشکرا دوسروں کی خوشی کو اپنی خوشی سے زیادہ سمجھتا ہے جتنا اپنے رنج کو۔ سمجھ کا پھیر ہے ورنہ عجیب عادلانہ تقسیم ہے۔ غرض جب ہر کوئی جھونپڑے کا رہنے والا ہو یا جیل کا قیدی خوش ہو ہی لیتا ہے تو انشراح صدر کی خصوصیت کیا رہی اگر انشراح صدر

سے کوئی معنی نہ مگر وہ جو بالعموم لوگوں کو ہوتے ہیں۔ تو یہ نہ تو دعا مانگنے کی کوئی چیز ہوئی اور
نہ اس سے فہم و علمی نور من ربہ حاصل ہو گا۔
میں نے بیان کیا ہے کہ دیکھتا ہے قلب مگر کب انشراح صدر کے بعد۔ خدا نے فرمایا وکذالک
نری ابراهیم ملکوت السموات والارض ابراہیم کو ہم ملکوت آسمان و زمین دکھاتے تھے (انعام ۹)
تو ملکوت ان آنکھوں سے دیکھنے کی چیز نہیں اور خدا نے آنکھ سے دکھایا اور کذالک نری ابراہیم
فرمایا تو ضرور یہ قلب کی آنکھ سے دیکھنے کو فرمایا اور ضرور یہ آیت مراقبہ کے متعلق ہے کہ مراقبہ میں
آدمی دل کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور اسطرح کہ گویا ان آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اس دیکھنے میں
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تجلی ربانی بصورت ستارہ دیکھی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے
کوہ طور پر تجلی روشنی کی صورت میں دیکھی تھی۔ پھر وہ اور پیاسے ہوئے تو تجلی ربانی بصورت
ماہتاب دیکھی۔ پیاس نہ بجھی پھر بصورت آفتاب دیکھی اور ہر تجلی کو دیکھ کر تعجبانہ فرمایا ھذا ربی
کیا یہ میرا خدا ہے یعنی خدا کی تجلی خدا کی تجلی ہے۔ خدا نہیں ہے۔ پھر نشانی سے مشار الیہ کی طرف
متوجہ ہو کر فرمایا۔ انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفا ہم نے اپنے مواجہ
کو خدا کی طرف پھیرا یکسو ہو کر جس نے آسمان و زمین بنائی (انعام ۹) یہی فطرتی رفتار ہے ہر رہرو
کے ساتھ یہی معاملے پیش آتے ہیں۔ اس راہ کا سچا رہرو اس کی یقینی شہادت دیگا دوسرے اس
قصہ میں یہ تعلیم بھی مقصود ہے کہ انشراح صدر کے بعد تجھیں نت نئی تجلیاں نظر آئینگی مگر تم بڑھتے جانا
راہ کھوٹی نہ کرنا اور تجلی کو اک پردہ ہی سمجھنا۔
انشراح صدر میں جس طرح لطیفہ قلب کھلتا ہے اور لطائف کھلتے ہیں۔ خدا نے فرمایا ولما
جاء موسیٰ لمیقاتنا وکلمه ربه قال رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی جب موسیٰ ہمارے
وعدہ پر آئے اور ان سے ان کے خدا نے کلام کیا انھوں نے عرض کیا اے خدا تو ہمیں اپنے کو
دکھا کہ ہم دیکھیں خدا نے فرمایا کہ تم نہیں دیکھ سکتے (اعراف ۱۷) یہ واقعہ بھی مراقبہ کا ہے جو ہر رہرو کو
پیش آتا ہے۔ لطیفہ میں سر میں جب آدمی پہنچتا ہے تو دل خدا سے باتیں کرتا ہے اور اسطرح کے
سو سوال کیا کرتا اور سو جواب سنا کرتا ہے۔ کچھ قصداً نہیں بلکہ ایسا ہوتا ہی ہے یہ پوری مطابقت کیوں
دل کو یقین نہ دلائے کہ میقات لطیفہ سر کا نام ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام چلہ اعتکاف میں
مراقب تھے وواعدنا موسیٰ ثلثین لیلة واتممنها بعشر فتم میقات ربه اربعین لیلة
یہ چالیس دن کا ریاضت چلہ کی تو اس چلہ میں آپ مراقب تھے کہ یہ مکالمہ ہوتا رہا اور ان کو

انشراح صدر جو مانگی مراد تھی وہ ملی تجلی بھی بقدر ظرف ہوا کرتی ہے۔ آخر تھے پیغمبر خدا مشتاق الٰہی
تجلی کی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شایاں تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام تاب نہ لا سکے بیہوش ہو گئے
کوہ طور وہ پہاڑ نہ تھا۔ خدا کی تجلی سے پہاڑ کا پاش پاش ہونا کیا ایسا ہوتا تو کوہ صفا نے کیا قصور
کیا تھا یہی قلب اگر اس پر خدائی تجلی ہو تو کوہ طور ہے ورنہ نرا پتھر ہے۔ بلکہ اس سے بھی سخت تر
تلک الامثال نضربها للناس لعلهم یتفکرون ہم مثال دے کر لوگوں کو سمجھاتے ہیں
تاکہ لوگ فکر کریں (حشر ۳)

اسی انشراح صدر کی تجلی کو خدا نے فرمایا فھو علی نور من ربه (زمر ۲) اسی کو دوسرے
لفظوں میں فرمایا یھدی اللہ لنورہ من یشاء (النور ۵) انشراح صدر کے معنی یہیں صریح
منکشف ہوتی ہیں ورنہ لفظ نور کا یہ سمجھا ہوا ترجمہ ہوتا ہے اور چونکہ سمجھ میں نہیں آتا مجبور کرتا ہے
تاویل اور مرادی معنوں کی طرف کیونکہ نور آفتاب تو دیکھ کر سمجھ میں آتا ہے یہ نور الٰہی سمجھ میں کیونکر آئے

ہاں تو انشراح صدر یہ ہے کہ ذکر و فکر و مراقبہ و فیضان سے جب خدا کی رضا ہوتی ہے قلب نورانی
ایسا منبسط ہوتا ہے کہ انوار و تجلیات سے سارا سینہ لبریز ہو جاتا ہے اسی کو اصطلاح صوفیہ میں لطیفہ
کا کھلنا کہا جاتا ہے۔ یہ کشود کا اول زینہ ہے جب نور فیضان سے سارا جسم ڈھپ جاتا اور سارا
جسم منور ہو جاتا ہے تو اسے ایک وجود نورانی عطا ہوتا ہے جس کو وہ خود بھی دیکھتا ہے۔ اس مقام
میں استقامت ہونے سے وہ مستحق خلافت سمجھا جاتا اور رشد الی اللہ کی طرف مامور کیا جاتا ہے
آجکل کی تقسیم خلافت نہیں کہ اولاد خاندان کا نام روشن کریگی اور خانقاہ کی عزت برقرار رکھیگی۔

جب انشراح صدر ہوتا ہے تو قلب نورانی ایسا منبسط ہوتا ہے جس میں دنیا و مافیہا کی ہستی
ایک نقطہ کی بھی نہیں رہتی اور جس کی تجلی کے سامنے ستارے ماہتاب اور آفتاب سب کی تجلیاں
ماند پڑ جاتی ہیں۔ ہر چند طرح طرح کی تجلیاں چکاچوند میں ڈالکر پار رکھنے کو کافی ہوتی ہیں مگر سچا
طالب لا احب الافلین کا نعرہ مارتا ہوا اور ماسوا کی بت شکنی کرتا ہوا قدم آگے بڑھاتا جاتا تاکہ بامراد ہو۔

اسی انشراح صدر کو خداوند تعالیٰ و تبارک نے اپنے کلام پاک کی مسلسل ذیل آیتوں میں
فرمادیا ہے تاکہ سچا طالب وہم و حقیقت میں فرق کر سکے اور اپنی یافت کی تصدیق پاکر اپنی قوت
طلب میں تیز رفتار ہو۔

او من کان میتا فاحییناه وجعلنا له نورا یمشی به فی الناس کمن مثله فی الظلمت
لیس بخارج منها بھلا وہ شخص جو مردہ تھا ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کو ایک نور عطا کیا جس کو لیکر

وہ لوگوں میں چلتا ہے ۔ کیا اس جیسا ہو سکتا ہے ۔ جو تاریکی میں پڑا ہو جس سے نکل نہیں سکتا (انعام ع ۱۵)
خدا جب روحانی زندگی عطا کرتا ہے تو اس کو اک نور عطا کرتا ہے جس کے ساتھ وہ لوگوں میں
چلتا پھرتا ہے کیا ضرور ہے کہ نور سے کوئی اسلام مراد لے کوئی ایمان مراد لے ۔ یہ اپنی ہی کہی وہ
اپنی سی کہے ۔ مراد ہی کیوں لے ۔ نور کو نور ہی کیوں نہ سمجھے کہ قطعی ہے اور مراد لیا ہوا غیر قطعی اس میں
نہ سمجھنے کی بات کیا ہے ۔ ذکر و فکر کی ہدایت پر جب استقامت ہوتی ہے تو وہ نور جو انشراح صدر میں
منکشف ہوتا ہے وہ مستقیم ہو جاتا ہے ۔ چلتے پھرتے جیسے ذکر دم کے ساتھ لگا ہوا ہے اور فکر
دہیان کے ساتھ جتنی ہوتی ہے ویسا ہی وہ نور کسی حال میں کھو نہیں جاتا بلکہ معین نما ہوتا ہے
اس کے لئے ظلمت نہیں رہتی ۔

اسی انشراح صدر کو خداوند عالم نے سورۂ نور میں کتنا صاف فرما دیا ہے اللہ نور السمٰوات
والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح ؕ المصباح فی زجاجۃ ؕ الزجاجۃ کانہا
کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتہا یضیٓء ولو لم
تمسسہ نار نور علیٰ نور یہدی اللہ لنورہ من یشاء ویضرب اللہ الامثال للناس
واللہ بکل شیء علیم ۔ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ یسبح لہ فیہا
بالغدو والاصال رجال لا تلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء
الزکوٰۃ یخافون یوما تتقلب فیہ القلوب والابصار لیجزیہم اللہ احسن ما عملوا
ویزیدہم من فضلہ واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب ۔ اس رکوع کا سلسلہ کچھ اس طرح
واقع ہوا ہے کہ اگر میں ترجمہ آخر سے کہوں تو زیادہ واضح ہو جاتا ہے اسکے بعد پھر جب اول سے
پڑھو تو سمجھ میں صاف آ جائے گا تاویل قیاسات کی ضرورت نہ ہوگی ۔

ترجمہ جن لوگوں کو کاروبار بیع و تجارت خدا کی یاد اور ادائے نماز زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتے
جو اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس دن کہ دل اور آنکھیں الٹ جائے گی تا کہ خدا انکو ان کے
اعمال کا بہترین اجر دے اور اپنے فضل سے اس سے بھی زیادہ دے خدا جسے چاہتا ہے
کیونکہ خدا جسے چاہتا ہے بے حساب دے دیتا ہے ۔ یہ لوگ اس گھر میں خدا کی تسبیح کرتے
رہتے ہیں جس گھر میں خدا نے حکم دیا ہے کہ خدا کے نام کا ذکر کیا جائے اور اس کا نام بلند
کیا جائے (وہ گھروں کے سوا اور کون ہے جس میں خدا کے نام کا ذکر کرنا موجود ہے) اس
گھر میں ایک شمع شیشہ کی قندیل میں دھری ہوئی طاق پر رکھی ہے ۔ وہ شیشہ گویا ایک چمکتا

زیتون کے شجر مبارک کے روغن سے وہ روشن کیا جاتا ہے (روغن زیتون ہی ہے جس میں روغنیت اور غذائیت دونوں ہے) وہاں نہ مشرق ہے نہ مغرب قریب ہے کہ اس کا تیل بل اٹھے (ایسی تیز روشنی ہوتی ہے) گویا شیشہ تیل بھی روشن کھائی دیتا ہے جیسے لیمپ کی بھبھک سے بھبھک اٹھنے کی حالت میں) اگر چہ اسے آگ نے چھوا نہیں مگر نور علی نور ہے پھر کوئی اسے نہیں دیکھتا مگر اللہ جسے دکھاوے اور جسے اس نور کی طرف ہدایت کرے۔ خدا تو لوگوں کو مثال دے دے کر بتاتا ہے کیونکہ اللہ ہی ہر شے کا کماحقہ دانائے حال ہے۔ یہ مثال ہے خدا کے نور کی اور آسمان و زمین کا نور ہے

(النور ۵) صاحب کشود انشراح کی یہی کیفیت کا تمہیں آئینہ ہیں کشود انشراح میں یہی حال منکشف ہوتا ہے۔ تفسیروں میں اختلاف علما کوئی قطعی اور تسکین بخش مطلب ان آیتوں کا نہ بتلا سکا مرادی اور تاویلی معنوں سے سارا رکوع چیستاں بنا دیا گیا ہے۔ حالانکہ اتنے قصوں کی ضرورت نہ تھی۔ خدا کا مطلب صاف و واضح ہے جس کو انشراح صدر ہوا ہے وہ فوراً ملا تاویل اسکی تصدیق کریگا اور اپنے خیال کی صحت کہ یہ تو بعینہٖ اسی حال کا نقشہ ہے جو انشراح اول کے وقت ظہور میں آتا ہے ومن لم یجعل اللہ لہ نورًا فما لہ من نور جسکو خدا ہی نے نور نہیں دیا اس کو کہیں نور نہیں (النور ۵) جسے انشراح صدر ہوا وہ ولی اللہ ہے ولی الذین امنوا یخرجہم من الظلمت الی النور ان ایمان والوں کا اللہ دوست ہے جن کو تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لیجاتا ہے (البقرہ ۳۴) یھدی اللہ لنورہ من یشاء اللہ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے (نور ۵) یہ عطیہ رب ہے وہ جس کو عنایت کرے۔

غرض مجاہدات و معاملات خداوند عالم نے قرآن مجید میں بیان فرما دیئے ہیں میں نے بھی اسی کو بیان کیا ہے مکاشفات ہمارے خدا نے بیان نہ فرمایا اس میں جو خواہ حصہ اس نے ملحوظ رکھے تھے۔ انہیں میں نے بھی ملحوظ رکھا۔ ہاں انکشاف جو انشراح اول کے وقت عطا ہوتا ہے اسے صحت رفتار اور شکر خداوندی کی غرض سے ان آیتوں میں کسی قدر خدا نے بیان کر دیا ہے اسے میں نے بھی بیان کر دیا۔

علم معاملات مجاہدہ اور عمل کرنے کی چیز ہے اور مکاشفات خدا کے دینے کی فکشفنا عنک غطاءک ہم نے تمہارا پردہ تم سے اٹھا دیا (ق ۲) تم اپنا کام کرو خدا کے کاموں جائزہ نہ لو ان اللہ یفعل ما یشاء بے شک خدا جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے (حج ۲)

محاسبہ

امراض قلبی ہوں یا امراض نفسی ایسے پوشیدہ اور پوشیدہ تر امراض ہیں کہ معالج کے لئے تو اُن کی تشخیص دشوار بلکہ دشوار تر ہے اور خود مریض کیلئے تعجب خیز ہے کہ وہ کیونکر دکھ درد میں مبتلا ہوا اور اُن امراض سے سیکڑوں اندرونی و بیرونی آفات میں پھنسا ہوتا ہے مگر نہ وہ اپنے کو بیمار ہی سمجھتا نہ صحت ہی کا خواہاں ہوتا ہے مصیبتوں کو جھیلتا بھی ہے مگر مصیبت کو نہ مصیبت سمجھتا نہ مصیبتوں سے نکلنا ہی چاہتا ہے۔ ہاں جن کو خدا نے توفیق دی عقل سلیم دی انھوں نے تمیز کیا بیماری و صحت میں تفرقہ کیا۔ دکھ درد کو محسوس کیا اپنے کو مریض سمجھا اور معالجہ کی طرف جھکے معالج کی ہدایتوں کے مطابق دوا استعمال کرتے رہے اور معالجہ کے مفید و غیر مفید ہونے سے بھی باخبر ہے اور مرض کے گھٹنے بڑھنے سے بھی یہی محاسبہ ہے جس کی تعلیم خدا نے فرمائی ہے انسان کو لازم ہے کہ شام کو یا سوتے وقت گذشتہ کے لئے محاسبہ کرے کہ ہمارے معاملات کی راہ کس طرح طے ہوئی اور ہمارے اعمال کیسے رہے۔ ہم نے کیا کیا نافرمانیاں کیں اور اطاعت جو کی وہ کیسی کی۔ کیا کچھ کھویا اور کیا کچھ حاصل کیا۔ توبہ کی جگہ توبہ اور شکر کی جگہ شکر کرے اور آئندہ کی اصلاح کی ہمت اسیطرح صبح کو اپنی نیتوں اور ارادوں کا محاسبہ کیا کرے کہ کیا کیا کام کرتے ہیں اور کس طرح کرتے ہیں انسان کے ساتھ کے معاملات ہوں یا خدا کے ساتھ کے اسطرح نیتوں کی اصلاح کرتا ہے اور اصلاح پر صبر ہمت محبت ایثار کے صفات کو اپنے ہاتھ سے جانے نہ دے۔

اے بھائیو خدا کو حساب دینے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ جو حساب کل دوگے وہ خدا کے حضور میں آج ہی دے ڈالو۔ کیونکہ کل تم کچھ نہ کر سکوگے اور آج سب کچھ کر سکتے ہو۔ خدا فرماتا ہے ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ تو اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کر دیا چھپا تو خدا اُس کا محاسبہ لیگا (بقرہ ع ۳) وہ بخشنے کا بھی جو اُس کا مستحق ہے اور سزا بھی دیگا جو اُس کا ہے۔ تو اپنے حساب کو جو تمھیں دینا ہے۔ روز کا روز آج ہی کیوں نہ جانچ لو۔ آج تو توبہ کا دروازہ بھی کھلا ہے اور کل تو کھلا نہ ہوگا۔

خدا فرماتا ہے یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ ولتنظر نفس ما قدمت لغد واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانسٰہم انفسہم اولئک ہم الفٰسقون۔ مومنو! خدا سے ڈرو اور ہر نفس کو چاہیے کہ اپنے اعمال کو دیکھا کرے کہ کل کیلئے

کیا بھیجا اور اللہ سے ڈرتے رہو وہ تمھارے اعمال سے باخبر ہے ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو خدا کو بھول بیٹھے تو وہ خدا کو کیا بھولے اپنے آپ کو بھولے ہیں یہی لوگ فاسق ہیں (حشر ۳) یہی آیت اس ثبوت کے لئے کافی ہے کہ ہر انسان کو محاسبہ کرتے رہنا ضرور ہے۔ ولتنظر نفس ماقدمت لغد محاسبہ کی بہت صریح اور صاف ہدایت ہے اے لوگو خدا سے ڈرو اور محاسبہ کیا کرو جیسا کہ میں نے بتایا روزانہ اپنے اعمال کا جائزہ لے لیا کرو کہ کہاں تک تم خدا سے ہو کر چلے۔ اور کہاں پر بہکے ایسا تو نہیں کہ تم خدا کو بھولے ایسا تو نہیں کہ تمہاری طلب میں کھوٹ آگئی بل الانسان علی نفسه بصیرة ولو القی معاذیره انسان اپنا بہترین واقف حال ہے گو حیلے بہانے اور عذرات کھڑے کرے (القیمه ۸ ع ۱) یہی محاسبہ ہے جو خدائی فوجدار ہے۔ سچا مسلم ہے بہترین تشخیص کرنے والا معالج اور ایک طرح کا پیرو مرشد ہے۔

من اظلم ممن ذکر بآیت ربه فاعرض عنها ونسی ماقدمت یداه اس سے ظالم ترکون جس کو خدا کی آیتوں سے نصیحت کی گئی اور اسنے اس سے اعراض کیا اور جو اعمال اسنے کئے تھے وہ بھول گیا۔ (کہف ۸) تو اپنا کیا دھرا بھولو نہیں بلکہ یاد کرکے اس کا محاسبہ کیا کرو کہ جتنی فات فت ہو چکی وکل انسان الزمنه طئره فی عنقه ونخرج له یوم القیمة کتابا یلقه منشورا ہ اقرا کتابك كفى بنفسك اليوم علیك حسیبا ہ من اهتدی فانما یهتدی لنفسه ومن ضل فانما یضل علیها ہر آدمی کے اعمال ہم نے اسکے گلے میں لٹکا دیئے ہیں اور قیامت کے دن کتاب کی صورت میں کھلا ہوا اُسے ہم نکال دکھائیں گے اپنے اعمال نامہ کو پڑھو آج تمھیں کافی ہو کہ اپنا حساب آپ لے لو جو راہ پر چلا تو اس کا نفع اُسکے لئے اور جو بھٹکا تو اس کا گھاٹا اسکے لئے (بنی اسرائیل ع ۲) اقرا کتابك سے قبل یقول الله یوم القیمة محذوف ماننے کی ضرورت نہیں۔ اس بے ضرورت محذوف ماننے سے آیت کا مطلب بدل جائے گا۔ بلکہ الٹا ہو جائے گا اس لئے کہ آج میرا حساب لینا کافی ہوگا اور کل قیامت کے دن خدا کا حساب لینا کافی ہوگا قیامت کے نسبت خدا نے فرمایا وکفی بنا حاسبین اور آج کے دن کی نسبت خدا نے فرمایا کفی بنفسك الیوم علیك حسیبا اگر یقول الله یوم القیمة محذوف مانوگے تو کفی بنفسك الیوم علیك حسیبا پہلی آیت سے متعارض ہو کر دو لخت ہو جائے گا۔ قیامت کے دن اپنا حساب کافی نہیں۔ اس دن کہا جائے گا کہ اپنا نامہ اعمال پڑھو فیقول هاؤم اقرؤا کتابیه اُس دن کوئی بھی اپنا حساب نہ لیگا۔ ہاں فرد قرار داد جرم اسکے ہاتھوں میں ہوگی اُس دن

ہر کوئی جواب طلب ہوگا، گواہ گذریں گے اور حساب لیگا خدا کفی بنا حاسبین آج میرا حساب لینا کافی ہے کل خدا کا حساب لینا کافی ہوگا۔

خدا کا حساب مطلب یہ ہے کہ یہاں نامۂ اعمال کا طوق گلے میں ہے ہر کوئی اپنے اعمال کے اثر سے متاثر ہے کل امرئ بما کسب رھین اپنے اعمال کے ساتھ رہن ہے۔ قیامت کے دن وہ نامۂ اعمال کتاب کی صورت میں دکھائی دیگا حقیقت میں وہ کتاب ہے تو اپنے اس کتاب کو آج پڑھو کہ آج تو تمہارا ہی پڑھنا اپنے اعمال کا آج محاسبہ کرو کہ آج تو تمہارا ہی محاسبہ کرنا اقرء کتابک کفیٰ بنفسک الیوم علیک حسیبا کل ایسا ہوگا کل کیلئے تو ہے کفی بنا حاسبین (انبیاء ۴۷) اسکے بعد ہے من اھتدیٰ الخ یعنی اگر اس محاسبہ سے تم نے سنبھلا اور ہدایت حاصل کی تو اس کا نفع تم کو ہوگا اگر بے پروائی کی اور بھٹکے تو اس کا خمیازہ بھی تم ہی کو بھگتنا پڑیگا۔ تو اے لوگو محاسبہ کیا کرو یہ عجیب چیز ہے اور یہ سمجھ لو کہ بغیر محاسبہ کے خدا کی راہ نہیں ہے۔

میں نے ثابت کیا کہ اگر اقرء کتابک آج کے لئے مانا جائے تو کفی بنا حاسبین کے خلاف ہوگا۔ وہ مجرم اس آیت سے خدا نے یہ حجت طے کی ہے کہ قیامت کے دن یہ عذر نہ اٹھے کہ لم ادر ما حسابیہ مجھے خبر بھی نہیں کہ میرا حساب کیا ہے (الحاقہ ۲۶) اسلئے خدا نے اقرء کتابک فرمایا تاکہ وہ جواب دے کہ ہم نے تو نامۂ اعمال پڑھنے کا حکم دیا تھا اور متنبہ کر دیا تھا کہ اپنا محاسبہ کیا کرو تم بے خبر رہے اور نہ چیتے تو آج بھگتو جو بھگتنا ہے۔

اے بھائیو اپنے نامۂ اعمال کا روزانہ جائزہ دے لینا لازم سمجھو کہ آج تم نے کیا کیا کیا اور کیسا کیا عبادت کی یا نافرمانی کی عبادت کی تو کیسی کی۔ اس میں صدق و اخلاص کا حصہ کس درجہ پر تھا نافرمانی کی تو کیا کی اوروں کی کسی کا دل دکھایا کسی کا مال ضائع و برباد کیا کسی کے حقوق کی فروگذاشت کی۔ اپنا کھویا دوسروں کا کھویا کون کون سے نعماء الہیہ کو کہاں کہاں بے جگہ صرف کیا اخلاق کے ارکان کی کون کون سی کڑی توڑی پھر جو کچھ تم نے کیا اس کے مکافات میں لگو اور جو کچھ تم نے توڑا اسکے جوڑنے میں لگو اور اپنے نیک اعمال سے اپنے برے اعمال کو دھو ڈالو ان الحسنٰت یذھبن السیات بھلائیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں (ھود ۱۱۴) محاسبہ عجب چیز ہے کاش اس کی توفیق عنایت ہو۔

اعتکاف و اربعین

محاسبہ تو روز روز کی عبادت ہے مگر اعتکاف بھی ایک ضروری چیز ہے سال بسال ہو یا جب

جب ہو سکے مگر کم سے کم کبھی کبھی تو ضرور ہونا چاہیئے اس میں بھی عجیب عجیب فوائد مضمر ہیں اور
عجیب عجیب الطاف خداوندی کم سے کم جیتے جی مرجانے کا مزہ تو ہے۔
اعتکاف کے معنی کسی چیز پر جمے ہوئے بیٹھے رہنے یعنی یکسو ہونے کے ہیں۔ یہ ایک دستور ازلی
معلوم ہوتا ہے کہ لوگ خدا کی یاد اور دھیان میں سارے دنیاوی تعلقات سے الگ تھلگ ہو کر
یکسو ہو جاتے تھے تاکہ یافتنا میں استغراق رہے اور روح اپنے کو الف بے کیفی پرواز کرے
اور اپنا مقام پیدا کرے۔
تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے سرتاج سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حرا میں ہر سال
چلہ در چلہ کے لئے اعتکاف فرماتے تھے خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عہد لیا تھا۔
وعہدنا الی ابراھیم واسمٰعیل ان طھرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود
حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے خدا نے معاہدہ لیا تھا کہ بیت اللہ کو طواف
کرنے والوں۔ اعتکاف کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے لئے پاک اور ستھرا رکھو۔
(بقرہ ع ۱۵) اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف کے لئے مسجد مطہر ہونا چاہیئے۔
اعتکاف کے متعلق خدا حکم دیتا ہے ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد تم مباشرت
نہ کرو۔ ایسی حالت میں کہ تم مسجدوں میں معتکف ہو (بقرہ ع ۲۳)
جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں اعتکاف کا وجود پایا جاتا ہے تو اس سے واضح
ہوتا ہے کہ اعتکاف ازلی عبادت ہے یہ اعتکاف کافروں اور مشرکوں میں بھی کفر و شرک کا جامہ
پہن کر قائم رہا اور آج تک بھی پایا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کے مشرکوں میں
بھی اعتکاف پایا جاتا ہے قالوا نعبد اصناما فنظل لہا عاکفین کہا ہم تو بتوں کو پوجتے
ہیں اور پھر تو انہیں کیلئے اعتکاف کرنے والے ہیں (شعراء ع ۵) اعتکاف بت پرستوں میں بھی
تھا مگر بیہودہ رنگ میں بیان ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ اعتکاف کوئی نئی اصطلاح نہیں
لوگ اس اصطلاح سے واقف تھے اور اعتکاف کرتے تھے آج بھی لوگ اس اصطلاح کو سمجھتے
اعتکاف کرتے ہیں اس میں روزوں کی قید نہیں جتنے دنوں کی نیت سے چاہو اعتکاف کرو۔
اعتکاف کے سوا اربعین ہے یہ چالیس دن کا اعتکاف ہے جس کا ترجمہ چلہ ہے ہم نے فرمایا۔
وواعدنا موسیٰ ثلثین لیلۃ واتممنٰہا بعشر فتم میقات ربہ اربعین لیلۃ۔ ہم نے
موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ ٹھہرایا اور ہم نے اس کو تمام کر دیا۔ دس اور بڑھا کر تو اس کے خدا کا

وعدہ پورا ہو گیا۔ چالیس رات کا (اعراف ۱۴۲)
علما اعتکاف کرتے ہیں تو رمضان ہی میں وہ بھی شفقت کیلئے اور فقرا چلہ کشی کرتے ہیں تو اکثر فرار دنیا کیلئے۔ پر طالب کو اعتکاف بھی کرنا چاہیئے اور چلہ کشی بھی۔ مگر خالصاً لوجہ اللہ بلا آمیزش کسی نسبت ماسوائے کے۔ کیونکہ ماسوا کی نسبت ماسوے سے کٹنا ہے اور یہ بے راہ روی ہے۔
اے بھائیو ساری صورتیں ماسوا اور بت ہیں۔ اسلام کی تعلیم بت شکنی کی ہے۔ ساری صورتوں کو توڑ کر اس بے صورت تک پہونچو۔ مگر یہ بے کشش اور تائید غیبی (اس کے) نہیں ہو سکتا۔

کشش یا تائید غیبی

صراط اللہ پہ چلنے والوں کو تائید غیبی ہوتی ہے۔ جب تو یہ پراسرار راہ طے ہوتی ہے اور کیفیات وجذبات کے دوچوڑے سے پر رہو پار ہو جاتا ہے خدا نے فرمایا اولئک کتب فی قلوبہم الایمان وایدھم بروح منہ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح سے انکی تائید کی ہے (مجادلہ ۲۲) مکتوب قلبی کو دیکھو تو وہ یا تو اسم ذات ہوتا ہے یا کلمہ طیبہ قلب میں نقش ایمان کو تم نے کبھی پڑھا ہے؟ اگر نہیں پڑھا ہے تو اس آیت کو کیا سمجھے تاویل کیوں کرو اپنی مراد لیکر قرآن مجید کی قطعیت کیوں کھو دو۔ یا تو خود پڑھو یا نقشبندیوں سے پوچھو۔ اگر تمہاری قلب کی آنکھیں پڑھ سکتی ہیں اور تم نے پڑھ لیا تو اس کی حفاظت کرو اور اپنی رفتار قایم رکھو کہ نصب العین ہو جائے پھر اسم سے مسمیٰ تک پہونچو اس سے تمہاری طلب اللہ حتیٰ اللہ کے درجہ کو پہونچیگی جوش و ولولہ تمہارا مؤید ہوگا تو پھر منزل تک پہونچنے میں رکاوٹ نہیں ہو سکتی (الشیء ابلغ من العشق بہت صحیح تجربہ ہے۔
خدا کا نور خدا کی طرف سے عنایت ہوتا ہے جسکو تم مراقبہ اور انشراح صدر میں پڑھ آئے ہو اسی نور میں اولیا کو اسم ذات یا کلمہ طیبہ نورانی حرفوں میں لکھا ہوا دکھائی دیتا ہے یہ وہ نور ہوتا ہے جس سے خلق اللہ میں ہدایت کی جاتی ہے۔ اور جو خدا کی طرف منجذب کرتا ہے یہ بھی اک تائید غیبی ہے جیسے مقناطیس کی طرح۔ اسی طرح وہ کلمہ ایمان یا اسم ذات جو ہادی حقیقی کا اسم ذوالجلال والاکرام ہے وہ کشاں کشاں مسمیٰ کی طرف لیجاتا ہے رفتہ رفتہ ہر جگہ پتے پتے پر اس کا نام مبارک نورانی حرفوں میں لکھا ہوا دکھائی دینے لگتا ہے۔ یہ تائید غیبی کی ایسی جگہ ہوتی ہے جس میں نہ لغزش ہے نہ خطا یہی نقش کاغذ پہ اتارو تو تعویذ ہے یا پھونک سے نقش اترے تو وہ جھاڑ ہے بسم اللہ الذی

لا یضر مع اسمہ شئی فی الارض ولا فی السماء ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم
کہ یہ نقش ہوتا ہے قلب میں اسلئے اس نور اور اس نقش کو قلب ہی کی آنکھوں دیکھ سکتے ہو لا تعمی
الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور (حج ع)

مرشد اور ہادی کے لئے اس نور کا ملنا ضرور ہے اور اس درجہ پر کہ وہ نورانی الوجود ہو جائے
جب تو مجاز خلافت ہو گا۔ اور رشد و ارشاد کا اہل ہے علی مرشد کی صفت میں جیسا بیان کرتا تھا اگر یہ نہ کیا
غرض تائید غیبی ہوتی ہے جیسا کہ خدا نے فرمایا وایدھم بروح منہ اور معیت کی بات ہوتی
اگر ایسے پُر اسرار اور بال سے باریک تر پل صراط کی راہ میں خود خدا تائید کو کھڑا نہ ہوتا اور اپنے کمزور
و ناتوان بندہ کو بے تائید و مدد چھوڑ دیتا۔ اُس نے نہ چھوڑا تائید بھی کی اور مدد بھی کی وکان
حقا علینا نصر المومنین اُس کا شکر کرو کہ وہ تائید و مدد کرنے کے لئے ہر وقت تمہارے
ساتھ ہے ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون خدا اتقا اور احسان کی راہ
چلنے والوں کے ساتھ ہے (نحل ع ۱۶) مگر یہ کچھ کم ماتم کی جگہ نہیں ہے کہ تائید کرے خدا مدد کرے
خدا سب کچھ عنایت کرے خدا ہر حال میں ساتھ دے خدا جو مطلوب حقیقی ہے مگر اس کے
بندے وسیلہ ہی کو مقصود بنالیں اور یقین کریں کہ سب کچھ پیر فقیر نے دیا مزار سے ملا یا ال فلاں
نے دیا۔ حالانکہ اللہ والے کیا دیں گے وہ تو ہم سے بھی زیادہ ظاہر الیں دینے میں بھی مجبور رہیں
کیونکہ اُن کا تو خاص اپنا خدا کا دیا اختیار و ارادہ بھی خدا کے اختیار و ارادہ اور اسکی رضا میں محو ہے
وہ تو خدا کی زندہ مشین ہے جو خدا کے چلائے چل رہی ہے بہر کیف لوگ خدا کو چھوڑ کر ادھر ادھر
دیکھنے لگے۔ راہ بھٹک گئے۔ خدا رحم کرے ذکر و فکر تائید غیبی سے جو انقلاب طالب میں پیدا ہوتا وہ گردش ہے

گردش

اصطلاحاً گردش صفات مذمومہ کا صفات محمودہ سے بدلنے کا نام ہے۔ یہ انقلاب کوئی نئی چیز
کی گردش گوہ نہیں ہے بلکہ احاطۂ قرآن مجید کے اندر ہے۔ خدا فرماتا ہے ان تجتنبوا کبائر ما
تنہون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم وندخلکم مدخلا کریما۔ اگر گناہ کبائر سے بچتے رہو اور
گناہ کبائر کیا ہے جو ہمارا منہی عنہ ہے تو ہم تمہاری برائیاں دور کردیں گے (یعنی گناہ صغائر بھی تم
سے سرزد نہ ہونگے اور ہم تم کو داخلہ بزرگی میں داخل کریں گے (النساء ع ۵)
پہلا انقلاب جو ریاضات و مجاہدات سے طالب میں پیدا ہوتا ہے وہ گناہ کبائر سے اجتناب ہے

جس سے رفتہ رفتہ صغائر سے بھی اجتناب ہونے لگتا ہے۔ طالب سے برائیاں دور ہونے
لگتی ہیں نہیں بلکہ صفات محمودہ سے بدلنے لگتی ہیں یعنی ساری قوتوں کا رخ مذموم سے محمود کی
طرف پھر جاتا ہے فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات یہی لوگ ہیں جن کی برائیوں
کو خدا بھلائیوں سے بدل دیتا ہے (فرقان ع۶) گناہ کبائر سے بچنا بدایتہ گناہ صغائر سے بچنے کا
موجب ہوتا ہے ان الحسنات یذھبن السیات نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں (ھود ع۱۰)
یہی گروش ہے جو راہ خدا میں پیدا ہوتی ہے ریاضت جو خالصاً لوجہ اللہ ہو وہ یقیناً برائیوں کو دور
کرتی اور تصفیہ و تزکیہ کی موجب ہوتی ہے۔ صفا کا حاصل ہونا تزکیہ کا حاصل ہونا یہی گروش ہے
قد افلح من زکٰھا مراد کو پہونچا جس نے تزکیہ نفس کیا (الشمس) تزکیہ نفس کا حاصل ہونا یہی گروش ہے
جب صفات بدلنے شروع ہوئے صفات مذمومہ بدل کر صفات محمودہ ہونے لگے اور
ساری قوتوں کا مرجع پھرنے لگا تو صراط اللہ پر رفتار قایم ہونے لگتی ہے اسی رفتار کو روش
کہتے ہیں۔ صرف سمجھنے سمجھانے کے لئے یہ نام رکھے گئے ہیں۔ کوئی اپنا معاملہ خدا کے ساتھ
درست کرے۔ صحیح رفتار ہو جائے تو وہ ان ناموں کو جانے نہ جانے اس سے کچھ راہ کھوٹی نہ ہوگی۔

روش

گروش و روش گویا ایک چیز ہیں۔ وہ ظاہری ہے اور یہ باطنی۔ جیسے شریعت و طریقت ایک
چیز ہیں۔ وہ ظاہری ہے اور یہ باطنی اور دونوں ملا کر اسلام ہے۔
یا یوں کہو کہ صفات کا بدلنا گروش ہے اور صراط اللہ پر رفتار قایم ہو جانی روش ہے۔ صراط اللہ
پر رفتار صحیح قایم ہو جاتا یہ ہے کہ طالب بے راہ روی سے محفوظ رہے اور تیز رفتار ہو۔ جذبات
آلودگیوں سے پاک رہیں اور اپنی گروش میں مستقیم ہوں۔ ذکر و فکر ماسوا کی آمیزش سے بچ کر
صحیح اتریں اور فیضان خداوندی سے فیضیاب ہو کر سرگرم کار ہوں۔ اصول اخلاق مع اپنے
ارکان و دوائر کے صحیح اور روحانیت کے ساتھ برتا جائے اور اس برتنے میں محبت طلب صبر اور
سارے صفات کی کڑیاں منسلک رہیں ٹوٹنے نہ پائیں محبت جو پیدا ہو وہی راہ غلط نہ کرے
اور یہی محبت عبادات و مجاہدات میں لگی رہے اور مغلوب کر کے راہ کھوٹی نہ کرے۔ [illegible]
کا اتباع و اطاعت کامل جو ظاہر و باطن جسمانیت و روحانیت دونوں کے ساتھ ہو شرع صحیح [illegible]
افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آجکل کے مسلمان جو قرآن مجید پر ایمان رکھتے [illegible]

کے مطابق اپنی روش درست کیا کرتے کہ اور الٹے یہ کہنے کھڑے ہوتے ہیں کہ قرآن مجید میں
تعلمون تعملون کے سوا ہے کیا۔ تو اے بہائیو دنیا ہی میں علم و عمل کے سوا ہے کیا۔ پھر قرآن نے
اگر علم و عمل بتایا تو رہا کیا جو نہ بتایا سارا قرآن تو پیچھے ہے قرآن میں جہاں کہیں کوئی بیان ہو احکام
دینیات ہوں امثال و قصص ہوں قریب قریب ہر آیت کے آخر کا ٹکڑا معمول الی العمل ہے
مثلاً ان اللہ بصیر بما تعملون ۔ ان اللہ خبیر بما تعملون ۔ ان اللہ سمیع بصیر اور
علی ہذا ان کا ترجمہ ہی کرتے چلے نہ جاؤ کاش سمجھو اور انھیں ٹکڑوں پہ اپنی روش درست کرو
اگر ان پر تمہارا ایمان کامل ہو جائے اور یہ آئتیں تمہاری نصب العین ہو جائیں اور ایمان و یقین
کی چشم بصیرت کھل جائے کہ خداوند علیم تمہارے اعمال کا نیتوں کا ظاہر و باطن کا نگران ہے
وہ تمہارے ارادوں کو سنتا اور تمہارے دلوں کو دیکھ رہا ہے تو جھوٹ فریب۔ دغا بازی غیبت
غرور ایذا رسانی قتل غارت گری دل آزاری وغیرہ وغیرہ کل برائیاں شہنشاہ قادر و توانا کے حضور
میں کس طرح سرزد ہو سکتی ہیں تمہاری گردش بھی درست ہو سکتی۔ روش بھی درست ہو سکتی اور ہمیں
دوام حضور بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ تو قرآن مجید کے ٹکڑوں کا حال ہے جن پر تم استہزا کی نظر
ڈالتے ہو۔ اور خدا کی نعمتوں سے محروم رہتے ہو۔

غرض اعتصام باللہ ہی روش کا صحیح اترنا ہے ومن یعتصم باللہ فقد ھدی الی
صراط مستقیم جس نے خدا کو مضبوط و ہر لیا وہ صراط المستقیم کی طرف ہدایت کیا گیا یعنی اس کی
روش صحیح اتر گئی۔ اور اس کو حنیفا مسلما کا خطاب و ولایت کا خلعت بارگاہ خداوندی سے مل گیا۔

اتقا یا قطع ماسوائے اللہ

اتقا کے معنی پرہیزگاری کے ہیں۔ شریعت مروجہ کی اصطلاح میں گناہ کبائر و صغائر سے قطعاً
اجتناب کا نام پرہیزگاری ہے۔ اور صوفیوں کی اصطلاح میں حلال مباح سے بھی احتراز کا نام پرہیزگاری
ہے میرے نزدیک چونکہ شریعت عین طریقت و حقیقت ہے اسلئے ممنوعات خداوندی سے جس طرح وہ
ممنوع ہو اسی طرح احتراز کرنا اور ماسوائے اللہ سے رشتہ نباتات و اعمال جوڑنے سے اجتناب کرنا اسلامی اتقا ہے
مشکوک مشتبہ مکروہ یہ کوئی چیز نہیں ممنوعات خداوندی اصل ہیں چاہے ممنوع بلفظ حرام ہو یا بلفظ
احتراز و اجتناب ہو صریح ہو یا بہ اشارۃ النص ہو۔ اسیطرح ممنوعات خداوندی کے سوا باقی سب حلال
ہیں مباح سے احتراز جائز نہیں۔ جیسے حلال کو حرام کرنا جائز نہیں۔ جو حلال و حرام کرنیکا خود مختار

ہے۔ اُس نے حرام و حلال قرآن مجید میں واضح کر دیا ہے بندہ کو بندگی لازم ہے کہ وہ حکم کا بندہ ہو نہ یہ کہ دین اصطلاح مکروہ و مشتبہ وغیرہ کی گڑھ کر حلال کو حرام کر دے۔

اتقا صرف کھانے ہی پینے میں نہیں ہے جیسا کہ باہم سمجھا گیا ہے یہ قرآن کی تعلیم کو تخصیص کرنا ہے جس کا کوئی مجاز نہیں بلکہ باطنی اتقا مقدم تر ہے یعنی ماسوا کو پکارنا۔ ماسوا سے استمداد کرنا ماسوا میں سے کسی کو صفات خداوندی کا شریک کرنا یا صفات خداوندی کے برابر سمجھنا یا خدا کے سوا کسی کو قادر و قیوم حی لایموت عالم الغیب رزق دینے والا عطا و بخشش کرنے والا یا مرادوں کا بر لانے والا ماننا شرک اور بشمت داخل ممنوعات اور خلاف اتقا ہے۔

اتقائے ظاہر حرام و محرمات سے پرہیز ہے اور اتقائے باطن ماسوائے اللہ سے پرہیز۔ اتقا کے یہ معنی نہیں کہ ظاہر میں اتقا ہو اور باطن آلودہ ممنوعات۔ یہ معنی بھی نہیں کہ سارے حقوق تج دو اور حق داروں سے احتراز کرو اور بیوی آبادی سے نکل کر اظہار اتقا سے اپنی پرستش کراؤ۔ بلکہ ماسوائے اللہ سے پرہیز کے معنی یہ ہیں کہ نیات و اعمال کا مشار الیہ ماسوائے اللہ نہ رہے۔ ظاہر و باطن اللہ کے لئے ہوں اور دونوں کام لوجہ اللہ ہو جائیں یہاں تک کہ اس آیت کی تجلی نظر آنے لگے۔ یہی حقیقی اتقا ہے۔ ان صلواتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین میری نماز اور عبادتیں اور حیات و موت تک خدا کے لئے ہے (انعام ع۲۰) یہ اتقا نہیں کہ کچھ نہ کرو۔ نہ کرنا خدا نہیں چاہتا سب کچھ کرو اور شرور کرو مگر اسکے ہو کر۔ خدا تو اعمال چاہتا ہے ع کار کن کار۔ گذر از گفتار۔ خدا نے فرمایا ولکن البر من اتقی لیکن نیکی یہ ہے جس نے پرہیزگاری کی (البقرہ ع۲۳) یعنی قطع ماسوا کیا کہ اس سے بڑھکر اور کون نیکی۔ وان تومنوا وتتقوا فلکم اجر عظیم اگر ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو۔ تو تمہارے لئے اجر عظیم ہے (آل عمران ع۱۸) ایمان کیساتھ اتقا کو فرمایا یعنے ایمان اس درجہ پر کہ ماسوا منقطع ہو جائے یہ معمولی بات نہیں وان تصبروا وتتقوا فان ذلک من عزم الامور اگر صبر کرتے رہو اور پرہیزگار بنے رہو تو بے شک یہ کام بڑی ہمت کے ہیں (آل عمران ع۱۹) یہ اتقا حلال کو نہ کھانے سے اپنے کو متقی اور مرکے جتانے سے یا ترک کسب تو کل کر کے متوکل بننے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ جیسا کہ خدا نے فرمایا عبادت سے حاصل ہوتا ہے یا ایہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون ہ لوگو خدا کی جس نے تم کو اور تمہارے اگلوں کو پیدا کیا عبادت کرتے رہو تاکہ تم متقی بنو (بقرہ ع۳) عبادت میں جسمانی و روحانی سارے عبادات داخل ہیں۔ مگر عبادت وہی ہے جو خالصاً لوجہ اللہ ہو ورنہ قومی اور رسمی عبادت تو حقیقت میں عبادت ہی نہیں۔

خالص عبادت سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے مثال میں ایک عبادت کو بیان کرکے واضح کردوں۔
مثلاً صوم کو جو خدا نے فرمایا یا ایہا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من
قبلکم لعلکم تتقون ایاما معدودات مومنو! جیسا اگلوں پر روزہ فرض تھا تم پر بھی روزہ فرض
کیا گیا تاکہ تم ایک مہینہ رمضان میں متقی بنے رہو (بقرہ ع۲۳) روزہ صرف فاقہ سے نہیں بلکہ سارے
قویٰ اور سارے حواس کو اتقا و پرہیزگاری میں لگانا ہے اس روزہ کے بیان میں دیکھو غرض
سال میں ایک مہینہ اتقا کا ریاض کرنا اتقا کی تعلیم و تربیت ہے اگر یہ ریاضت روزے رکھا کرو
تو متقی ہو جاؤ گے اور ماسوا تم سے منقطع ہو جائیں گے روزہ بھی عجب چیز ہے نفس کی ہیت کا تو
تریاک ہے اور ظلم و ہوا و ہوس کا قاطع۔ مادہ عدل پیدا کرنے والا ہے اور مادہ عفو یہ دونوں صفات
جو صوم سے پیدا ہوتے ہیں ان سے صفت اتقا حاصل ہوتی ہے اعدلوا ھو اقرب للتقوی
(مائدہ ع۲) ان تعفوا اقرب للتقوی (بقرہ ع۳۱) عدل انصاف کرو معاف و رحم کرو کہ یہ
دونوں صفتیں تقوے سے قریب تر ہیں۔ یہ سارے کچھ ہدایات تو باطنی تقوے یعنی قطع ماسوا کے
ہیں جو اتم پرہیزگاری ہے مگر خدا نے ظاہری تقوے کو بھی فروگذاشت نہیں کیا ولباس التقوی
ذالک خیر تقوے کا لباس بہت بہتر ہے (اعراف ع۲) یعنی جسطرح ذروا ظاهر الاثم و باطنه
ہے ظاہر و باطن دونوں گناہوں سے احتراز کرو۔ اسی طرح ظاہر و باطن دونوں تقوے سے
آراستہ ہونا لازم ہے کذالک یبین اللہ ایتہ للناس لعلہم یتقون اسی طرح لوگوں کیلئے
خدا اپنی آیتوں کو بیان فرماتا ہے کہ لوگ پرہیزگار نہیں ولی سوا سے توڑیں اور محبوب حقیقی سے جوڑیں
افسوس ہے اگر لوگ ایسا نہ کریں ام لہم الہ غیر اللہ کیا لوگوں کا خدا کے سوا اور کوئی معبود ہے
(طور ع۲) افغیر اللہ ابغیکم الہا کیا خدا کے سوا تمہارے لئے کوئی معبود تلاش کریں (اعراف ع۱۶)
غیر اللہ ابغی ربا کیا خدا کے سوا اور کوئی پروردگار ڈھونڈیں (انعام ع۲۰) افغیر اللہ ابتغی حکما کیا
خدا کے سوا اور کوئی حاکم تلاش کریں (انعام ع۱۴) افغیر اللہ تامرونی اعبد ایہا الجاہلون
اے جاہلو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ماسوے اللہ کی عبادت کروں (زمر ع۶) اغیر اللہ اتخذ ولیا
کیا میں ماسوے اللہ کو دوست بناؤں (انعام ع۲) افغیر اللہ تتقون کیا تم ماسوا اللہ سے ڈرتے
ہو (نحل ع۷) اغیر اللہ تدعون کیا تم ماسوے اللہ کو پکارتے ہو (انعام ع۵) یعنی جب خدا
کے سوا کوئی معبود نہیں تو ماسوا اللہ کو نہ تو پالنے والا مانو نہ حاکم نہ ماسوے اللہ کی عبادت کرو نہ دوست
بناؤ نہ ماسوے اللہ سے ڈرو۔ نہ مصیبتوں میں ماسوے کو پکارو۔ یہ تو کافروں کی شان ہے یعبدان

من دون اللہ۔ وہ ماسوے اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور انکی نسبت کہتے ہیں ھؤلاء شفعاؤنا
عند اللہ یہ خدا کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں (یونس ع۲) حالانکہ لیس لھا من دون اللہ
ولی ولا شفیع۔ خدا کے سوا کسی کا کوئی نہ حامی ہوگا نہ سفارشی (انعام ع۶) کیونکہ دین ہو یا
دنیا کہیں بھی مالکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر ماسوے اللہ کوئی بھی نہ تمہارا دوست
ہے نہ معین (بقرہ ع۱۳) تو یاد رکھو کہ کسی دوسرے کے کہنے پر یہ سمجھ کر اسکی عبادت کرنی ہے یا کسی کو
دوست حامی سفارشی معین و مددگار سمجھ کر خدا کا شریک نہ کرو فلا تجعلوا للہ اندادا (بقرہ)
جتنے پیغمبر آئے سب نے یہی کہا۔ خدا ایک معبود ایک خلاق ایک۔ فعال ایک ولی ایک نصیر
ایک قدیر ایک سب نے یہی ہدایت کی کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم
تدرسون پس کسی نے نہیں کہا کونوا عبادا لی من دون اللہ مگر امت نے خدا کو چھوڑا
اور لگے ماسوے اللہ کی ٹھوکریں کھانے اور ماسوے اللہ ہی کا گیت گانے اس
نتیجہ کیا ہوا کہ خدا کی رحمت سے محروم ہوگئی کیونکہ خدا نے فرمایا تھا رحمتی وسعت کل شی فسا
کتبھا للذین یتقون میری رحمت شامل ہے ہر چیز کو تو وہ ہم متقیوں کیلئے لکھ دینگے
(آل عمران) متقی وہ ہیں جو کامل پرہیزگار ہیں یعنی ماسوے سے منقطع۔

اس قطع ماسوا یعنی اتقا کو مختصر لفظوں میں خدا نے خود فرمایا ہے وان ھذا صراطی مستقیما
فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذالکم وصٰکم بہ لعلکم تتقون یہی میری
صراط مستقیم ہے تو اس پر چلو اور دوسرے رستوں پر نہ چلو کہ یہ تم کو خدا کی راہ سے متفرق کر دینگے
خدا نے تم کو اس کا حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگار رہو (انعام ع۱۹) اتقا صراط مستقیم یعنی صراط پر
چلنا ہے یعنی قرآن مجید کی کامل اطاعت یہی تو قطع ماسوا ہے۔

اللہ اللہ یہی قرآن مجید۔ کلام ربانی۔ ہدایت مولا۔ رسالت رسول خاتم الانبیا۔ یہی شریعت
یہی طریقت اور یہی حقیقت ہے یہی راہ احسان اور یہی راہ اتقا ہے اور اسکی اصلی تعلیم نفی دون اللہ
یعنی قطع ماسوا ہے من یطع اللہ ورسولہ ویخش اللہ ویتقہ فاولئک ھم الفائزون
جو کوئی خدا اور رسول کی اطاعت کرے خدا سے ڈرے اور خدا کی پرہیزگاری کرے (خدا کی پرہیزگاری
وہ جو خدا نے تعلیم کی اپنی منشا پر پرہیزگاری نہیں) تو یہی لوگ فائز المرام ہیں۔ اے لوگو فاتقوا
اللہ ما استطعتم واسمعوا واطیعوا جہانتک تمہاری قدرت و وسعت ہے اللہ کی پرہیزگاری
کی اسنے تعلیم کی ہے یعنی انقطاع من دون اللہ اور سنو جو اسنے فرمایا اور اطاعت کرو جو اسنے حکم دیا (تغابن ع۲)

اتقا یا انقطاع من دون اللہ آسان نہیں۔ اسلئے خدا نے فرمایا تعاونوا علی البر والتقویٰ
بھلائی اور تقوے پر ایک دوسرے کی مدد کرو (مائدہ ع۱) تقوے کی راہ سخت کٹھن ہے اسلئے
ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت ہے۔ ہاں ابتدائے منزل میں دشواریاں تو ہیں مگر والعاقبۃ للتقویٰ
(طٰہٰ آخر) والعاقبۃ للمتقین ہ (اعراف ع۱۵) عاقبت تو متقیوں کی ہے ان للمتقین لحسن مآب
پرہیزگاروں کیلئے اچھا ٹھکانا ہے (ص ع۴) جو سب سے ٹوٹ کر خدا سے جا ملا ہو تو اس کیلئے اور کیا ٹھکانا ہو سکتا
کتنا کچھ لکھا جائے۔ خدا کی بات نہ آجتک تمام ہوئی نہ ہوگی۔ اتقا کی ہدایت سے قرآن مجید
بھرا ہوا ہے تلاوت کیا کرو معلوم ہوتا رہیگا۔ آخر میں اتنا کہدینا ضرور ہے کہ متقین ہی اولیاء اللہ
ہیں ان اولیاؤہ الا المتقون۔ اولیاء اللہ تو متقی ہی ہیں (انفال ع۴) واللہ ولی المتقین۔ اور
خدا بھی متقیوں ہی کا دوست ہے (جاثیہ) یحبہم ویحبونہ۔ یہ خدا کو دوست رکھتے
ہیں۔ اور خدا ان کو۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ احسان کی راہ چلنا ہے یعنی قرآن مجید پر سے اس کی
شریعت وطریقت سے عمل ہو تا یہی متقین محسنین ہیں ان المتقین فی جنت وعیون ہ اخذین
ما اتٰہم ربہم انہم کانوا قبل ذلک محسنین ہ کانوا قلیلا من الیل ما یہجعون
وبالاسحار ہم یستغفرون ہ وفی اموالہم حق للسائل والمحروم ہ (متقین بے شک
عیش وآرام میں ہونگے جو کچھ نعمتیں خدا انھیں دے رہا ہوگا وہ لے رہے ہونگے بے شک پہلے
ہی محسنین تھے احسان کی راہ چلنے والے) رات کا تھوڑا حصہ ہوتا تھا جس میں یہ سوتے تھے اور
صبح کو خدا سے طلب مغفرت کرتے رہتے تھے اور ان کے مال میں سے سائلوں اور تنگدستوں
کا حق تھا (الذٰریٰت ع۱) رات کو کم سوتے تھے اسکے یہ معنی نہیں کہ وہ تھیٹر یا پارٹیوں میں جاتے
تھے بلکہ وہ طالبین حق تھے ان کی شان تھی کہ ہر وقت یظنون انہم ملٰقوا ربہم وہ اس
خیال میں ہوتے تھے کہ اب خدا سے ملے اب ملے اس سے شوق دید تڑپ اٹھتا تھا اسی تڑپ کا
نام خشوع ہے اور اسی کی ترقی کا نام عشق ہے عاشق کو کبھی آتا ہے کہیں نیند کا جھونکا۔
سورۂ آل عمران کے چودہویں رکوع میں متقین کی تعریف خدا فرماتا ہے الذین ینفقون الآیہ
متقین وہ ہیں جو راحت وتکلیف دونوں حالتوں میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو دبا لیتے ہیں اور
لوگوں کو معاف کرتے رہتے ہیں (یہ احسان کی راہ چلنا ہے) اور اللہ احسان کی راہ چلنے والوں کو
دوست رکھتا ہے اور متقی وہ ہیں جن سے کوئی بے حیائی سرزد ہو جاتی ہے یا اپنے حق میں
کچھ برا کر بیٹھتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے ہیں۔ اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور اللہ کے سوا

کون ہے جو گناہ کو معاف کرے اور وہ جو گناہ وانستہ کر بیٹھتے ہیں تو اسپر اصرار نہیں کرتے ۔ مثلاً ایک آیت میں ہے بخشش کی در متقیوں کی تعریف سے تو قرآن مجید بھرا ہوا ہے اور کیوں نہ ہو اصل ریاضت تو قطع ماسوا ہی ہے ۔

المختصر اللہ ہی اللہ ہے اور سب فانی نہیں کے شمار ہیں ۔ تو اُسی سے دل لگاؤ اُسی سے لو لگاؤ اور اُسی سے باطنی سروکار رکھو اور ماسوے اللہ سے احتراز کرو کہ یہی اتقاء و احسان کی راہ ہے والذین جاء و بالصدق وصدق بہ اولئك ھم المتقون لھم ما یشاؤن عند ربھم ذالك جزاء المحسنین لیکفر اللہ عنھم اسوء الذی عملوا ویجزیھم اجرھم باحسن الذی کانوا یعملون ہ الیس اللہ بکاف عبدہٗ ویخوفونك بالذین من دونہٖ ومن یضلل اللہ فما لہ من ھاد ہ رسول جو کلام حق لیکر آئے اور جس ایمان والے نے اُس کی تصدیق کی (زبانی نہیں بلکہ حق تصدیق ادا کیا) یہی لوگ متقی ہیں ان کیلئے ان کے پروردگار کے قریب جو مانگیں موجود ہے جو جو چاہیں یہ جزا ہے محسنین کی یعنی احسان کی راہ چلنے والوں کی تاکہ اللہ ان کے اعمال بد ان سے دور کرے اور ان کے اعمال سے بہترین اجر ان کو عطا فرمائے (یعنی ان کی گزشتہ روش صحیح اُترے) کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی نہیں اور یہ لوگ تم کو ماسوا سے ڈراتے ہیں تو جس کو اللہ گمراہ کرے اس کا کوئی ہادی نہیں (زمر ع۴)

ماسوے اللہ سے انقطاع کے معنی یہ ہوے کہ ازروے عقیدت خدا ہی کو خالق کو مالک اُسی کو شفیع و مددگار جانو ۔ اُسی کو حقیقی دوست اور اپنا کارساز سمجھو عقیدت مندانہ دل کا لگاؤ اس سے محبت اُس سے خوف اُس سے ! اور ازروئے نیت یوں کہ ہر کام میں رضا جوئی اُسی کی اور وسیلہ کی وابستگی اُس سے ۔ عملاً یہ کہ ہر حال میں دنیاوی کام میں لگے ہو یا دینی کام میں عبادت اُسی کی ذکر اُسی کا فکر اُسی کی مراقبہ اُسی کا ۔ مواجہہ اُسی کی طرف اور تسلیم سواجہ اُسی کو ہونا چاہیے ۔ یہی ٹوٹنا اور یہی جڑنا ہے کہ ماسوا سے ٹوٹ کر خدا کی طرف جٹ جاؤ ۔ جو کہ جڑنے کا حق ہے وتبتل الیہ تبتیلا (مزمل ع۱) ذالك خیر للذین یریدون وجہ اللہ یہ اُن کے لئے جن کا مطلوب خدا ہے بہت بہتر ہے (روم ع۴)

ایسا نہ سمجھو کہ مسلمان کے گھر پیدا ہوے اپنے کو مسلمان کہتے رہے ۔ مردم شماری کے دفتر میں قومیت مسلمان لکھی گئی تو اس سے نجات کی کشتی کا کھیوا بھی پار لگا ۔ حاشا نہیں اعمال خالص مطلوب ہیں جن میں ماسوائے کے ناپاک چھینٹے نہوں انیبوا الی ربکم واسلموا لہ خدا کی طرف

رجوع کرو۔ بلکہ اپنے ہی کو اس کے حوالہ کردو۔

مقامات

رہرو صراط اللہ جب طالب لقاء اللہ ہوا تو ہمت کہتی ہے کہ بلند ہو۔ آگے عظمت اور جلالت کہتی ہے کہ کہاں تو اور کہاں وہ۔ پھر اُنکی محبت ہمت کو گرمائے جاتی ہے اور امکان وصال کی طرف دیکھنے نہیں دیتی۔ اُنکی کبریائی کہتی ہے۔ تعرج الملٰئکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ (فرشتے اور روح خدا کی طرف عروج کرتے ہیں ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی راہ ہے (معارج ۱) لیکن اُنکی رحمت اُمید بڑھائے جاتی ہے فاصبر صبرا جمیلا صبر کر صبر جمیل درکار ہے۔ معارج ۱۔ محبت بول اٹھتی ہے میری آنکھوں دیکھیں انہم یرونہ بعیدا ونراہ قریبا (لوگ اس کو دور دیکھتے ہیں۔ ہم نزدیک سمجھتے ہیں (معارج ۱) لوگوں سے نزدیک دور ہے۔ خدا کے نزدیک دور نہیں بلحاظ عظمت دور ہے اور بلحاظ مشیت قریب۔ بلحاظ جلالت دور ہے اور بلحاظ قدرت قریب فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا جو چاہے اپنے خدا کیطرف راہ اختیار کرے (مزمل) جب راہ میں قدم ڈالا تو راہ میں منزلیں ہیں مقامات ہیں جیسی راہ ویسا مقام۔ ان مقاموں کے مقیموں کا نام غوث قطب ابدال وغیرہ وغیرہ میں نہ لونگا کیونکہ یہ نام اور یہ مقام خدا کے بتائے ہوئے اور علی بینۃ ربہ نہیں ہیں۔ ہاں مقامات کے وہ نام جو خدا نے بتائے ہیں میں بھی بیان کرونگا چاہے عجائب پرستوں کو ان ناموں میں مزہ آئے نہ آئے۔

یہ مقامات گدی پر بیٹھنے سے حاصل نہیں ہوتے ولایت حرارت ارضی نہیں ہے کہ تخمیر کی طرح اُٹھے اور ولی اللہ بنادے۔ مجھے گدی کی طلب نہیں میرا مطلب مقام سے ہے جو حاصل ہوتا ہے عمل و ریاضت اور طلب مجاہدہ سے۔ نبوت کے مقامات کو نبیوں کے لئے چھوڑ دو۔ وہاں نبی کے سوا کوئی دوسرا بار نہیں پاتا۔ نبی کی راہ روحانیت سے شروع ہوتی ہے اور اُن کے ماسوا کی راہ عالم برزخ سے۔ نبی کے مقامات کو نبی ہی جان سکتا ہے اور وہاں تو روحانی پرندہ بھی پر نہیں مارتا۔ فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں۔

ہاں رہرو صراط اللہ اولیاء اللہ کا مقام اعلیٰ ترقی مقعد صدق عند ملیک مقتدر ہے مقام صدق میں جو خدا کے قریب ہیں (قمر ۳) خدا نے بھی نبیین والصدیقین والشہداء والصالحین فرمایا یعنی نبوت کے نیچے مقام صدق ہے اور یہ عمل و ریاضت اور طلب مجاہدہ سے خدا عنایت فرماتا ہے قل کل یعمل علی شاکلتہ (بنی اسرائیل ۹) شاکلہ دو معنی ہیں ۱ ادب ۲ نیت یعنی ہر کوئی اپنے ڈھنگ سے اور اپنی نیت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اس آیت سے نہ صرف علم قیافہ کا پتہ لگتا

بلکہ جب مشاکلت ہاتھ مختلف ہے اور اس سے اعمال بھی مختلف ہیں تو یقینی حال و مقام میں بھی اختلاف ہونا لازمی ہے جیسے اعمال ویسے مقامات۔

وما منا الا له مقام معلوم نہیں ہے کوئی ہم میں مگر اس کا مقام معلوم ہے (والصفت آخر) اس آیت کو لوگوں نے حسب عادت محذوف مان کر فرشتوں کا قول بنایا ہے کہ فرشتے کہیں گے وما منا الا له مقام معلوم مگر فرشتوں کے مقام کا تو وہاں جائزہ لیا نہ جائیگا دوسرے محذوف ماننے سے کام درست ہو جاتا ہے محذوف ماننے کیلئے بھی کوئی وجہ ہونی اور کوئی قرینہ ہونا چاہیے کیونکہ محذوف مانا ہوا جملہ غیر قطعی ہوتا ہے اور یوں قطعی غیر قطعی کا پابند ہو جائیگا۔ کوئی ایک جملہ محذوف ماننے گا کوئی دوسرا۔ یہاں فرشتوں کا کہیں مذکور نہیں حقیقت میں یہ قول ہے عباد مخلصین کا جن کو اوپر ہی کی آیت میں خدا نے فرمایا ہے الا عباد الله المخلصین یہی عباد مخلصین کہتے ہیں وما منا الا له مقام معلوم وانا لنحن الصافون وانا لنحن المسبحون۔ یہ سب عباد مخلصین ہی کے مقامات ہیں

مزید توضیح کے لئے سورہ والصفت کا آخر رکوع پڑھ جاؤ۔ وان یونس لمن المرسلین سے رکوع بڑا ہے بنظر اختصار میں نے نقل نہیں کیا اس میں خدا نے حضرت یونس علیہ السلام کے ذکر کی فضیلت بیان فرمائی ہے فلولا انه کان من المسبحین للبث فی بطنه الی یوم یبعثون (اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے ہرگز مچھلی کے پیٹ سے نہ نکلتے) اسکے بعد اقوال و اعتراض کفار کو بیان کیا ہے جو وہ پاکی وحدانیت خداوندی کے خلاف بولتے تھے پھر اس قول سے عباد مخلصین کو مستثنیٰ کیا ہے پھر ان کا قول بیان کیا ہے وما منا الا له مقام معلوم وانا لنحن الصافون وانا لنحن المسبحون یعنی ہم میں ہر کا ایک مقام معلوم ہے ہم میں بعض نماز گزار ہیں بعض تسبیح کرنے والے۔ پھر کفار کی وہ آرزو بیان کی ہے جو وہ قیامت کے دن کریں گے کہ اگر اگلوں کی نصیحت ہمارے پاس ہوتی تو ہم بھی مخلصین میں ہوتے میرے نزدیک صاف سلسلہ کلام یوں ہی ہے فرشتوں کو بیچ میں لا کر اور فرشتوں کی محذوف مانکر اور وما منا الا له مقام معلوم فرشتوں کا قول قرار دیکر سلسلہ کلام توڑنے کی کیا ضرورت۔ معاملات اخلاص میں فرشتوں کے ٹپک پڑنے کی گنجائش نہیں ہے۔ خدا کا طرز کلام بھی اسکا مساعد نہیں کہ معاملات اخلاص میں فرشتے دخل و مداخلت کریں اس سے واضح ہوا کہ مخلصین کے درست مقامات ہیں۔ کوئی نماز گزار ہیں۔ کوئی تسبیح کرنے والے ہیں جس میں جو صفت غالب ہو۔ ولکل درجت مما عملوا ہر شخص کے اعمال کے مطابق اسکے مدارج ہیں (انعام ۱۶) اس سے واضح ہو گیا کہ

خدا کے بندوں کے علویات اور سفلیات ہیں حسب اعمال اُن کے مدارج ہیں مجھے سفلیات میں کفار کے مدارج قایم کرنے سے بحث نہیں میرا تخاطب اخلاص بندوں کی طرف ہے تو جس طرح انبیا کے مدارج ہیں اولیا اور مخلصوں کے بھی مدارج ہیں۔ انبیا سے تو قوم نے قطع تعلق ہی کر لیا ہے۔ ہاں اولیاء کے مدارج زبان زد خلائق ہیں مگر وہ نہیں جو خدا نے بتائے ہیں۔ بلکہ انسانی دئے ہوئے خلعت و خطابات ہیں جو معتقدوں کی بارگاہ سے عنایت ہوتے ہیں۔

حضرت رسول معصوم نبی آخر الزمان ہمارے مولا ہمارے پیشوا ہمارے ہادی اور سارے عالم کے رسول بابی انت و امی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کی نسبت خدا فرماتا ہے عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا (بنی اسرائیل ع ۹) اس کا وعدہ خلاف نہیں ہوتا آپ مقام محمود میں ہوں گے۔ آپ کا نام محمود آپ کا مقام محمود۔ جتنے مخلصین بندے خدا کے ہیں سب ایک ایک صفت اور ایک ایک مقام کے ساتھ مخصوص ہیں۔ انہ کان من المخلصین ۰ انہ کان من الصادقین ۰ انہ کان من الصالحین علیٰ ہذا سب کے صفات اور مقامات جداگانہ ہیں۔ مگر مقام محمود چونکہ مجموعہ صفات ہے اسلئے اس مقام کا نام ہی محمود رکھا گیا یعنی ہمہ صفت موصوف اور ہمہ صفات محمودہ اکثر پیغمبروں نے فرمایا ان کان کبر علیکم مقامی اگر میرا مقام تم کو بار گراں ہو اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ ما منا الا لہ مقام معلوم ہر ایک مخلص کا ایک مقام ہے اگر میں مقاموں کو اور ان مقام کے تعدد مراتب کو بیان کروں تو کچھ فائدہ نہ ہوگا اور کتاب طویل ہو جائے گی دراں حالیکہ مقصود ہے اختصار اور اگر میں اولیاء کے مقام کی تفصیل کروں تو خیال ہوتا ہے کہ رہرو جہاں تھکا ہاں منزل کرے گا ہی پھر اس مقام کے لطائف کو بیان کرنا طالبوں کی توجہ کو بانٹنا ہوگا اور طالب طالب خدا نہیں بلکہ طالب مقامات ہو جائے گا اور خدا کو مقامات تو مطلوب نہیں اس لئے بالاجمال کسی قدر بیان کر دیتا ہوں کسی کی خواہش تفصیل کی ہو تو قرآن مجید میں تفکر اسے کفایت کریگا اسماء حسنے میں سے جو صفت جس طالب پر مستولی ہو خدا کی جس صفت میں وہ دبا ہو خدا کی جس صفت نے اسے پناہ دی ہو وہ اس کا مقام ہے۔

قرآن مجید میں سے مجھے اسوقت اتنے نام یاد آئے۔ مسلمین۔ مومنین مخلصین۔

صالحین۔ مسبحین۔ صافون۔ اولوالالباب۔ متقین۔ صدقین۔ صبرین۔ شکرین۔ متصدقین۔ قایمین۔ صائمین۔ حافظین۔ ذاکرین۔ خاشعین۔ سابقون۔ مقربون۔ صدیقین۔ شہدا۔ مقام اجتبا۔ مقام اصطفا۔ مقام تکلمی۔ مقام روح الٰہی۔ مقام تبشیر و تنذیر۔ مقام صحبت۔ مقام ولایت اور علیٰ ہذا اہل مقام سے مقام کا پتہ چلتا ہے اور مقام سے کیفیت مقام کا مگر صرف ترجمہ کر دینے سے نہیں بلکہ قرآن مجید میں تدبر و تفکر کرنے اور اہل مقام ہونے سے و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مُناجات

اے خدا دعا کرنے آیا ہوں سنتی تجھ سے دو باتیں۔ آہ تو سب کی سنتا ہے میری بھی سن لے مگر نگاہ شوق تیز تر ہوتی جاتی ہے اور زبان التجا گنگ۔ آرزوئیں آہوں کے بخارات بن کر اوڑا چاہتی ہیں اور مرادیں نالوں کی خاکستر ہوا چاہتی ہیں۔ کیونکہ یہ وہ آہ و نالے نہیں جو آسمان کو چھیدیں۔ بلکہ ان کی چنگاریوں سے تو دل چراغاں ہو رہا ہے ایسے حال میں تو ہی بتا تجھ سے تیرے سوا مانگوں بھی تو کیا مانگوں تیرے حضور کونسی چیز مانگنے کی اسلئے مانگنے سے تو میں رہا۔ ہاں قوم کا کچھ دکھڑا ہے اور قوم کیلئے کچھ التجا۔

اے خدا یہ میں نے نہیں کہا تو ہی نے فرمایا ہے لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم۔ تمھارے پاس رسول تم ہی میں سے آئے۔ تمھاری تکلیف انپر شاق گذرتی ہے۔ تمھاری بھلائی پر وہ حریص ہیں ایمان والوں پر نہایت درجہ شفیق و مہربان ہیں (توبہ ع۱۶) ایسے حال میں مسلمانوں کی روحانیت کی بدحالی تیرے رسول محبوب پر کس درجہ بارگراں اور موجب تکلیف ہوگی۔ اے خدا اپنے پیارے اور برگزیدہ رسول کا خیال کر و مسلمانوں کا حال بدلدے۔ کوئی تجھ سے درد دل کا علاج مانگتا ہے اور میں مسلمانوں کیلئے درد دل مگر تیرا درد اور تیری محبت کا درد کر اپنی محبت خالص کا اک ذرہ درد انکو عنایت کر کہ یہ تیری گرمی محبت میں حرارت حیات روحانی سے بہرہ یاب ہوں اور

نئی زندگی پیدا کریں یعنی اسلام حقیقی سے بہرہ یاب ہوں اسلامی شریعت و طریقت فیضیاب ہوں جو
عین حقیقت ہے۔ گردش میں گرداں ہو پاؤں روش میں طپاں قرآنی انوار و تجلیات سے منور ہو کر تیری
دنیا کے سزاوار ہو جائیں تیرے ہو کر تیرے رسول کے لائے ہوئے اسلام پر چلکر یا سوا اسکے مسلط ہو کر اغیار
پر حکمراں ہوں اور اسلام کا نام روشن کریں قلوب پر تیرے نام کا سکہ رائج ہو اور دنیا میں تیرے
فرمان کی حکومت فرمانروائی کرے کہ تیرے پیارے رسول کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور دل تسکین پائے

اسلام اور ہائے اسلام جو روز اول ہی سے پھولا پھلا۔ دروم میں پت جھڑ ہوئی اور روم میں اپنا
نام ناموس چھوڑ کر سدھار گیا۔ دور روم کی پت جھڑ اور مرض آلود شاخیں مختلف فرقوں کی شکل میں
اب تک اپنا منحوس وجود دکھا رہی ہیں مسلمانوں نے غفلت کی اور سختہ گولوں کو کاٹ دیا اور
نافرمانیوں کی آتش سے شاخیں کاٹ گرا دیں اور ماسوا اللہ کے تیز آلات میں انہیں خاک سیاہ
کر ڈالا اور اب اس خاکستر کے دفینوں پر مجاور بنے بیٹھے۔

یہ اس اسلام کا حال ہے جسکی تیرے پیارے رسول نے اپنے مقدس سینے کے خدائی صحن باغ
میں تئیس برسوں تک باغبانی کی اسکے سایہ میں بیٹھے اسکا پھول سونگھا گلے کا ہار کیا اور بستر پر ڈالا
اسکا بیج بویا اور اسکا پھل کھلایا کیوں نہ افسوس اور ماتم کا مقام ہو کہ مسلمان انہی پیارے رسول
کی امت ہو کر اسی اسلام کی شاخوں سے خاکستر کو تربت میں رکھکر دفن کرنے چلے ہیں۔ اے خدا تیری مرضی
کیا ہے؟ کیا تیری یہ رضا ہے کہ اسلام کا یہ رکھ یا رتہ مشرکوں کے حوالہ ہو کر وہ اس سے اپنی کرسیاں
بنائیں یعنی بیت اللہ میں اپنا ناپاک جھنڈا بنا کر تیرے کلام پاک کے پرچے اڑائیں یا تیری یہ رضا ہے
کہ اپنے مقدس اور برگزیدہ اسلام کو نئی زندگی عطا کرے جس غرض کیلئے تو نے اپنی آخری کتاب کی حفاظت کا وعدہ کیا
اے خدا! اگر تیری یہ رضا ہے تو وہ دن جلد لا کہ عروج اسلام کی صبح صادق کی بہار میری حسرت زدہ
اور ارمان آلود آنکھیں بھی تو دیکھیں ع پس از مرگ من فیکون شد شدہ باشد۔ اے خدا تیری مرضی تو
مرضی تیری ہی۔ مرضی تو ہو رہی ہے اور ہو کر رہے گی۔ اذا اراد اللہ شیئاً یقول لہ
کن فیکون۔ اے خدا ہم تو تیری رضا کے بندے ہیں۔ اللھم لبیک لبیک والحمد
للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین والہ واصحابہ اجمعین۔

تمت

راے مولوی محمد عبدالحق صاحب بی اے پرنسپل عثمانیہ کالج اورنگ آباد دکن

و سابق ناظم دار الترجمہ سرکار عالی

میں نے آپ کی کتاب کو قریبًا بالاستیعاب پڑھا۔ آپ نے ایسے مشکل مضامین کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اور اس قسم کی کتاب میں جو روحانیت ہونی چاہیے وہ اس میں بخوبی پائی جاتی ہے۔ تصوف اور قرآن کے درمیان جو آپ نے تطبیق دی ہے وہ تکلف سے بری معلوم ہوتی ہے۔ میرے خیال میں اس کتاب میں ایک خاص جدت پائی جاتی ہے چونکہ میں اس فن میں نو آموز کا درجہ بھی نہیں رکھتا اسلئے اسکے زیادہ دقائق میری دسترس سے باہر ہیں تاہم میں قیاس کر سکتا ہوں کہ جب مجھے اسکے پڑھنے میں مزہ آیا تو واقفان فن کو بہت زیادہ لطف آئے گا۔

میں نے آپ کی دوسری کتابیں بھی پڑھی ہیں حقیقت یہ ہے کہ آپ کا پیرایۂ بیان بہت دلچسپ اور شگفتہ ہوتا ہے اور پڑھنے والے پر گراں نہیں گزرتا۔

راے ماہر السنۂ مشرقیہ وعلوم مغربیہ مولوی حمید الدین صاحب بی۔ اے

سابق صدر دارالعلوم کالج بلدہ حیدرآباد دکن

میں نے یہ کتاب قریبًا من اولہٗ الی آخرہ نہایت غور سے مطالعہ کی جسطرح سے مذہب میں رسم و رواج سے مخلوط ہونے سے اس کی صورت بدل گئی ہے ایسے ہی تصوف میں بدعات اس طرح پریشاں ہو گئے ہیں کہ اس کی اصلی صورت اہل عقل و مذہب کی نگاہ میں نہایت بدنما معلوم ہوتی ہے۔ اس کتاب میں ایک طرف تو تصوف کو اس کے قدیم مقدس صورت میں دکھلایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتی ہے کہ حقیقی تصوف عین کتاب و سنت کی تعلیم ہے دوسری طرف موجودہ اوہام و بدعات سے اُسے پاک کیا گیا ہے۔ اس زمانہ میں ایسی کتاب کی سخت ضرورت تھی اور مصنف نے اس ضرورت کا صحیح احساس کیا ہے اور لاجواب کتاب لکھی ہے۔

رائے مولوی وحیدالدین صاحب سلیم سابق اڈیٹر انسٹی ٹیوٹ علی گڈہ ورسالہ المعارف وغیرہ

کتاب منہاج الحق تصوف کی حقیقی تصویر ہے۔ قدما کا تصوف عین شریعت اور بالکل قرآن وحدیث سے ماخوذ تھا۔ مصنف نے کتاب کے شروع میں اساطین تصوف کے اقوال سے اس امر کو ثابت کیا ہے۔ اور وہ اشغال ومقامات جو تصوف کی جان ہیں قرآن سے مطابق کر کے دکھائے ہیں گویا شیخ سعدی کے اس شعر کی تشریح ہے۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید ۔۔۔ کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

طرز بیان اور انشاپردازی کے لحاظ سے بھی اس فن میں یہ کتاب اپنی آپ نظیر ہے۔ امید ہے کہ وہ گروہ جسے تصوف کا ذوق ہے اس کتاب سے مستفید ہوگا۔

نظم مولوی سید احمد حسین صاحب امجد

واہ وا کیا خوب لکھی ہے کتاب
ہوگیا دل جل کے بیدین کا کباب
اس کا مضمون موضح القرآن ہے
ہے یہ نور عین ایمان و یقین
ہے یہ عینا عینک چشم فہیم
چارہ ساز روح ہے یہ بالیقین
رہنمائے حق ہے اس کا ہر ورق
حق پر اب ایمان لاؤ مومنو!
کہہ کے بسم اللہ اٹھاؤ اب قدم
یہ شراب معرفت کا جام ہے

آج تک دیکھا نہیں اس کا جواب
کہہ اٹھا یا لیتنی کنت تراب
ینطق بالحق اس کی شان ہے
ہے یہ تفسیر ھدًی للمتقین
اس میں کوئی شک نہیں لاریب فیہ
ہے یہ نسخہ۔ نسخۂ بیمار دین
ہے محب الحق کی یہ منہاج حق
اس کو آنکھوں سے لگاؤ مومنو!
ہے یہی منہاج حق۔ حق کی قسم
ہاں یہی سررشتۂ اسلام ہے

ہم نے کچھ سمجھا نہیں" کہنا پھر
انا یسرناہ ھل من مدکر

فہرستِ مضامینِ کتاب